

TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188982

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 1915019

Accession No.

2259

Author

ن ج

آزاد، محمد حسین

Title

Checked 1975

نگارستان فارس

This book should be returned on or before the date last marked below.

نگارستانِ فارسی

آزاد

نگارستانِ فارس

Checked 1978

یعنی

مشائیرِ عرّاءِ فارسی کے سوانحِ عمری
غرائے سخنِ استادِ رودکی سے لیکر نور العینِ آفتِ بٹالوتی تک

از

شمس العلماء مولانا مولوی محمد حسین صاحبِ آزاد مرحوم

سابق پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور

حسب فرمایش

آغا محمد طاہر مہینگات پرائیمر آزاد بکٹ پولہ ہور

۱۹۲۲ء

میر امیر بخش کے کرمی پریسل لاہور میں چھپا

تبرکات آزاد

دربار اکبری { شہنشاہ ہند جلال الدین محمد اکبر اور اسکے نورتن کا تاریخی افسانہ۔
 دو چٹالت۔ رزم بزم۔ شادی و غم۔ ہندو مسلمانوں کا ملاپ اگر آپ
 مولینا کے جواہر نگار قلم سے لکھا ہوا دیکھنا چاہیں تو دربار اکبری منگائیے۔ اس میں یہ کتاب
 اس عمدہ کی تاریخ ہے۔ یا یوں کہئے کہ ۲۲ x ۲۹ کے ۸۵۰ صفحوں پر انشا پر داری کا گلشن کھل رہا ہے قیمت
 مثل شہنشاہی کے آخری چراغ ابو ظفر محمد بہادر شاہ کے استاد
دیوان فوق { ملک الشعر افاقانی ہند شیخ ابراہیم ذوق علیہ الرحمہ کا کلام اور
 تمام قصیدے جن قدر بہم پہنچ سکے اور دیا چہ میں سوانح عمری۔ یہ کتاب آب حیات کے بعد
 مشرقی بہار کا دوسرا افسانہ ہے۔ ایک ایک لفظ کہیں موتی اور کہیں آنسو کی جھلک مارتا
 ہے۔ ۲۰ x ۲۶ = ۳۶۰ صفحے قیمت ۳۰ روپے۔

مجموعہ مکتوبات آزاد { مخزنِ لؤلؤ نے ایک فہم مولینا آزاد کے چند خط چھپوائے تھے۔
 جن کی سادگی اور دلچسپی پر ادیب کے دلدادہ ہزار جان سے عشق
 ہو گئے تھے۔ انبیاؑ کی کشش سیکڑوں خط بزرگوں۔ دوستوں۔ شاگردوں اور افسروں کے نام جمع
 کئے ہیں۔ پہلے ایک نکھری تھی۔ اب گلہ شدہ ہے۔ الفاظ کی بندش اور مطلب کی ادیب کی طرز تحریر پر زبان بولتی ہے
سیر ایران { مشرقی زبانوں کے محقق نے ہندوستان اور پنجاب سے نکل کر ترکستان ایران
 مولینا نے ایک پچسپ لکچر میں خود بیان فرمائے تھے جس کا ایک ایک لفظ معلومات اور محبت کے
 رس سے بھرا پڑا ہے۔ سیر ایران کی ابتدا میں وہ لکھ رہے ہیں اور پھر روزنامہ سیر ایران جس کی
 تعریف سے زبان قاصر ہے۔ الفاظ نہیں جو اس کی سادگی کو ادا کر سکیں۔ جس کا ہر ایک فقرہ ایران
 کے نقشے اور مرتعے کھینچتا ہے + ملنے کا پتہ :-

آغا محمد طاہر منیجر آزاد بک پو۔ اکبر منڈی لاہور۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ

رَفَعَ الْقَدْرَ بِكَمَالِهِ حَسَنَ الْبَشَرِ بِخِصَالِهِ
شَرَفَ الْبَصَرِ بِجَمَالِهِ صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَآلِهِ

خدا کی شان ہے کہ میاں باوا رحمۃ اللہ علیہ دلی میں پیدا ہوئے۔ دلی والے کہلائے اور سیچ مچ آپ تھے بھی دلی کے۔ مگر آپ کے کمالات کا سکہ ایران و توران میں چلا جس طرح آپ اردو زبان کے مالک یا استاد ہیں اسی طرح شیراز و اصفہان کی فارسی بھی آپ کی ایک لونڈی ہے۔ یہ تو زمانہ جانتا ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد گورنمنٹ کالج لاہور کے پروفیسر بھی تھے۔ آپ کو شمس العلماء کا خطاب بھی ملا تھا۔ آپ نثار بے بدل۔ ایک شاعر باکمال تھے۔ آپ کی تصنیف سے ایک عالم فیض یاب ہو رہا ہے۔ آپ نے ایران کے سفر بھی کئے چرائی فارسی کے محاورات کی چھان بین بھی آپ نے خوب کی ہے مگر اس کا کسی کو خیال بھی نہیں آتا کہ وہ ایک ازلی مناسبت اردو فارسی زبان کی عالم بالا سے دنیا میں لیکر آئے تھے۔ جس دن سے آپ کی زبان کھل اور جب تک آپ کی زبان چلتی رہی ایک ٹکسال تھی جس میں اردو فارسی کی روپیہ اشرفیاں ڈھلتی رہیں دلی میں ہزاروں بچے پیدا ہوتے ہیں اور پیدا ہوتے تھے مگر حضرت آزاد دلی کی کان کے درِ یتیم تھے۔ ایران اور توران کا رستہ کھلا ہوا ہے۔ کاروان آتے بھی ہیں جلتے بھی ہیں۔ جانے والے ان ملکوں سے سوغات ہیں انگور سیب اور آلو سے بخارا کے سوائے اور کیا لاتے ہیں۔ ملک فارس کے شہروں اور جنگلوں کے خواب

دیکھتے ہیں اور ہندوستان میں آکر بھول جاتے ہیں مگر حضرت آزاد کا دہان جانا بونسیم گلشن میں جانا تھا کہ گلزار ایران سے سب رنگ و بو ہندوستان میں اڑا لائے۔ پیلے توسعدی و فردوسی بن کر پیلے۔ فارسی میں غزل یا قصیدہ کہہ دینا کچھ بڑی بات نہیں۔ جسے ہٹا دیا ہے وہ زلف مشکیں کی آبداری۔ نرگس چشم کی جادوگری عارض پرنور کی فسوں سازی کو فارسی میں نظم کر سکتا ہے مگر کھانے پکانے چلنے پھرنے گھر کے دھندوں کو فارسی لباس پہنانا اور اس طرح ادا کرنا جس طرح ایک مائند رانی یا نیشاپوری ادا کر سکتا ہے محال اور اگر کہہ لیجئے تو ایسے ہی ناموزوں ہونگے جیسے ایک آغاے تازہ ولایت کی اردو۔ مگر میاں بادا کی تحریر و تقریر کو سن کر اہل زبان نے دل و جان سے پسند کیا۔ مگر یہ یوں ہی ہوا کہ

بخت و دولت بکار دانی نیست
جگر بتائید آسانی نیست

روٹی کے سفید گالے چاندی کے کھرے پتروں کا وزن اور قیمت کب پاسکتے ہیں۔ زرو ہدی سونے کے رنگ ڈھنگ کہاں سے لاسکتی ہے سکندر ہزاروں ہو گزرے مگر سکندر وہی تھا جس نے سد سکندری بنائی۔ رستم بھی لاکھوں بن چکے ہیں مگر رستم وہی گنا جاتا ہے جس نے ہفت خان کو طے کیا۔ اردو کی وسعت اور ترقی کو دیکھئے تو ہندوستان سے نکل کر غیر ملکوں میں پہنچ گئی۔ گویا انگور کا افشردہ خم میں بھرا ہوا تھا جو گرمی پاتے ہی اہل پڑا اور بادہ نوش اس کی بوسونگہ کرسنٹ چاٹنے لگے اور جھوم جھوم کر فرمانے لگے بھئی کتنا اچھا خمیر اٹھا ہے۔ آج اردو زبان کی چھوٹی بڑی کتابوں کی گنتی گنتے تو لاکھوں سے اوپر بیکلیگی مگر میاں بادا کے جواہر پاروں سے کوئی لگا نہیں کھاتی سندھی اردو نہیں گنی جاتی پڑھ کر دل شگفتہ نہیں ہوتے روح لذت نہیں پاتی۔ حضرت آزاد کا دماغ قدرت الہی کا ایک عجائب خانہ تھا جس میں ہنر اور خوبی کی انگشت چیزیں سچی ہوئی تھیں۔

چنانچہ ان کے تھوڑے تھوڑے نمونے آپ کی بوقلموں تصنیف میں پائے جاتے ہیں۔ ایک سے ایک انوکھے۔ ایک سے ایک عجیب غریب دل بھانے والے ایک سے ایک زیادہ پرفیض اور فائدہ بخش۔ سخندان فارس آپ دیکھ چکے ہیں۔ فیلا لوجی کے فن کو کس طرح اس میں تحریر فرمایا ہے اور ہم ہندوستانیوں کو نیا رستہ کس خوبی سے دکھایا ہے۔ سخندان فارس نام تو آپ کی کتاب کا ہے مگر درحقیقت سخندان فارس خود بدولت ہی تھے۔ فیضی ابو الفضل ہوں یا ہمارے میرزا غالب مرحوم ان حضرات نے فارسی تحقیق تدقیق میں حضرت آزاد جیسی کاوش اور محنت نہیں اٹھائی۔ ان حضرات کی بڑی عرق ریزی یہی تھی کہ اپنے گھر میں یا اپنے شہر میں فارسی دوا دین فارسی علم ادب کی کتابیں یا فارسی زبان کی لغت اور فرہنگیں پڑھ لیں یا ترک اوزبک منغل افغان جو ایران توران افغانستان سے دلی آگرہ میں وارد ہوئے ان کی گفتگو سن کر اپنے ذہن رسا اور حافظہ خداداد کے ذریعے سے محاورے یاد کر لئے۔ مگر قصہ زمین بر سر زمین پورا ہوا کرتا ہے۔ فارسی زبان کی تحقیق کے لئے ان میں سے ایک صاحب بھی دلی کے کابلی دروازہ سے باہر نہ نکلے یہ حضرت آزاد کا ہی جگر اور حوصلہ تھا کہ سفر کی مصیبتیں اور تکلیفیں جھیل کر فارسی کی سرزمین میں پہنچے۔ وہاں کے دستور اور موبدوں سے ملے تیز پازند درزی پہلوی سغدی زابلی کابلی۔ فارسی زبانوں کی الگ الگ جدا جدا چھان پھٹک کی۔ ایرانی تورانی قوموں کے پیلے پھیلے دیکھے۔ ان کی شادی غمی کی مجلسوں میں شریک ہوئے۔ اور سخندان فارس کا ایسا تحفہ بنایا کہ دایانِ فرنگ نے اُسے ماتحتوں ماتھ لیا اور اپنے وطن کو لے گئے۔ اس سے بہت پہلے دوسرا حصہ بھی تیار کر لیا تھا اور نگارستان فارس اُس کا نام رکھا۔ اس تذکرہ میں رود کی شاعر سے لیکر نور العین افغان تک شعراے فارسی زبان کے احوال قلم بند کئے۔ مجھے یہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس تذکرہ

کو آپ نے کس خوبی اور کس خوش اسلوبی سے سجایا ہے کیونکہ حضرت آزاد کی تصنیف آفتاب کی چمک دمک رکھتی ہے۔ آفتاب کسی تعریف کا محتاج نہیں میں افسوس کرتا ہوں کہ اس وقت علامہ شبلی زندہ نہیں ہیں وہ اس تذکرہ کو دیکھ کر حضرت آزاد کے کمال کی داد دیتے کیونکہ ولسے برجان سخن گر بہ سخنداں نرسد۔ قدر جو ہر شہ بداند یا بداند جو ہری + وہ خود مورخ اور تذکرہ نویس فارسی کے زباں داں اور شاعر جمع علوم و فنون تھے۔ حضرت آزاد کی کتابوں کو بہت عظمت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اہل کمال اپنے ہم پیشہ ہم رتبہ کی ضرورت عظیم کرتے ہیں اور ان حضرات کی کیا پاک رو میں تھیں۔ ایک دوسرے کا نام سن کر سر جھکا دیتے تھے۔ مجھے یہ تو عرصہ سے معلوم تھا کہ باوا میاں نے نگارستان فارس بھی ایک تذکرہ لکھا ہے مگر اسے میں نے دیکھا نہ تھا۔ میرے والد ماجد مرحوم کو بھی اس تذکرہ کی جستجو رہی۔ کئی بار تلاش کیا مگر تصانیف اور مسودات کے انبار میں نہ پلا اور حضرت والد ماجد دنیا سے فانی کو چھوڑ کر عالم باقی کی طرف رہگرا ہوئے۔ اور باوا میاں کی تصنیف کی درستی میرے سر آپڑی۔ ایک دن کاغذات الٹ پلٹ کر رہا تھا جو ایک مندراسی کپڑے میں بندھا بندھا یا نگارستان کا نسخہ مل گیا خدا کا شکر بجالایا۔ میرزا عبدالقادر بیدل نے خوب فرمایا ہے ۵

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرومن در آ
تو ز غنچہ کم نہ دبیدہ در دل کشا بہ چمن در آ

آنکھوں سے لگایا اور سر پر چڑھایا۔ حضرت موصوف نے اس تذکرہ کو بنا سنوار کر مکمل کر لیا تھا چھپوانے کا دل میں تہیہ ہو گا جو چرخ کینہ جو نے آپ کی طبیعت اور آپ کے دماغ کو برہم کر دیا۔ میخانہ کا دروازہ بند ہو گیا بادہ نوش العطش العطش کہتے رہ گئے اور کف افسوس ملنے لگے۔ اگر آخر زندگی تک حضرت کے حواس باقی رہتے تو ایک یہ کتاب کیا خدا جانے کتنے بہشت اور فردوس دنیا میں بنا کر

چھوڑ جاتے۔ بہر حال شکر و احسان ہے کہ نگارستان فارس کی محبوبہ نے تمام کر کے نیا لباس پہنا۔ چھاپہ کی مشاطہ نے اسے کنگھی چوٹی سے درست کر دیا۔ اگر اس پر بھی اس میں کچھ عیب نقص دیکھا جائے تو حضرات ناظرین اسے میرا قصوٰء سمجھیں کیونکہ حضرت آزاد جیسی میں استعداد اور نظر کہاں سے لاؤں۔ وہ زندہ ہوتے اور اُن کے سامنے یہ چھپتی تو واللہ علم کس انتظام و اہتمام سے اسکی تصحیح فرماتے اور کیا لعل و یاقوت لگاتے۔ اہل نظر اس کے مطالعہ کے بعد مجھ ناکارہ کے لئے دعا فرمائیں تاکہ ہمت اور استقامت کے ساتھ حضرت آزاد کی تصانیف شائع کرتا رہوں فقط

بندہ

طاہر نبیرہ حضرت آزاد

آزاد منزل۔ اکبری منڈی

لاہور۔ ۱۶ جنوری ۱۹۲۶ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مخزن گارستانِ فارس

ابو عبد اللہ محمد رودکی

یہ صاحبِ ایجاد رہنے والا قبیلہ رودکی علاقہ سمرقند کا تھا۔ اگرچہ اندھا مادر زاد تھا لیکن چھوٹی عمر میں بقدر ضرورت علم حاصل کیا (چونکہ خوش آواز اور خوش گلو تھا علم موسیقی کی طرف رغبت ہوئی اور برہبط بجانے میں کمال حاصل کیا۔ اس ذریعہ سے چوتھی صدی کے شروع میں امیر نصر ابن احمد سامانی کی قدردانی سے رتبہ عالی حاصل کیا اس کی کثرتِ انعامات کے باب میں مولوی جامی نے کہا ہے

رودکی آنکہ دُر ہے صفتے	مہج سامانیاں ہے گفتے
صلہ شعر بائے ہجو دُر ش	بود در بار چار صد شتر ش

اس کے علاوہ غنصری اور ذہیقی و نظامی عروضی وغیرہم اکثر شعراے نامی نے اپنے اپنے کلام میں اُس کی نظم کی تعریف کی ہے۔ (دولت شاہ کہتا ہے رودکی دوسو غلام چھوڑ کر مرا تھا) اس سے اور مال و اسباب کو قیاس کر لینا چاہئے۔ شعر فارسی نے اس وقت تک رواج نہیں پایا تھا۔ لوگ متفرق بیتیں اور شعر کہتے تھے۔ اگر کسی صاحبِ طبیعت سے دو شعر ہم قافیہ موزوں ہو جاتے تھے۔

تو اُس کو دو ہیبتی کہتے تھے۔ جب رودکی کی طبیعت شعر پر مائل ہوئی قصیدہ رباعی وغزل وغیرہ ایجاد کیا۔ کتاب کلیدہ و دمنہ تمام و کمال نظم کی اُسکے صلیب غرضی کہتا ہے

پہل ہزار درم رودکی ز مہتر خویش	عطا گرفت بنظم آوری ز کشور خویش
--------------------------------	--------------------------------

کل اشعار اُس کی تصنیفات کے ۱۳ لاکھ شمار میں آئے۔ صاحب ہفت اقلیم ایک لاکھ تیس ہزار لکھتا ہے۔ اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ہر شے کی کس مقام سے شروع ہوتی ہے اور درجہ بدرجہ کس قدر اُس میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اُس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ تک کیا خیالات اور کیا لوگوں کے حالات تھے۔ اُس وقت تک اس فن کو اکثر مضامین حکمت اور نصیحت میں صرف کرتے تھے۔ کیونکہ شعر کے قالب میں کلام زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ (ایک دفعہ بادشاہ بخارا سے ہرات میں آیا۔ بسبب توقف کے اہل لشکر جدائی اہل و عیال سے نہایت دق ہوئے۔ رودکی سے التجا کی۔ اُس نے بخارا کی تعریف اور اشتیاق میں ایک غزل کہہ کر بادشاہ کے سامنے پڑھی کہ بادشاہ اُسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا اور بے موزہ پہنے روانہ ہوا۔ اگرچہ وہ غزل بہ نسبت کلام متاخرین کے فصیح نہیں معلوم ہوتی لیکن سببِ مصنف اسی طرح لکھتے ہیں۔ عجب نہیں کہ یہ تاثر اُس کی اُس وقت بسبب علم موسیقی کے ہوئی ہو یا یہ کہ اُس ابتدائی زمانہ میں اس قدر نظم نے بھی کمال فصاحت سے دل پر تاثیر کی ہو۔

بوے جوے مولیاں آید ہے	یاد یارِ مہرباں آید ہے
اے بخارا شاد باش و شاد ذی	میر روزے شاداں آید ہے
میر ماہ است و بخارا آسماں	ماہ سوئے آسماں آید ہے
میر سرو است و بخارا بوستاں	سرو سوئے بوستاں آید ہے

اُس کا کلام اس قدر کثرت سے ہے کہ ایک جگہ تدوین نہیں ہو سکا یا ضوں اور تذکروں سے جہاں دیکھے نئے شعر منقول دیکھے۔ کلام اس کا اگرچہ رطبِ یابس ہے مگر باوجود اس کے اُس کا اُستادی کا لقب ایسا لوگوں کے دلوں پر نقش ہے کہ کوئی

عطا گرفت بنظم آوری

ہرات اخیال

دولت شاهی و
ہرات اخیال
ہفت اقلیم

ہرات اخیال

چون وچرا نہیں کر سکتا۔ کسی شخص نے اس باب میں دقیق شاعر کے سامنے گفتگو کی
دقیق پہلا مصنف شاہنامہ کا تھا مگر حالت شروع تصنیف میں بدکاری کے سبب
قتل ہو گیا تھا، چنانچہ دقیق نے اُسے روکا اور یہ قطعہ کہا :-

اے آنکھ طعنہ کر دی در شعر رود کی	ایں طعنہ کردن تو ز جہل بہت کو د کی
کانکس کہ شعر داند داند کہ در جہاں	صاحبقران ملک سخن بہت رود کی

(غرض رود کی سلسلہ سبجری میں فوت ہوا، چند شعر اس کے بطریق انتخاب لکھے جاتے ہیں :-)

اشعار قصیدہ مضمون پیری	
مراسد و فروخت ہر چہ دندان بود	نبود دندان لابل چراغ تاباں بود
سپید سیم زدہ بود و در و مر جاں بود	شارہ سحری بود و قطرہ باراں بود
یکے نامہ کنوں زان ہمہ بود و برخت	چرخس بود ہما کہ نخس کیواں بود
نرخس کیواں بود و نہ روزگار دراز	چہ بود راست گویم قضایے یزداں بود
زمانہ پندے آزادہ وار داد مرا	زمانہ راچو نکو بنگری ہمہ بندہ است
بروز نیک کساناں تو غم خور ز نہار	بساکا کہ بروز تو آرزو مندہ است
شادوی با سیاہ چشماں شاد	کہ جہاں نیست جز فساد
ز آمدہ شاد ماں نباید بود	وا از گزشتہ نہ کردہ باید یاد
نیکبخت آن کسے کہ داد و بخورد	شور بخت آنکہ او نخورد و نداد

مستعار التاریخ

ہفت تعلیم

سبحان العجم حکیم ابوالقاسم فردوسی

اس صاحب کمال کا نام حسن کنیت ابوالقاسم اور اہل فن میں سبحان العجم
خطاب تھا۔ باپ کا نام اسحاق ابن شرف شاہ مولد قصبہ شاداب تھا۔ موضع
رزان علاقہ شہر طوس میں اسحاق مذکور کی زمینداری تھی اور عمید الملک حاکم طوس کے

نذر کرد و شای

چار باغ میں (جس کا نام فردوسیہ تھا) باغبانی پر نوکر تھا۔ اس تخلص کا یہی سبب ہے۔
 ۳۲۵ھ میں پیدا ہوا۔ تمام اہل کمال قائل ہیں کہ جب سے فارس میں شاعری شروع
 ہوئی کوئی شاعر زبردست فصیح البیان فردوسی کے برابر نہیں ہوا۔ خصوصاً رزم گوی اور
 معرکہ اراکی۔ کہ نظیر اپنا نہیں رکھتا۔ چنانچہ شاہنامہ ۶۰ ہزار شعر کی کتاب اس بات پر
 گواہ ہے۔ سعدی و انوری و خاقانی و ظہیر فاریابی و نظامی وغیرہ بڑے بڑے شاعر
 جلیل القدر اشعار اس کی تعریف میں کہتے ہیں کہ نقل ان کی تطویل کلام ہے چنانچہ
 مولوی جامی کا قول ہے۔ قطعہ :-

در شعر سہ کس پمیر اند	ہر چند کہ لانی نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را	فردوسی و انوری و سعدی

انوری کہتا ہے :-

آفرین بر روان فردوسی	آں ہمایوں نژاد فرخندہ
اونہ استاد بود و ماشاگرد	اوداوند بود و مابندہ

نظامی کہتا ہے :-

سخن گوئے پیشینہ دانائے طوس	کہ آراستہ روعے سخن چوں عروس
----------------------------	-----------------------------

سعدی کہتا ہے :-

چرخ خوش گفت فردوسی پاک زاد	کہ رحمت بران تربت پاک باد
----------------------------	---------------------------

دولت شاہ بھی یہی قطعہ نقل کر کے لکھتا ہے کہ :-

”قصاید انوری پر خاقانی نے قصاید لکھے۔ سعدی کے مقابل میں“

”امیر خسرو نے غزل اس سے رنگین ترکھی لیکن فردوسی کے برابر کسی نے“

”حق شعر نہیں ادا کیا ہے۔ اگر نظامی کو کہیں تو مضائقہ نہیں لیکن تامل“

”سے دونوں طرزوں کو دیکھ کر انصاف کراؤ نصف ہو کر ساتھ راستی کے حکم لگا۔“

شعراے فارس پہلے متفرق اشعار کہتے تھے۔ تیسری صدی میں اردو کی شاعر نے اس

ہفت تعلیم و
دیباچہ شاہنامہ
تذکرہ دولتشاہی

طبقہ اول

خاندان شاہنامہ

نے ترقی شروع کی اور وہ ۳۲۳ھ میں مر گیا۔ اُس کا ہم عصر سعدی طوسی ایک شاعر زبردست فردوسی کا استاد تھا۔ چونکہ سنہ ۳۲۴ھ ہجری میں شاہنامہ ختم ہوا اور تخمیناً ۸۰ برس کی عمر میں فردوسی مر گیا۔ پس معلوم ہوا کہ سنہ ۳۲۲ھ میں پیدا ہوا تھا۔ غرض جب فردوسی بہ تعلیم کو پہنچا۔ تحصیل علم میں مشغول ہوا۔ تاریخ کا بہت شوق تھا۔ اُس زمانہ میں سلطنت فارس نئی نئی بگڑی تھی۔ کتابیں اہل اسلام کی بہت کم تھیں اور چھاپے کے نہ ہونے کے بسبب جو تھیں سو اسے بادشاہی کتب خانہ کے یا کسی امیر کے گھر آنے کے ذلتی تھیں۔ فقط پیسہ مردوں اور پُرانے خاندانوں میں زبانی حوالوں پر داستانیں چلی آتی تھیں۔ فردوسی ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھ بیٹھ کر واقفیت حاصل کرتا تھا۔ چنانچہ شاہنامہ میں اکثر داستانوں کے شروع میں اُن کے نام کے حوالے دیتا ہے۔ ان صاحب کمالوں کے حال کتابوں میں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اس زمانہ میں لوگوں کو عیش و عشرت پھول پان کا شوق ہے اور پڑھنا لکھنا فقط کمانے کھانے کے لئے سیکھتے ہیں۔ اسی طرح اگلے لوگوں کو خواہ شہر خواہ دیہات علم و کمال کا عشق دلی ہوتا تھا۔ روزگار کی طرف زیادہ خیال نہ کرتے تھے۔ دولت دنیا کو کچھ مال نہ سمجھتے تھے۔ اگر اسی عالم میں کسی بادشاہ امیر وزیر سے قسمت موافق ہوگئی تو زہے قسمت۔ نہیں تو نصیف اور رفاه خلق اور نام نیک کو حاصل زندگانی سمجھتے تھے۔ اس قسم کے مضامین فردوسی اکثر داستان کے اوّل یا آخر میں لاتا ہے اور ایسے شوق انگیز طرز پر بیان کرتا ہے کہ دل پر اثر ہوتا ہے۔ دنیا کی لذتوں سے طبیعت بیزار ہو جاتی ہے۔ غرض یہ فردوس منزل اپنے کمال کے خیالات میں کہ گویا فارغ البالی کا ملک وسیع ہے عیش کرتا تھا۔ ایک نہر شہر طوس سے اس کے گاؤں میں آتی تھی۔ اُس کے کنارے پرگزران کے قابل مکان بنا کر سکونت اختیار کی کیونکہ اُس طرف کے لوگوں کو آب رواں کا بہت شوق ہوتا ہے۔ برسات میں پانی کی طغیانی سے آبادی کو نقصان پہنچتا تھا۔ دن رات اس فکر میں تھا کہ کسی طرح اس نہر کا بند بچتہ باندھا جائے کہ خلق خدا بربادی سے محفوظ اور نام نیک یادگار

دیباچہ شاہنامہ

رہے مگر بے مقدوری کے سبب کچھ بن نہ آتا تھا۔ اس کی اور اکثر بزرگوں کی یہ رائے تھی کہ اس کمال خدا داد کی بدولت یہ ہم سر انجام ہوگی بلکہ اس کا شکریہ فردوسی آغاز شاہنامہ میں کرتا ہے۔ محمد شکر ہی اس کے ایک دوست نے تاریخ شاہانِ قدیم کی دی کہ اُس میں سے داستانِ فریدوں و ضحاک کی نظم کر کے لوگوں کو سُنانی سب کو پسند آئی۔ خاص و عام میں شہرہ ہوا۔ ابو منصور حاکم طوس کو خبر پہنچی۔ اُس نے بہت قدر دانی کی۔ اور حسبِ الحکم اُس کی تصنیف میں مصروف ہوا۔

سی و پنج سال از سر اے پیچ ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار چو برباد دادند رنج مرا اکنون عمر نزدیک ہشتاد شد	بے رنج بردم بامید گنج کہ گفتم من این نامہ شاہوار (۸۰۰۰۰) نبد حاصلے سی و پنج مرا امیدم بیکبارہ برباد شد
---	---

چونکہ سلسلہ ہجری میں ختم کتاب ہے اور ۳۵ برس میں تصنیف ہوئی یقین ہے کہ کہ اُس وقت ۶۵۰ھ ہجری ہونگے۔ اتفاق سے ابو منصور مر گیا۔ چنانچہ شروع شاہنامہ میں چند شعر اُس کی تعریف اور مرثیہ میں بھی لکھے ہیں۔ جبکہ ۶۵۰ھ ہجری میں محمود غزنوی تخت نشین ہوا اور ستارہ اقبال اُس کا چمکا۔ اُسے تاریخِ عمدِ قدیم کا شوق تھا۔ شعراے پائے تخت کو فرمائش کی۔ چونکہ وہ اُس کے سر انجام میں عاجز تھے۔ لہذا بموجب حکم سلطان یا حاکم طوس کے ظلم سے نالاں ہو کر فردوسی غزنی میں آیا۔ شعراے شاہی میں سے عسکری و فرخی و عسجدی باغ میں گلشت کے لئے آئے تھے اور کنارِ نر پر نرم عشرت جاتے بیٹھے تھے۔ فردوسی بھی اتفاقاً وہاں آنکلا اور انہیں دیکھ کر پاس آن بیٹھا وہ سب امرائے دربار تھے۔ یہ غریب و ہتھکانی شکستہ حال۔ اُن کو شریک کرنا اس کا اپنی صحبت میں ناگوار ہوا اور ٹالنے کے لئے کہا کہ ہم تینوں شاعر ہیں اور سوائے شاعر کے غیر شخص کو اپنی صحبت میں شریک نہیں کرتے۔ اُس نے کہا کیا مضائقہ ہے آپ کچھ ارشاد کریں اگر ہو سکیگا تو میں بھی کچھ کہہ سناؤں گا نہیں تو داغِ ندامت لے کر چلا جاؤں گا۔ چنانچہ اول عسکری

آخر شاہنامہ

دیا چ

دولت شاہی

نے کہا کہ ع :-	چوں عارض تو ماہ نباشد روشن
فرخی نے کہا کہ ع :-	مانند رخت گل نبود در گلشن
عسجدی نے کہا کہ ع :-	مژگانہ ہیں گزر کند از جوشن

اور تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ دیکھیں اب پیر فرقت کیا کہتے ہیں۔ فردوسی

نے فوراً پیصرع پڑھا۔ ع	مانند سنبل گیو در جنگ پیشن
------------------------	----------------------------

سب سن کر حیران رہ گئے گیو و پیشن کا حال پوچھنے لگے۔ اس نے بیان کیا سمجھے کہ شیخ علم تاریخ میں کامل ہے۔ ہر علم و فن میں گفتگو ہوئی۔ آخر معلوم ہوا کہ فردوسی یہی ہے۔ عصری اس کو دربار میں لے گیا۔ چند شعر بادشاہ کی تعریف میں اُسی وقت کہہ کر پڑھے جو ابتدا سے شاہنامہ میں موجود ہیں۔ بادشاہ نے شہر طوس کی بنیاد آبادی کا حال پوچھا۔ فردوسی نے آبادی اُس کی طوس سپہ سالار سائرس بادشاہ ایران کے ہاتھ سے کیفیت مفصل بیان کی۔ بادشاہ کو اُس کی تاریخ دانی کا یقین کامل ہوا اور چند شعر بموجب فرمائش کے فی البدیہہ اُسی وقت اور بھی کہے۔ جو چند شعر بدینہ اُس وقت بادشاہ کی تعریف میں کہے بعض اُس میں سے یہ ہیں ۷

زیرِ دامنِ ابرشاہ باو آفریں	کہ نازد با و تخت و تاج و گیس
جہاندار محمود شاہ بزرگ	بآبش خور آرد ہمیش و گرگ
جہاں آفرین تاجاں آفرید	چو او مرزا نے نیامد پدید
بگیتی بکاں اندر او زر نماند	کہ منشور نام و را بر نخواند
ز کشمیر تا پیش دریا سے چین	بر او شہر یاراں کسند آفریں
چو کوک لب از شیر مادر بشت	بگہوارہ محمود گوید نخست
بہرزم اندر او آسمان و فاست	بہرزم اندر و شیر جنگ از ہست
بمن زندہ پیل و بجاں جبرئیل	بکف ابر بہمن بدل رود نیل

انہیں اشعار پر اگر خیال کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مضامین اول الفاظ سے

دولت شاہ
ہفت تعلیم و
دولت شاہ و
دیباچہ

جدا ہیں۔ گل اور بلبل رنگ اور چنگ کے طوطے مینا نہیں۔ کچھ کچھ بواصلیت کی بھی رکھتے ہیں۔ چنانچہ حکم واسطے تصنیف کتاب کے صادر ہوا اور فی شریک اشرفی انعام مقرر ہوئی۔ الغرض جب ساٹھ ہزار شعر پر کتاب ختم ہوئی۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی۔ حکم ہوا کہ ایک باذیل اشرفی اس کے صلب میں محبت ہوں۔ حسن سیمندی یا ایاز اس امر میں مارج ہوا۔ بادشاہ سے کہا کہ یہ شخص شیعہ ہے۔ چونکہ محمود مذہب کے باب میں نہایت سخت مزاج تھا فوراً قتل کا حکم دیا۔ فردوسی بہت گھبرایا اور غضبناک ہو کر بادشاہی کتابدار سے خفیہ کتاب لی۔ سو شعر بادشاہ کی ہجو میں لکھ کر اُس پر لکھ دئے اور وہاں سے بھاگ کر ہرات میں آیا۔ وہاں کیتباد کی اولاد سے ایک شخص شہر یار بن دارا بادشاہ تھا اُس نے فردوسی کی بہت تعظیم و تکریم کی فردوسی نے اُس سے کہا کہ اس کتاب میں تیرے بزرگوں کا حال ہے۔ تیرے نام پر کردوں مگر اُس نے منع کیا اور لاکھ روپیہ دے کر ہجو مذکور لے لی۔ چونکہ روز منادی و تلاش اُس کی ہوتی تھی اور سلطان ابوالعظم کے سامنے کسی کا زور پیش نہ جاتا تھا۔ وہاں بھی گزارہ نہ دیکھا۔ غرض شہر بشہر پھرتا تھا۔ جہاں جاتا حاکم وہاں کے سبب اسکے کمال کے عزت کرتے لیکن محمود کے در سے رکھ نہ سکتے تھے۔ آخر بغداد میں آیا وزیر کی تعریف میں ایک قصیدہ فصیح بزبان عربی کہہ کر لے گیا اور اُس کی معرفت دربار خلیفہ میں پہنچا۔ لیکن چونکہ خلیفہ اور اہل عرب اس بات کا حرف رکھتے تھے کہ اس نے سلاطین عجم کی تعریف کی ہے۔ اس واسطے حضرت یوسف کا قصہ نظم کیا چنانچہ خود کہتا

چہ حکایات آن استاں بس خوش است	سخنہائے پاکیزہ و دلکش است
بیاقصہ از قول وادار خواں	کہ بتائیدت مرد بسیار دواں
الف لام را ملک آیات را	بخواں ایندوانی حکایات را

لیکن جب محمود کو خبر پہنچی خلیفہ کو نامہ لکھا کہ فردوسی کو گرفتار کر کے بھیج دیجئے نہیں تو بنداد کو ہاتھیوں سے پال کر دوٹنگا۔ وہاں سے اُسی نامہ کی پشت پر جواب آیا

دیا چ
دولت شاہی

دیا چ

دیباچہ و
دولت شاہی

کہ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحَابِ الْغَیْلِ * محمود شرمندہ ہو کر خاموش ہو رہا *
جبکہ فردوسی کی ۶۵ برس کی عمر تھی تو ایک جوان بیٹا اُس کا ۲۷ برس کا
مرگیا چنانچہ اُس کا مرثیہ درد انگیز بھی شاہنامہ میں لکھا ہے۔ فردوسی کے جانے کے
چند روز بعد محمود کو راجگان ہند سے ہم درپیش ہوئی مراسلہ روانہ کیا۔ ایک دن
اسی باب میں مشورہ ہو رہا تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ اگر وہاں سے ہمارے حسبِ نحوہ
جواب نہ آیا تو کیا تدبیر؟ ایک امیر کی زبان سے یہ شعر فردوسی کا نکلا ہے

اگر جس نہ بکام من آمد جواب	من و گر ز میدان و افراسیاب
----------------------------	----------------------------

بادشاہ کو سن کر افسوس آیا اور کہا کہ اس بیچارہ نے ۳۰ برس دماغ سوزی کی۔
افسوس ہے مراد کو نہ پہنچا۔ اُسی وقت ساٹھ ہزار اشرافی اور ایک خلعت گراں بہا
روانہ کیا۔ فردوسی بھی اُن دنوں میں ضعیفی کے سبب سے وطن میں آیا ہوا تھا۔ ایک
لڑکے کو دیکھا سر راہ پڑھتا چلا جاتا ہے

اگر شاہ را شاہ بودے پدر	بسر بر نہادے مرا تاج زر
-------------------------	-------------------------

اس شعر نے زخمِ دل پر نمک کا کام کیا۔ سب اگلی پچھلی باتیں یاد آگئیں اور باغِ غزنی
کی تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ محرومی و مایوسی دل پر اس قدر چھائی کہ رقت آگئی اور
زمین پر گر پڑا۔ اسی برس کی عمر تھی۔ گھر میں جا کر بیمار ہوا اور چند روز میں مرگیا اتفاق
زمانہ دیکھنا چاہئے کہ جس وقت معتبران شاہی مع خلعت و خزانہ شہر میں داخل ہوئے
تھے اُسی وقت فردوسی کا جنازہ شہر سے نکلتا تھا۔ اُن لوگوں کو یہ حال معلوم ہوا۔
ہمت مناسف ہوئے فردوسی کے گھر آئے۔ معلوم ہوا کہ ایک بیٹی باقی ہے۔ اسے
حال کھلا بھیجا۔ اُس نے کہا کہ جس روپیہ سے میرا باپ ناکام گیا اُس کا لینا مجھ
ناشاد کو بھی منظور نہیں۔ معتبران شاہی نے یہی تقریر بادشاہ کو لکھ بھیجی۔ بادشاہ
اور تمام ارکانِ دولت حیران رہ گئے۔ لڑکی کی ہمت عالی پر تحسینِ آفرین کی اور
اُس روپیہ سے نہر طوس کا بند تعمیر کرا دیا کہ اب تک بندِ فتح مشہور ہے حکیمِ ناصرخسرو

دیباچہ شاہنامہ

اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ ۳۳۵ھ میں طوس کی طرف میرا گزر ہوا۔ ایک عمارت عظیم نہایت دلچسپ نظر آئی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جو روپیہ فردوسی کے وارثوں نے نہ لیا تھا اُس سے یہ تعمیر ہوئی ہے۔ مولوی جامی کا ایک شعر اس مضمون پر نہایت برجستہ معلوم ہوا چنانچہ لکھا جاتا ہے ۷

اگر تفتہ قصہ محمود و در زمانہ نمائد	جزیں فسانہ کز نشاخت قدر فردوسی
-------------------------------------	--------------------------------

شیخ ابوالقاسم گرگانی ایک بڑے عالم اُس زمانہ میں تھے۔ انہوں نے فردوسی کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی کہ اس نے بادشاہان عجم کی تعریفوں میں عمر ضائع کی ہے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ فردوسی ایک خلعت سبز پہنے تاج زمرہ سر پر رکھے ایک محل عالیشان میں بیٹھا ہے۔ پوچھا کہ یہ رتبہ عالی تم کو کیونکر حاصل ہوا؟ جواب دیا کہ درگاہ بے نیاز ذرہ نواز ہے۔ یہ میرے شاہنامہ کے دو شعروں کا صلہ ہے ۷

شائش کنم ایزد پاک را	کہ گویا و بینا کند خاک را
بورے دہد مالش نرہ شیر	کند پستہ بر پیل جنگی دلیر

خوبی یہ ہے کہ اس کے کلام سے طرفدارِ مذہبی یا تعصب دلی نہیں پایا جاتا جو مضمون خیال میں آتا ہے صاف صاف کہہ دیتا ہے۔ چنانچہ جنگ اسلام میں ساتھ اہل فارس کے جو یزدجو کی طرف سے نامہ بنام سعد ابن ابی وقاص لکھتا ہے کتا ہے ۷

ز شیر شتر خورون و سوسمار	عرب را بجائے رسید است کار
کہ تخت کیاں را کنند آرزو	تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو
شمارا بدیدہ دروں شرم نیست	ز راہ خرد مهر و آرم نیست
بدیں چہرواں مہرواں روئی خو	ہیں تخت و تاج آیدت آرزو

اگرچہ بات واقعی ہے زبانی یزدجو کے ہے لیکن ایسی بات اپنی زبان سے کہنی لوگ بے ادبی مذہب کی جانتے ہیں۔ بہر حال بنائے کلام اس پہلوان فن اور مرویدانِ سخن کی بہادری اور شجاعت اور پند و نصیحت عقل و حکمت اور علو بہت پر

ہے۔ اس کے کلام کو پڑھ کر طبیعت میں آزادی اور دل میں جوش و خروش پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ سیفت زبان اگر حسن کی تعریف میں بھی زبان آوری کرتا ہے تو شجاعت کے ضلع کو نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ رستم کی بی بی کی تعریف میں کہتا ہے ۷

دو ابرو کمان و دو گیسو کند	زبانش چون خنجر دامنش چون قند
----------------------------	------------------------------

شعراے فارس کی فصاحت و نازک خیالی مضمون عشق پر منحصر ہے لیکن اس کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے آئینہ دل میں عکس بالکل نہ پڑا تھا اور طبیعت یکیمانہ میں اس قسم کے خیال گویا پیدا ہی نہ ہوتے تھے۔ باوجود اس قدر پرگوئی اور آمیزش کے جہاں چاہتا ہے کلام کو ایسا مختصر کرتا ہے کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا چنانچہ ایک جگہ جلسہ شورت و اجتماع اہل دانش و برخواست محفل کے باب میں کہتا ہے ۷

چو از تیرہ شب بہرہ در گزشت	شب آہنگ بر چرخ پارم بگشت
پئے مصاحت مجلس آراستند	نشتند و گفتند و برخاستند

عوام الناس میں مشہور ہے کہ فردوسی اتنی بڑی کتاب میں ایک لفظ عربی کا نہیں لایا۔ یہ غلط ہے البتہ کم استعمال کیا ہے۔ کل اہل تذکرہ و تاریخ لکھتے ہیں اور یہ درست ہے کہ مثل اور شاعروں کے غزلیں اور قصاید وغیرہ فردوسی نے نہیں کہے لیکن تذکرہ الخصال میں جو لکھا ہے کہ سوائے شاہنامہ کے کوئی اور نظم اس کی نہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ قصہ حضرت یوسف راقم نے چشم خود دیکھا ہے۔ اس کتاب کے ۷۰۰ صفحہ جس میں فی صفحہ ۱۶ سطریں ہیں دو قطعہ جو تاریخ ہفت ظہیر میں دیکھے گئے اہل خلاق کے لئے عمدہ و دلکش ہیں ۷

فلک گر بر نرقاب اندر است	و گر زیر پر عقاب اندر است
مہندار کو از پئے کار تو	بہ بند خطا و ثواب اندر است
اگر بد کنی کیفسر خود بری	نہ چشم زمانہ بخواب اندر است
برایوان با نام بیشن ہنوز	بزندان افراسیاب اندر است

ایضاً

یہ سے رنج دیدم بے گفتمہ خواندم بہ چندین ہنر شصت و دو سال بوم بجز حسرت و جز وبال گناہاں بیاد جوانی کنوں مویہ آرم جوانی سن از کودکی یاد دارم	زگفتار تازی و از پس لوانی کہ گوشہ برم ز اشکار و نہانی ندارم کنوں از جوانی نشانی بدیں بیت بوطا خیر حسدوانی درینا جوانی در عین جوانی
۵ بیا بگوئے کہ پرویز از زمانہ چہ بُرد اگر گرفت ممالک بدیگراں بگزاشت	برو سپرس کہ کسریٰ زرد گار چہ خورد و رایں نہاد خزان بدیگراں بسپرد
رباعی	
تا چندانہی بردل خود غصہ و درد زاں پیش کہ گرد نفس گرم تو سرد	تا جمع کنی سیم سفید و زبر زرد باد دست بخور کہ دشت خواہ خورد
اکثر اشعار اس کے سنجیدگی کلام اور اختصار الفاظ کے سبب ضرب المثل روز گاریں سعدی جیسا نصیحت گزنا مور اپنے کلام میں سندا لایا ہے ۵	
چہ خوش گفت فردوسی پاک زاد میا زار مورے کہ دانہ کش است	کہ رحمت براں تربت پاک باد کہ جاں دارد و جان شیرین خوش است
اشعار نصیحتانہ و بے بقائے زمانہ شانہما میں بہت ہیں ہر جگہ کبھی بطور تمہید اور کبھی نتیجہ کلام کے لئے لاتا ہے بعض اُن میں سے بطریق شتے نمونہ از خوارے نقل کئے جاتے ہیں کہ بروقت گفتگو نمک تقریر ہیں ۶	
ترغیب نیکو کاری	
فریدون قنخ فرشتہ نبود زداد و دہش یافت این نیکوی	ز عود و ز عنبر سرشتہ نبود تو داد و دہش کن فریدون توئی
در باب بے اعتباری حال و قدرت پروردگار	
ندانم کہ پروردگارِ جہاں	دریں آشکارا چہ دارد نہاں

در باب قدرت عالم الغیب	
ندانند بحسب داورِ کردگار	کہ فردا چه بازی کن روزگار
تقدیر الہی و مخلوقی تدبیر	
قضا چون ز گردوں فرو بہشت پر	ہمہ عاتلاں کور گردند و کر
اگر تیغ عالم بجنب ز جا	نہ مژدہ رگے تا نخواہد خدا
نصیحت	
نہ بی کہ عیسیٰ مویم چه گفت کہ پیرا ہنت گرستاند کسے وگر بر زندگت برخسار تو میاور خشم و کمن روے زرد بہ کمتر خوش بس کن از خوردنی بدنیا بدی را بدی مشمید	بدانکہ کہ بکشد رازِ نہفت میاویر باوے بہ تندی بے شود تیرہ از درد رخسار تو بخواباں تو چشم و کمن پنج سرد مجوے ارنبا شدت گستردنی بے آزار ازس شیرگی بگزید
رزمیہ مقابلہ رستم و اشکبوس کشانی	
نہمتن بہ بند کمر برد چنگ خندنگے بر آورد پیکان چو آب بمالید چاچی کماں را بدست ستوں کرد چپ را و خم کرد راست چو سوافارش آمد بہ پناے گوش چو بوسید پیکان نرا انگشت او قضا گفت گیر و قدر گفت وہ کشانی ہم اندر زماں جاں بداد	گزین کرد یک تیرہ چوب خندنگ نہادہ برد چار پتر عقاب بچرم گوزن اندر آورد دشت خروش از خم چنچ چاچی بخواست ز چرم گوزناں برآمد خسروش گزر کرد از مرہ پشت او ملک گفت احسن فلک گفت زہ تو گوئی کہ از پشت مادر نژاد
بہت باتیں لوگوں نے کہانیوں کی طرح بنا رکھی ہیں بلکہ کتابوں میں لکھی ہیں۔ اگرچہ	

لائق اعتبار نہیں لیکن چونکہ مؤلف کو لازم ہے جو حال یا لوگوں کا خیال معلوم ہو سب پر ظاہر کرے اور اس کے جھوٹ اور سچ پر رائے دے اس واسطے بطور لطیفہ کے لکھا جاتا ہے کہ جب فردوسی نے اشعار مذکورہ لکھے رستم نے خواب میں بہت شکریہ اس کا کیا اور کہا کہ اس حالت میں اور کچھ خدمت تو نہیں ہو سکتی لیکن فلانی جگہ میرے گھوڑے کی زنجیر طلائی گڑی ہوئی ہے آپ نکال بیجئے اور بعضے کہتے ہیں کہ جب فردوسی دربار محمود سے محروم ہوا تو رستم پر بھی خفا ہوا۔ چند شعر اس کی ہجو میں لکھے ایک اس میں سے یہ ہے ۷

منش کردہ ام رستم داستان و گرنہ بلے بود در سیستان

اس وقت رستم خواب میں آیا اور یہ خزانہ غیب بتایا +
(نظامی نے جو شاہنامہ پر سکندر نامہ کہا ہے فرق یہ ہے کہ فردوسی کے مضامین بلند الفاظ زبردست ترکیب چست اور محاورہ صاف روزمرہ ہے۔ اور نظامی مضامین کو سنبھل و نسریں سے رنگین اور شک و غبر سے معطر کرتا ہے) غرض ۱۱۵۰ ہجری میں یا بموجب تخریفات اکبری کے ۱۱۵۰ ہجری میں فردوسی راہی عدم ہوا۔ محمود کی ہجو میں ۲۰ اشعار جو فردوسی نے کئے چند شعر منتخب لکھے جاتے ہیں:-

منتخب اشعار ہجو محمود

ایا شاہ محمود کشور کشاے کہ بے دین و بدکیش خواندی مرا مرا سم داوی کہ در پائے پیل نہ ترسم کہ دارم ز روشن دلی اگر در تیر پائے سپیلم کنی بریں زادہ ام ہم بریں بگذرم بسے رنج بردم دریں سال سی	زمن گرنہ ترسی بہر س از خداے منم شیر نرمیش خواندی مرا تنت را بسازم چو دریائے نیل بدل مہر آل نبی و ولی تن ناتواں ہچو نیل کفی شناگوے پیغمبر و جیدرم عجم زندہ کردم بدیں پارسی
--	---

جہاں از سخن کردہ ام چون شست
 بسے تا جہاں اران و گردن کشاں
 ہمہ مرده از روزگارِ دراز
 چو عیسے من آں مردگاں را تمام
 یکے بندگی کردم اے شہر یار
 بیغندم از نظم کلخ بلند
 نہ این گونه دادی مرا تو نوید
 بدایں شہر یار کہ این روزگار
 بترس از خدا و میبازار کس
 بداندیش کش روز نیکی مباد
 بر بادوشہ پیکرم زشت کرد
 بدانش نبود شاہ را دستگاہ
 اگر شاہ را شاہ بودے پدر
 اگر مادر شاہ بانو بدے
 چو اندر تبارش بزرگی نبود
 نہ خسرو نژادے نہ والاسرے
 پرستار زادہ نیاید بکار
 ز بد اصل چشم ہی داشت
 جہاں را چنین است آئین ساز
 سرنا سزایاں برافراشتن
 سر رشته خویش گم کردن است
 درختے کہ تلخ است ویرا سرشت

کریں سپیش تخم سخن کش کشت
 کہ دوام یکایک ازیشان نشاں
 شد از گفت من نام شاں زندہ باز
 سراسر ہمہ زندہ کردم بنام
 کہ ماند ز تو و در جہاں یادگار
 کہ از باد و باراں نیا بدگرند
 نہ ایں بودم از شاہ گیتی امید
 نماند بسے بر کسے یادگار
 رہ رشکاری مہین است و بس
 سخنامے نیکم ببہ کرد یاد
 فرد زندہ اختر چو انگشت کرد
 و گر نہ مرا بر نشاندے بگاہ
 بسر بر نہادے مرا تاج زر
 مرا سیم وزرتا بزبانو بدے
 نیارست نام بزرگاں شنود
 پدر ز اصفہاں بود آہنگرے
 اگرچہ نوو زادہ شہر یار
 بود خاک درویدہ انباشتن
 کہ ساز و فرمایہ را سرفراز
 وز ایشاں امید ہی داشت
 بحیب اندروں مار پروردن است
 گرش در زشانی بلغ بہشت

برینخ آگبیس ریزی و شہد ناب ہماں میوہ تلخ بار آورد شود جامہ ات سرسہ عنبری از و جز سیاہی نیابی دگر شاید سیاہی ستردن زشب کہ زنگی بشتن نگردد سفید کہ صد گفستہ چون نیم کردار نیست	وراز جوئے خلش ہنگام آب سرانجام چو سر بکار آورد بہ عنبر فروشاں اگر بگری وگر بگری سوئے انگشت گر ز بدگو ہراں بد نباشد عجب ز ناپاک زادہ مارید آسید بزرگی سراسر بگفتار نیست
سکندر لک حاکم قستان فردوسی سے شناسائی رکھتا تھا اُس نے بہت روپیہ اُسے بھیجا اور یہ جو مانگی کہ اسے نیست و نابود کر دے فردوسی نے بھیج دی اور چند اشعار ساتھ اُس کے بھیجے کہ ۵	
ز بیداو آں شاہ بیداو گر شنید آسماں از زمین نالام گیتی ازاں داستان ہاکنم نہ ترسم ز کس جز خداوند عرش کہ تواند آزا بہ بیج آب شست بہ تیغ زبانش کشم پوست باز ندانم کزین بیش چوں سر کشم بہ نزدیک خود بیچ نگذاشتم بسوزش باتش بشوایاں آب ازین داوورے تا بدیگرے ستاند بمحشر ازو داد و من	بہ غزنین مرا گر چوں شد جگر کراں بیچ شد رنج سی سالام ہمیں خواستم تا فضاں ہاکنم بگویم نہ مادرش و نیز از پدرش کتم آنچنان روسیہ از سخت چو دشمن نمیدانم از دوست باز ولیکن بفرمودہ محتشم فرستادم ارگفتہ داشتم اگر باشد ایں گفتنا صواب گر ز شتم آبا سرور نیک راے رسد لطف یزداں بفرما دین
ایک قطعہ اس سے اور بھی منقول ہے۔ دل ہی تو ہے شاید لکھتے لکھتے یہ بھی	

خیال آگیا ہو۔ قطعہ

نخستہ درگر محمود زابل ریاست	چگونہ دریا کا نرا کنارہ پیدائیت
شدم بدریا غوطہ زوم ندیم در	گناہ نخت من است این گناہ در نیت

عبد القادر بدایونی اس قطعہ کو نقل کر کے کہتا ہے کہ ماں محمود کی زابلی تھی۔ اور بعض لوگوں کا یہ قول ہے کہ زابل عہد قدیم میں قندھار کو کہتے تھے۔

ابو الفضل اکبر نامہ میں اگرچہ شاہنامہ کی جیسی چاہئے تعریف کرتا ہے۔ لیکن اُس میں اپنے فخریہ اور فردوسی کی ملامت میں چند فقرہ نہایت چست بلکہ سخت و درشت بھی لکھتا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ فردوسی کہینہ بے وقوف سخن فروش زیر پرست تھا۔ قول ابو الفضل کا کہ اشارہ طرف ہجو مذکورہ بالا کے ہے درست ہے اور فخریہ بھی بجا ہے۔ لیکن مقام انصاف ہے کہ وہ اولاً کمال خاندان مرحمت اکبر سے ہندوستان کے مالک بنے ہوئے بیٹھے تھے بلکہ خود تباہی اور خانہ بربادی سے نجات پائی تھی چنانچہ اُس کے حال سے آئندہ مفصل معلوم ہوگا بیشک جو عقیدت ظاہر کریں بجا ہے لیکن جب ۳۰ برس کی محنت اسی برس کی عمر میں برباد ہوتی اور اُس بڑھاپے میں خوف جان سے شہر بشہر وشت بدشت سرگرداں پھرتے اُس وقت دیکھتے کہ ان کی زبان سے کیا حق نمک ادا ہوتا ہے۔

شاہنامہ

اب مختصر حال کتاب شاہنامہ کا لکھتا ہوں کہ بایں غمرزا امیر تیمور کے پوتے نے اس کتاب کے بہت نسخہ جمع کر کے ایک نسخہ مکمل تیار کیا اور فضلاء وقت نے اُس پر دیباچہ لگایا اُس سے واضح ہوتا ہے کہ نوشیروان کو ساتھ عدالت و سخاوت کے ذوق علوم و فنون و توارخ کا بھی تھا۔ اہل علم کو جو حال شاہان قدیم کا تحقیق ہوتا تھا لکھ کر کتب خانہ میں داخل کرتے تھے۔ نیز درجہ کے عہد تک یہی

سلسلہ جاری تھا۔ ایک دہقان پیر ساکن شہر دائن حالات اور واقعات سلاطین
 سلف سے اُس وقت میں بہت واقفیت رکھتا تھا بموجب حکم یزدجرد اُس نے
 نوشتہ ہائے مذکورہ سے انتخاب کر کے ایک کتاب جامع تالیف کی۔ یہاں تک تو
 تقریر قرین قیاس تھی۔ افسانہ فضولی یعنی جاناکتاب کا عرب میں اور وہاں سے پھر آنا
 فارس میں قرین قیاس نہ تھا۔ اس واسطے تفصیل اُس کی ترک کر کے لکھا جاتا ہے
 کہ سلطنت سامانیہ میں ۳۶۲ ہجری میں تصنیف شاہنامہ شروع ہوئی۔ دقیق شاعر
 نے ہزار شعر کہے تھے کہ بسبب کسی حرکت ناشایستہ کے اپنے غلام کے ہاتھ سے
 مارا گیا اور یہ مہم ناتمام رہی۔ جب محمود بادشاہ ہوا اور معرفت خور گروز کے یا
 کسی اور طریقہ سے وہ مجموعہ ہاتھ آیا تو انجام کو فردوسی کی زبان و قلم سے تمام ہوا
 اگرچہ اس کتاب کے ۶۰ ہزار شعر مشہور ہیں۔ لیکن تارن صاحب نے ۲۲ نسخہ
 نہایت سندی قدیمی جمع کر کے بعد مقابلہ کے ایک کتاب کلکتہ میں چھپوائی تھی۔
 اُس کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نسخہ زیادہ سے زیادہ تھا اُس میں ۵۶
 ہزار ایک سو کئی شعر تھے۔ محمد عوفی لکھتا ہے کہ ۲۰ ہزار شعر شاہنامہ کے دقیق
 کی تصنیف ہیں اور ۶۰ ہزار فردوسی کے۔ اور نقی کاشانی کہتا ہے کہ ۴۴ ہزار شعر
 اُس کے استاد اسدی طوسی کے ہیں کہ اُس نے فردوسی کو مرض موت میں کہہ کر
 دئے تھے۔ اُس کی تصنیف اُس زمانہ سے شروع ہوئی جبکہ اہل عرب نے ایران پر
 حملہ کیا۔ اسدی نے گرشاسب نامہ بھی تصنیف کیا ہے اور اکثر قصاید اور مباحثہ
 شب و روز اور جبل و علم وغیرہ کے بھی ہیں۔ دقیق کا نام منصور ابن احمد تھا۔ طین
 اُس کا بخارا تھا۔ اُس نے فوج بن منصور کے حکم سے گرشاسب نامہ بھی تصنیف
 کیا تھا۔ فوج مذکور ۳۶۲ ہجری میں تخت سے معزول ہوا۔ ابتدا شاہنامہ کی اُس
 نے کی تھی۔ وہ بدکار اپنے غلام کی شمشیر سے قتل ہوا۔ چنانچہ شاہنامہ کی ابتدا
 میں فردوسی بھی اس کا اشارہ کرتا ہے (یہ کتاب براے نام تاریخ مشہور ہے۔

منہاج و
ہفت اعلیٰ
دیباچہ

علاء آغا ز شاہنامہ
علاء ہفت اعلیٰ

لیکن درحقیقت اس کو ایک افسانہ زبان فارسی کا سمجھا چاہئے جو کہ تاریخ کی طرز پر لکھی گئی چنانچہ سلطنت کیخسرو میں کئی جگہ لکھا ہے کہ آتشکدہ میں گیا اور ژند و دستا کی آرائش اور تعظیم کی اور اس میں شک نہیں کہ ژند و دستا اُس کے پوتے کے وقت میں زردشت نے ترتیب کی جس میں قریب دو سو برس کا فرق ہے۔ ابتدا لشکر کشی سکندر اور پھر اور مقامات میں کتنا ہے کہ نشان یعنی لشکر کا علم طلب کیا۔ اُس کے پھر برے پر محب الصلیب لکھا تھا اور دین یح کی قسم کھائی پس یہ بھی ظاہر ہے کہ سکندر ۳ سو برس پہلے حضرت عیسیٰ سے مر گیا تھا۔ باوجودیکہ سلطنت سکندر و ہرام گور و نوشیروان وغیرہ میں کئی جگہ مفصل ذکر ہندوستان کا آیا ہے۔ لیکن سوائے نام قنوج و سند و جادوستان کے کسی شہر کا نام نہیں آیا۔ اس سے زبان مذکور کے علم جغرافیہ کا ضعف پایا جاتا ہے۔ ملک جادوستان کی تحقیق نہیں ہوئی مگر اُس زمانہ میں جد و جنسوں کا خاندان مشہور تھا عجیب نہیں کہ دلائی مورخوں نے شن کر اُن کے ملک کو جادوستان لکھنا شروع کر دیا ہو۔ اسی طرح سے بعض داستانوں میں حوالہ شاہوے پیر کا دیتا ہے۔ یہاں کے کسی آنے والے سے سنا ہوگا کہ ہند میں ساہ مہاجن بڑے آدمی کو کہتے ہیں۔ اُس نے سمجھا کہ سب طرح کی بڑائیاں اور فضل و کمال اُسی میں ہوتے ہیں۔ چونکہ ہم لوگوں میں تاریخ سلف کی بالکل نہیں ہے اس واسطے اسی کو غینت سمجھ کر مطلب براری کرنی چاہئے۔ گو کہ سکندر کا آنا ہندوستان میں غلط ہے لیکن چونکہ بعض عمل اور ایجادات عجیب اُس وقت کے حکیموں کے لکھے ہیں۔ اس سے بھی اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان ادویات و نباتات و حکیموں کے باب میں اُس زمانہ میں بھی مشہور تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عیش و عشرت کا مرض قدیمی ہے چنانچہ ہرام گور نے شنکر راجہ ہندوستان سے (جو کہ اُس کا خسر تھا) مطرب اور ارباب نشاط طلب کئے۔ چنانچہ اُس نے دو ہزار سے زیادہ صاحب کمال

اس فن کے مع ساز و سامان یہاں سے بھیجے + آنا حکیم بزرگوار کا نو شیردان کی طرف سے برائے تحقیقات نباتات و دوائے زندگی بخش و تلاش کو ہستان ہند میں اور یہاں سے جانا کتاب کلید دمنہ اور شطرنج کا بھی ثابت ہوتا ہے ۔ اے ناظرین یہ مٹی وہی علم خیز اور مادہ قابل اور حکمت انگیز ہے۔ اس وقت کو غنیمت جانو کہ معلم و حاکم تمہارے دانایان فرنگ فخر حکماءے فارس و یونان میں انکی آبیاری تعلیم و پرورش شل ابر رحمت کے جاری ہے اور تم میں دونو جو ہرکت و صنعت کے موجود ہیں کوشش اور محنت سے رنگِ جہالت کو دور کرو کہ مراد دلی تمہاری حاصل ہو تم دونو جہان میں سرسبز ہو اور نام نیک تمہارے بزرگوں کا روشن ہو ۔

حکیم ناصر خسرو

(تمام اہل تذکرہ و تاریخ کے اقوال اس کے باب میں مختلف ہیں کوئی کہتا ہے عارف اور موصد کامل تھا۔ کوئی کہتا ہے محد تھا اور تناسخ کا قائل تھا لیکن ایک رسالہ خود اس کی تصنیف سے میرے ہاتھ آیا۔ سب کے کلام لغو سمجھ کر اس کا خلاصہ لکھتا ہوں۔ یہ رسالہ بدخشاں میں دیکھا گیا۔ ترجمہ اس رسالہ کا اور تاریخ ہفت اقلیم میں بھی خلاصہ اُس کا مندرج ہے :-

”ابوالمعین ناصر ابن خسرو ابن حارث ابن علی ابن حسین ابن علی ابن موسیٰ الرضاؑ مجھ کو بچپن سے علم و کمال کا شوق تھا ۹ برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ پانچ برس میں علم لغت و صرف و نحو و عروض و قافیہ و حساب و سیاق تحصیل کیا۔ بعد اس کے رمل نجوم ہیئت اقلیدس حاصل کیا۔ اکتساب علوم اور تحقیقات مختلفہ کے لئے ۳۰ برس بصرہ اور روم و یونان و ہند

اور بابل میں سیاحی کی ابتدا اسکے فقہ و حدیث کتب متداولہ اور تفاسیر و تالیف میں سو سو جلد کتابوں کی پندرہ برس تک دیکھیں۔ مذاہب مختلفہ کی کتابیں اور تصنیفات مذہب جاما سپ حکیم و منطق الہی و طبیعی و قانون اعظم و ریاضات و تسخیرات و اخلاق حکمائے اولین و آخرین کے سب معلوم کئے۔ مسائل شکل کو حل کیا۔ ۶۰ برس کی عمر ہوئی، معلوم ہوا کہ اب کوئی کتاب قابل سیر باقی نہ رہی ہوگی۔ چند روز میں عزیز مصر کا وزیر ہو گیا۔ مگر چند مسئلوں میں علمائے نافم سے مباحثہ ہوا جو اکابر فضلًا مشہور تھے انہیں دلائل عقل و نقل سے قائل کیا۔ انہوں نے بغض و حسد سے میری تکفیر عزیز کے دلنشین کی۔ میرے ایک معتقد نے مجھے بھی خبر دی۔ میں سعید اپنے رازدان بھائی کو ساتھ لے کر بھاگا۔ بغداد میں مستنصر باللہ کے پاس آیا۔ چند روز میں وزیر ہو گیا۔ مگر وہاں بھی وہی خرابیاں پیش آنے لگیں۔ چند روز بعد مع بھائی کے واسطے لینے بیعت کے ملاحدہ کے ملک میں بھیجا گیا۔ وہاں کا حاکم غائبانہ میراث شاق تھا۔ میں نے خلیفہ کا پیغام ادا کیا۔ گفتگو شروع ہوئی۔ اس نے نام پوچھا۔ میں نے کہا ناصر۔ اس نے کہا کیا تو ناصر پسر خسرو ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ وہ مرو حکیم ہے۔ مجھے اس سے کیا نسبت۔ اس نے کہا کہ تو بھی عالم و انا معلوم ہوتا ہے۔ چاہئے کہ تیرے علم و حکمت سے کچھ فائدہ حاصل کیا جائے۔ ایک کتاب منگا کر دی کہ یہ اسی کی تصنیف ہے اور یہاں کوئی سمجھ نہیں سکتا میں نے دیکھا تو کتاب کبیر اعظم میری تصنیف تھی۔ بحث واجب الوجود کے مطالب میں نے بیان کرتے شروع کئے۔ اتنے میں ایک شخص دربار میں حاضر ہوا۔ سلام کیا اور بیہوش ہو کر گر پڑا۔ میں نے دیکھا تو ناطوس مغربی تھا کہ بابل میں مجھ سے پڑھا کرتا تھا۔ جب ہوش آیا تو حاکم نے اس سے پوچھا کہ تو اس شخص کو پہچانتا ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں ناصر خسرو میرا استاد ہے۔ حاکم سنتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ نہایت تعظیم سے پیش آیا اور کہا الحمد للہ آج طالب کو مطلوب ملا۔ غرض جب پیغام سلام خلیفہ کے طے ہوئے میں نے نخست

چاہی اُس نے ہرگز نہ مانا اور مستنصر کے خط کو جو میری طلب میں تھا چاک کر ڈالا۔ مجھے وزارت دے دی۔ میں نے انکار کیا۔ جب کسی طرح مخلصی نہ دیکھی ناچار قبول کیا۔ تمام سلطنت مجھے اور سعید کو سپرد کر دی۔ اس پر بھی میں ہمیشہ گھات میں ہوتا تھا آخر ایک دن موقع پا کر بھاگا۔ لیکن پھر گرفتار ہو کر آیا۔ حاکم نے کہا کہ اے ناصر مجھے تو یہی آرزو تھی کہ ایک دفعہ تجھے خواب میں دیکھوں۔ اب تو خدا نے جیتے جاگتے یہ دولت دی ہے مرنے کے خلاصی محال ہے۔ آخر زنجیریں ہاتھ پاؤں میں ڈال کر قید کیا ۹ سال محبوس رہا۔ حاکم کا ایک بیٹا تھا کہ وہ اس عرصہ میں میرا شاگرد رہا تھا اور کچھ حاصل بھی کیا تھا اُس نے کہا کہ اب رہائی اسی میں ہے کہ میرے باپ کے مذہب کے بموجب ایک کتاب تصنیف کرنا چار جان بچانے کے لئے بموجب اُن کے مذہب کے ایک کتاب لکھی اور وہی زیادہ تر مانع خلاصی ہوئی۔ خدا جانتا ہے کہ وہ میرا اعتقاد نہیں لیکن عالم میں مشہور ہو گئی۔ علما فضلا نے دیکھی اور کافر ٹھہرا دیا۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے اُس کی وزارت تک منظور نہ تھی۔ لاچار پھنس گیا تھا۔ آخر بھائی نے کہا کہ علم تسخیرات اور طلسمات میں تجھے دخل ہے۔ عالم ارواح سے کوئی رستہ نکال کہ اس بلا سے مخلصی ہو۔ میں ایک دن حاکم کے پاس گیا اور کہا کہ میں تو اب بڑھاپے سے لب گور پہنچا مجھے قید سے رہائی دو۔ میرے عوض بھائی کو قید کر لو اُسے بھی رحم آیا اور زنجیریں کٹوا دیں۔ میں اعمال تسخیر میں مشغول ہوا۔ اُس کی تاثیر سے حاکم بیمار ہوا۔ مجھے بلایا۔ میں نے کہا کہ سرزمینِ مشن میں ایک گھاس ہے۔ اُس کے سوا کوئی دوا نہیں۔ چنانچہ مع بھائی کے اُس کی تلاش میں روانہ ہوا۔ پچاس سپاہی کا پہرہ ہمارے ساتھ تھا۔ ۱۳ منزل آگے جا کر میں نے ایک ایسا عمل کیا کہ سب لوگ اور اُن کے گھوڑے وغیرہ جل کر خاک ہو گئے۔ سعید اور ایک شاگرد کو بیکر نیشا پور میں آیا۔ جوتی ٹوٹ گئی تھی میں موچی کی دوکان پر گھٹوا لے گیا۔ دفعۃً ایک غل ہوا۔ موچی بھی بھاگا ہوا گیا۔ دیکھوں تو سامنے سے بھائی اکیلا چلا آتا ہے اور موچی اپنے درفش پر ایک گوشت کی بوٹی لئے آتا ہے۔ حال پوچھا تو موچی نے کہا کہ ناصر خسرو کا ایک شاگرد

کسی عالم سے مباحثہ کرتا تھا۔ عالموں نے ترویجِ دین کے لئے اُسے قتل کیا۔ سب ایک ایک بوٹی تبرک کی طرح لے گئے۔ میں مُنتہی ہی اپنی جوتی لیکر بھاگا کہ جہاں میرے نام کے سبب سے شاگرد کا یہ حال ہوا میرا کیا ٹھکانا ہے۔ بدخشان میں آیا۔ وہاں بھی دو سال وزارت کی۔ یہاں کے لوگ مسلمان صاحبِ مروۃ تھے البتہ بعضے عالمِ منتصبِ دعوئے کرتے تھے لیکن ایمان سے بے بہرہ تھے وہ البتہ بہتانِ طوفان لیتے تھے اُن سے دل پریشان ہوا۔ قصبہ بیکانِ علاقہ بدخشان میں گیا۔ وہاں کے لوگ بہت گرویدہ ہوئے لیکن حاسدوں کے ڈر سے یہ غار اختیار کیا اور طلسمات کے بندوبست باندھے کہ لوگوں کی ملاقات بلکہ اُن کی نظر سے محفوظ رہوں۔ ۲۳ برس یہاں خداے واحد کی عبادت کی۔ اب یہ عالم ہے کہ کھانے کی فقط جو مجھے کافی ہے ۲۵ دن میں ایک دفعہ کھانا کھاتا ہوں ۱۴۰ برس کی عمر ہوئی زندگی آخر ہے کچھ آرزو باقی نہیں عقل میں فرق آگیا۔ عبادت بھی اب نہیں ہو سکتی۔ بھائی سعید کل جمعہ کا دن ۱۲ ربیع الاول کی ہوگی۔ سو اے فرشتگانِ اعمال کے کوئی نگاہبان نہ ہوگا اور سو اے پروردگارِ کائنات کے کوئی نمکسار نہ ہوگا۔ روح میرے بدن سے ساتھ ایمان کے جدا ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ تجھے چاہئے کہ جب تک مجھے غسل نہ دے علماء و حکماء دعوائِ الناس سے کسی کو خبر نہ کرے جب غسل دینے لگے گا تو دشمنِ علماء عالمِ ارواح سے حاضر ہونگے تو انہیں مانع نہ ہونا کہ وہ تیری مدد کو آئینگے۔ جب قبر وغیرہ بنیاد ہو چکے تو جا کر علماء کو خبر کرنا۔ جب سب حاضر ہوں تو خود پیش نماز ہو کر نماز پڑھانا اور بعد نماز کے عذرِ معذرت کرنا جب وہ چلے جائیں تو دفن کر دینا۔ اور کہنا **حَسْبُكَ اللَّهُ وَبِاللَّهِ وَعَلَيْهِ مِلَّتِ رَسُولُ اللَّهِ**۔ یعنی اللہ کے نام اور اللہ کی برکت سے اور اوپر مذہب اللہ کے رسول کے یا اللہ تیرے بندہ گنہگار کو لایا ہوں اُس پر رحمت کر۔ پھر اس غاریں نہ ٹھیرنا۔ جب نکلنے لگے تو یہ شیشہ اٹھا لینا اس میں تھوڑا پانی ہے اُسے غار کے دروازے پر چھڑک دینا اور مجھے خدا کو سونپ دینا۔ فقط“ بھائی اُس کا کہنا ہے کہ

دوسرے دن ایسا ہی ہوا اور میں نے ایسا ہی کیا۔ دوشخص آئے اور میں نے انکے ساتھ کفن و دفن کیا۔ بعد اُس کے شیشہ لیکر باہر نکلا غار کے دروازے پر اس کا پانی چھڑک دیا اور دونوں کے پیچھے پیچھے چلا۔ تھوڑی دُور جا کر وہ تو غائب ہو گئے میں اُٹا پھر کر غار کی طرف آیا دیکھا کہ دروازہ غار کا ایک عظیم الشان پتھر سے سدود ہے۔ سمجھا کہ تاثیر اُن پانی چھڑکنے کی یہی تھی بہت تعجب ہوا اور کہا کہ اے ناصر تو وہی ہے کہ ہر ایک بات کی تجویز سوچتا تھا اور زندگی نکالتا تھا کیا حاصل کہ آخر موت کا کچھ علاج نہ کر سکا۔ سبحان اللہ ایسے ہی لوگوں کے حق میں کسی صاحب کمال کا کلام ہے۔

رحم اللہ معشر الماضی	کہ بمرودی جہاں سپردندے
اَلْاَبْرَارِ کَاں چوزندہ مے نشوند	کاش ایں ناکساں بمرودندے

دولت شاہی

ناصر نے سفر خراسان میں شیخ المشائخ ابو اشمس جرجانی سے ملاقات کی انشائے گفتگو میں اُس نے کہا کہ اے پابند عقل ناقص تیری میری صحبت موافق نہیں آسکتی۔ حکیم نے کہا کہ عقل ناقص کیونکر ہو سکتی ہے کہ۔ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ۔ قولِ مسلم ہے۔ شیخ نے کہا کہ وہ عقل انبیا کی ہے نہ تیری اور ابو علی سینا کی کہ دونوں اُس پر مغرور ہو۔ غرض (۱۳۷) ہجری میں فوت ہوا۔ کنز الحقائق نشر اور روشنائی نامہ نظم میں اس کی تصنیف ہے۔ دیوان قصاید حکمت و مضامین الہی سے مالا مال ہیں۔ چنانچہ ابو سہیل صعلو کی جو نیشاپور میں فاضل بزرگ و قاضی القضاۃ تھا اُس نے اُسے فہمائش کی تھی کہ تو فاضل ہے اور کلام تیرا نہایت بلند ہوتا ہے۔ علمائے ظاہری شہر خراسان کے تیرے مارنے کا ارادہ رکھتے ہیں یہاں رہنا تیرا مناسب نہیں فی الحقیقتہ اُس کا مرتبہ عالی یہاں کے عالموں کی حدِ فہم سے بلند ہے۔ راقم نے سفر بخشان میں اُسکی قبر کو خود جا کر دیکھا ایسی دلچسپ و لغزاجگہ ہے کہ وہاں سے اُٹھنے کو جی نہیں چاہتا۔ فیض آباد دار الخلافہ بخشان سے دو منزل کنارہ جنوب مشرق کو ہے۔ ذات القیامۃ اور اشہار اور قصاید کا مجموعہ تین کتابیں اُس کی دہاں پائی جاتی ہیں۔ اُس کے بھائی

کی اولاد دہاں موجود ہے اور وہ علاقہ میکان کہلاتا ہے بمعنی ہزارکان کیونکہ دہاں اقسام جو اہرانب و معدنیات کی کانیں بہت ہیں۔ وہ قطعہ نہایت ٹھنڈا ہے نقطہ دو مہینے زمین برف سے خالی نظر آتی ہے نہیں تو ہمیشہ کوہ و دشت سفید رہتے ہیں یقین ہے کہ یہ رباعی انہوں نے وہیں کہی ہوگی۔ رباعی :-

دوشینہ شبے کہ برف تادوشم بود	زانو چو عروس نو در آغوشم بود
پوشیدنی بود غیر از چشم	چیزے کہ بزیر سرم گوشم بود

شہر بلغار جو تاتار کی حد شمالی میں ایک شہر ہے اور فی الحال روس کے علاقہ میں ہے شاہ ناصر کا دہاں گزر ہوا اور اس سفر میں نہایت تکلیف اٹھائی چنانچہ اس قطعہ سے کہ شاعر نے ہے مگر اشارہ اس کا پایا جاتا ہے :-

ہم جو رسن از بلغاریا نست	کہ بادامم میں باید کشیدن
گنہ بلغاریاں را نیز خیمیت	بگویم کہ تو بتوانی شنیدن
خدایا ایں بلاؤفتنہ از تست	ولیکن کس نے آرد نچیدن
ہمیں آزدتر کاں را ز بلغار	زہر پردہ مردم دریدن
لب و دندان آغ بان چون ماہ	بدیں خوبی نبایت آفریدن
کہ از عش لب و دندان ایشاں	بدندان ہم نے باید گردیدن

اہل بدخشاں بلکہ دور و دراز ملکوں کے لوگ ان سے بہت اعتقاد رکھتے ہیں اور خود بادشاہ بدخشاں ان کے مزار پر حاضر ہو کر نقد و جنس گھوڑے وغیرہ نذر چڑھاتا ہے کلام اس حکیم کامل کا جو نقد و کھیا محض خیالات و محنت اصلاح نفس میں عشق کی بونہیں قطعہ

دیر باندہم دیں سراے کہن	تا کہنم کرد صحبت دی و بہمن
توشہ تو علم و طاعت است دیر اہ	سفرہ دل را بدیں دو نوشہ بیانگن

مثنوی

جوانی شد اورا فراموش کن	سیر ناتوانی در آغوش کن
-------------------------	------------------------

	زنا و دیدنی چشمها کور دار ز حیرت بخواں انچه یزدانی است ز حکمت خوش جوئے مر جانت را اگر نوش تو زهر کرد ایں فلک	ز بیہودہ ما دیدہ مدہوش کن نبشت شیاطین فراموش کن دلت معده ساز و دہن نوش کن بدانش تو ز ہر فلک نوش کن
۵	از چہ شد ہجو ریسان کن ماندی اکنون بجل چو آن مغس ہمہ آں کن کہ گر پیر سندات	آں سر سبز و تازہ ہجو سراب کہ شب گنج بیند اندر خواب زاں توانی درست گفت جواب
۵	ابا گشتہ غرہ بکار زمانہ دیریں رہگز چند خواہی شستن دویدی بے از پس آرزو ما خدا از تو طاعت بدانش پذیرد بس است اینکہ گفتت افزوں نخواہد سخنہائے حجت بغفل است سنجیدہ	ز مکہ شش میل گشتی آگاہ یانہ چرا بر نخیزی چہ ماندت بہانہ بروز جوانی چو گلو زمانہ مہر پیش او طاعت جاہلانہ چو تازی بود اسپ یک تازیانہ مگرداں ترازوئے اور از بانہ
۵	بنی آدم گروہ ہے بس لطیف اند در ایشان ہست شتہ ناکس و خام بصورت زندہ لیکن جان ندارند ز بیداری دل بیدار شاں نہ بداں خود را کہ گر خود را بدانی چو خود دانی ہمہ دانستہ باشی ترا نہ چرخ و ہفت اختر غلام ہست پرہیز راے برادر از لیثاں	حقیقت ہم کثیف و ہم شریف اند کہ عاقل دیو مردم ساز و دش نام و گر دارند جاں جانان ندارند بجز انکار خاصاں کار شاں نہ ز خود ہم نیک ہم بد را بدانی چو دانستی ز ہر بد رستہ باشی تو شاگرد منی حیف تمام است بنا کن خانہ در کوئے جیکماں
اشعار ناصر خسرو جو کہ آتشکدہ سے انتخاب ہوئے :-		

بر خطا ہر آرائی ز الٰہِ مودیا

برایں مہربان گشت صورت نگارش بلو لوبشت ابر گرد و غبار کش درختے کہ آب آتش بروں کرد از آتش کہ پُر نقش چیں شد میان و کنارش کہ با قوت پودا ست پیروز تارش کہ پیروز تابلست یک رویہ بارش بدست صبا داده گردوں مهارش کہ جز قطرہ باران ندارد قطارش کہ برخواست از ہر سوئے خواستگارش ہاں کس کہ آراست پیرا و پارش نگیرد بجز جاہل اندر کنارش	جہاں خود گرد گرد شد روزگار کش بدیبا پہ پوشند نوروز رویش بدیناں ہیں قرطہ سبز پوشند گرا ز رنگ خواہی بہستان نظر کن بصحراب گستر دینیاں بساطے نمک کن بہ این کار و ان ہوائی سوئے ہوتا نش فرستاد لیکن کہ دیدارست ہرگز چنین کاروانے بسال نوایدوں شد آن سال خوردہ چو جوڑ کہ آراست این پیرو زن را کنارہ کند زو خردمند مردم
--	---

۴۰
ہائے شریعہ ہمار

خطاب با سمان

خود سودہ مے ز گردی مارا ہجے بانی حدے و غلتے راست حدی منتہائی زیں قول مے نہ جنبند شہری رشائی	چوں آیات منیم اے چرخ آبیائی بسیار گشتہ دورت تا کہ نفس رازی ہرگز قدیم باشد جنبندہ مکانی
--	---

خود بینی

از ہر طبع بال و پر خویش بیار است امروز ہمہ روئے زیں زیر پر است چہ کر گس و چہ نقض و سیمرخ کعققات بینم سر موئے ہمہ گرد تر دریاست آں پر زدن پشہ عیاں در نظر است	روئے سیرنگ عقابے ہوا خواست از راستی مانی کرد و چنین گفت چوں من کہ تواند سپرد از ہمہ عالم بر اوج چو پرواز کنم از نظہ نیز گر بر سر خاشاک یکے پشہ بجنبند
---	--

بنگر کہ ازین چرخ جفا پیشہ چہ برخواست
تیرے ز قضا و قدر انداخت برو راست
کز عالم علویش بہ سفلیں فرو کا ست
و نگہ نظر خویش کشد و از چپا ز راست
ایں تنہی و تیزی پریدن ز کجا خواست
گفتا ز کہ نالیم کہ از ماست کہ بر ماست
بنگر کہ عقابے کہ منی کہ دچہ ما خواست

بسیار منی کرد و ز تقدیر نہ ترسید
ناگر ز قضا سخت کمانے ز کیں گاہ
بر بال عقاب آمد آن تیر جگر دوز
بر خاک بیفتاد و بغلطید چو ماہی
ایش عجب آمد کہ ز چوبی و ز آہن
چوں نیک نظر کرد پر خویش دراں دید
ناصر تو منی را ز سر خویش بدر کن

سراخجام نعمت ہائے دنیا

مست و لا یقل نہ چوں خوار گاہ
بانگ برزد گفت کائے نظار گاہ
ایش نعمت ایش نعمت خوار گاہ

ناصر خسرو براہے مے گزشت
دید قبرستان و بتر ز رُو بزو
نعمت دنیا و نعمت خوارہ میں

لطیفہ

طینتِ انساں ہمہ جیل سرشتی
آلتِ خوبی تو بود و علتِ زشتی
ہمچو دلِ دوزخی دروئے بشتی
زاہد محرابی و کشیش کنشتی
چوں ہمہ را دایہ مشاطہ تو گشتی

بار خدا یا اگر ز روئے خداے
طلعتِ رومی و چہرہٴ حبشی را
چہرہ ہند و روئے ترک چرا شد
از چہ سعید اقتاد و از چہ شقی شد
چہیست خلاف اندر آفرینش عالم

عجربہ

ناکساں را جوئی از بس ناکسی
چوں شدی عاجز گرفتگی کرگسی

چند گردی گرداں بیچار گاہ
تا تو انستی ربودی چوں عقاب

فاسقے بودی بوقت دست رس
پار سا گشتی کنوں از مفلسی

حکیم مجد الدین عارف سنائی

دولت شاہی
مراتھال

یہ بزرگ صاحب دل خاندانِ عالیشان شرفاے غزنیوں سے تھا۔ باپ اس کا
اوتھم اور پیر اس کا یوسف ہمدانی اور خود شاگرد ابوعلی فارندی کا تھا سلطان بہرام شاہ
بادشاہ وقت چاہتا تھا کہ اپنی بہن کی شادی اس شریف روزگار کے ساتھ کرے مگر
اس نے قبول نہ کیا۔ عذریں جو قطعہ لکھا دو شعر اس میں سے یہ ہیں :-

بہند اگر کھم و گر خواہم
بسر تو کہ تاج نستانم

من نہ مرد زن و زرو جاہ ام
گر تو تاجی ز احسانم

علوم میں مہارت کلی رکھتا تھا۔ اس واسطے بلقب حکیم معروف ہے دولت شاہ
کے ساتھ دولتِ خدا شناسی بھی پائی تھی اس واسطے عارف سنائی مشہور ہے۔
اُس زمانہ تک سوائے علما و حکما کے کس و ناکس شاعری میں دست اندازی نہیں
کرتے تھے اور اکثر مطالبِ مفیدہ کے سوا اس فن کو ہر لیاقت میں خرچ نہ کرتے تھے۔
یہ صاحب کمال شعر میں یگانہ عصر تھا اور دولت و جاہ سے فارغ البالی میں بسر کرتا تھا۔
سلسلہ فقر میں اس طبع داخل ہوا کہ سلطان نے ایک دفعہ موسمِ سرما میں ہند کی طرف
فوج کشی کی وہی دن کو بیچ کا تھا اور سنائی قصیدہ اُس کی مح میں کہہ کے دربار کو چلا۔
چاہتا تھا کہ جلد پہنچے تا دربارِ برخواست نہ ہو جائے۔ شراب خانہ کے آگے سے نکلا
گالنے کی آواز کان میں آئی کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ ایک دیوانہ شراب پی رہا ہے۔
اور نشہ کے سرو میں ساقی سے کہتا ہے کہ لایک جامِ سلطان ابراہیم کی اندھی آنکھوں
کی یاد میں۔ ساقی نے کہا اے دیوانہ ایسے بادشاہ عالیجاہ کے حق میں ایسی بزم بانی
کا کلمہ کہتا ہے۔ دیوانہ نے کہا کہ جھوٹ کیا ہے ایک بے انصاف لالچ خوردہ ہے۔
جو ملک قبضہ میں ہے اُسے سنبھال نہیں سکتا۔ اور کی ہوس ہے۔ جاڑہ میں سفر کرتا ہے۔

خلق خدا کی تکلیف کا خیال نہیں جب یہ نفع کر لیا اور کے پیچھے پڑ جائیگا۔ وہ جام لیکر پی گیا اور کہا کہ ساقی لا جام حکیم سنائی کی اندھی آنکھوں کی یادیں۔ پھر ساقی نے کہا کہ اے کجغت ایسے شاعر بطیف و خوش کلام کو اس طرح کہتا ہے۔ستان نے کہا شاعر کیا ہے ایک احمق ہے جھوٹے سچے دہیات جوڑ کر ایک احمق کے آگے کھڑا ہوتا ہے اور پڑھتا ہے۔ جب خدا سوال کر لیا تو کیا جواب دیا۔ یہ سُنتے ہی سنائی کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ ایک حالت طاری ہوئی۔ اُسی وقت سارا دیوان جس میں قصاید بادشاہوں کی تعریف کے تھے ڈبو دیا اور ننگے سر ننگے پاؤں پھرنے لگا۔ لوگوں نے جانا دیوانہ ہو گیا۔ دوست اقربا سب رونے پٹینے لگے گردہ ہی کہتا تھا کہ میرے حال پر تاسف نہ کرو کہ یہ تو عین خوشی کا مقام ہے۔ چند روز جوش و خروش زیادہ رہا آخر وعظ اور پند اور نصیحت و حکمت پر کلام نے قرار پکڑا اور ایسا خدا شناس ہوا کہ آج تک بڑے بڑے مولوی موحّد اُس کے معتقد ہیں اور تہذیب کرتے ہیں۔ امام غزالی اس کا مرید ہے۔ اس کو مولوی روم سے درجہ دوم میں خیال کرتے ہیں مگر خود مولوی روم کا کلام اُس کی شان میں اس طرح ہے ۵

ادیک جوشی کردہ ام من نیم خام | از حکیم غزوی بشنو تمام |

ایک دن اس کی پابریگی اور شکستہ حالی دیکھ کر تمام دوست آشناؤں کو رنج ہوا اور صلاح مشورہ کر کے اس کے سمجھانے کو آئے جب بہت منت و زاری کی تو اس نے بھی وعدہ کیا کہ کل جوتی پہنوں گا۔ جب دوسرے دن آئے تو کہا کہ کل والا سنائی آج نہیں ہے اب معاف فرمائیے اور تشریف لیجائیے جوتی مجھے رستہ نہیں چلنے دیتی، اُس کے دیوان میں نیس ہزار شعر ہیں مضامین نصائح و خدا شناسی سے مالا مال ہے۔ حدائق الحقائق کتاب منظومہ اس کی عجیب و غریب کتاب ہے۔ ابوالفضل اُس کی بہت تعریف کرتا ہے۔ اور فی الحقیقت مضامین حکمت کے اور مطالب آزادانہ ہیں۔ سال تصنیف اُس کا

اس شعر سے معلوم ہوتا ہے ۵

پانصد و سی و چار فیہ زعام

پانصد و سی و چار فیہ زعام

اُس کے دس باب اور علاوہ اس سے بھی ۶ مثنویاں اُسکی اور ہیں (۱) سیر العباد (۲) تاریخ التحقيق (۳) کارنامہ (۴) عشق نامہ (۵) عقل نامہ (۶) بموجب قول خوشکو کتاب کنز الرمز بھی اُس کی تصنیف ہے باوجودیکہ اُس کی تصنیفات کی حفاظت کے لئے اول ہی تدبیریں کی گئیں یہاں تک کہ جمالی اردستانی خود غزنین گیا اور اُس کی کل تصنیفات کو لیکر مرتب کیا مگر اس پر بھی سب نسخوں میں کمی مثنیٰ اور اختلاف ہے عہد لکبر میں غزینہ خاں کو کہ کے پاس کہ جس کو خان اعظم بھی کہتے ہیں ایک نسخہ کلیات سنائی کا پہنچا جو نہایت معتبر تھا اور ۱۱۷۱ھ میں تخریر ہوا تھا اُس سے عبد اللطیف بن عبد اللہ عباسی نے لیکر ۱۱۷۴ھ میں تصحیح کی لکھنؤ میں دیکھا گیا اور اُس سے زیادہ تصنیفات اس شاعر کی نہیں پائی گئیں۔ حقیقہ شریع نور اللہ احراری غزنوی نے کسی سے یہ اوحد الدین کرمانی اور محمد الدین عراقی نے اُس کے جواب میں حقیقہ لکھا تھا لیکن پہنچ سکے اہل تصوف اسکے کلام کو سند آلاتے ہیں۔ تصانیف بھی بہت ہیں اور اسی رنگ میں ہیں۔

مکن جرم جان نزل این دست و آں والا

سلیمان ساوجبی نے اس پر بہت خوب قصیدہ لکھا ہے لیکن اس کا کلام شاعرانہ اور اُس کا کلام عارفانہ ہے۔ کئی دفعہ مکہ معظمہ و خراسان کا سفر کیا مرو میں گیا اور ابو جعفر ہمدانی کامرید ہوا۔ ریاضت و عبادت الہی میں بقیہ عمر بسر کی آخر ۶۲ برس کے سن میں ۵۷۶ یا ۵۷۵ھ میں غزنین میں مر گیا۔ اُس کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ دولت شاہ کہتا ہے کہ خانقاہ اُس کی اب تک آباد ہے اور اہل غزنین اُس سے اعتقاد رکھتے ہیں۔ وقت نزاع کے دیکھا کہ حکیم کچھ آہستہ آہستہ کہتا ہے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ یہ شعر زیر لب تھا۔

در سخن معنے و در معنے سخن

باز گشتم زانچہ لغتم زانکہ نیست

ہفت اہلیم

مرات الخیال

ایک بزرگ نے سُن کر کہا کہ عجیبِ کلِ مقام ہے کہ سخن کو ترک کیا اور پھر بھی اسی شیخِ لیتِ باقی رہی۔ صاحبِ ہفتِ اقلیم کہتا ہے کہ تصانیفِ اُس کی ایک دیوانِ شعلِ برقصاید و غزل و رباعی ہے اور حدیقہ اور کنزِ الموز اور کارنامہ۔ سرِ دیوان اُس کی یہی قصیدہ ہے۔

طلب اے عاشقانِ خوش رفتار تا کے از خانہ ہین رہ صحر زیں پس دست او دامنِ دوست ترک تازی کنیم و بر شکنیم تا ز خود بشنود نہ از من و تو کلبہ کا ندرو نہ خواہی ماند تا ترا بار دولت است نہ چوں ترا پاک از توستاند وہ چہ بود آں دلے کہ اندر وے علم کن تو ترانہ بستاند راہ توجید را بقل مجو بخدا اند کسے تواند بود	طرب اے نیکوین شیریں کار تا کے از کعبہ ہین رہ خمار بعد ازین گوشش و طقتی یار نفس زنگی مزاج را بازار لَمَنِ الْمُلْكُ وَاحِدُ الْقَهَّارِ سالِ عمرت چہ دہ چہ صد چہ ہزار از جہانِ خداے برخوردار دولتِ آں دولتِ ہست کاراں کار گا و خر باشد و ضیاع و عفار جملِ نراں علم بہ بود صد بار دیدہ روح را بخارِ خمار بے خدا از خداے برخوردار
---	---

تمثیل

داشت لقاں یکے و ثاقے تنگ بلفضولے سوال کرد از وے بابِ خشکِ چشمِ گریاں پیر	راست چون طلقِ نلے و سینہ چنگ چیتِ ایں خائِ ششِ بربُتِ سہ پے گفت ہذا لمن میوت کثیر
--	---

تمثیل دیگر

ایں تیاعِ جہاں چوم دارِ میت ایں یکے را ہمیں زندِ مغلِب	کر گساں گرد وے ہزار ہزار واں دگر را ہمیں زندِ منقار
---	--

جو بھی لکھتا ہے

ہفت آئیم

آخر الامر پر بریدہ ہمہ	واز ہمہ باز ماندہ این مردار
ایک صاحب کمال اُس کے مرثیہ میں کہتا ہے - ۵	
مرد سنائی نہ ہانا کہ مرد جان گرامی بہ پدر باز داد کاہ نہ بد او کہ ببادے برفت گنج زرے بود دریں خاکداں قلبِ خاکی سوے خاکی دگند جان دوم را کہ ندانند خلق صاف در آہنخت بدر دیے	مردن آں خواجہ نہ کاریت خورد کابلد تیرہ بہ مادر سپرد آب نہ بد او کہ بسرا فسد کو دو جہاں راجوے مے شمرد جان خرد سوے سادات بُرد مغلطہ گویم کہ بجاناں سپرد بر سر خم رفت و جدانشد ز دُرد
قصیدہ	
مکن در حرم جہاں منزل کہ آن دستِ این والا بہر چہ از راہ باز افنی چہ کفر آن حرف چہ ایماں گواہ رہرواں باشد کہ سردش یابی از دوزخ سخن کر زوے دیں باشد چہ عمرانی چہ ربانی عجب نبود کہ از قرآن نصیبت نیست جز جرفے بہ تیغ عشق شو کشتہ کہ تا عمر ابد یابی ور از دوزخ ہے ترسی مال کس مشوغو گرامر دوزخ آتش شہوت کشتی میگماں رستی ازین مشیت ریاست جوے رعنا ہچ نکشاید گرت نہ بہت ہے باید بھراے قیامت شو گو مغرور غافل را براے امن او نکستہ چو علمت بہت خدمت کن چو بعلماں کہ زشت آید	قدم زیں ہر دو بیرون نہ اینجا باش ناو بخا بہر چہ از دوست و امائی چہ زشت آفتش چہ زیبا نشان عاشق آن باشد کہ خشکش بینی از دریا مکان کز بہر حق باشد چہ جا بلسا چہ جا بلقا کہ از خورشید جز گرمی نیاید چشم نابینا تو خود دانی کہ مے نوشی ازین گویائی ناگو یا کہ اینجا صورتش است اینجا شکش از دریا و گر نہ نف کہ آن آتش ترا ہنیرم کند فردا سلمان ز سلماں جوے و در دین بُود روا کہ او بخا باغ در باغ است خیالِ خوان و دروا مہ محروم جاہل را ز بہر طبع او حسد ما گرتہ چینیان حرام و مکی خفستہ در بطحا

چو تن جانرا مزین کن بعلوم دیں کہ زشت آید ترایز داں ہے گوید کہ در دنیا مخور بادہ تو بہر دیں نہ بگذاری حرام از محنت نیر داں مرا بارے بھدا لہ زرا و حکمت و ہمت نخواہم لاجرم نعمت نہ در دنیا نہ در جنت کہ یارب مر سنانی را شنائے دہ تو در حکمت مگر داں عمر من چوں گل کہ در طفل شو کم شتہ بمحرص ار شر بتے خوردم گل از من کہ بد کردم	ازیں سو شاہ عریان و زان سو کوشک دیبا ترا تر سا ہے گوید کہ در صفرا مخور حلوا و ایک از بہر تن مانی حلال از گفٹہ تر سا بسوئے خط و حدت برد عقل از خطہ اشیا ہے گویم بہر ساعت چہ در سرا چہ در ضرا چناں کز وے بر شک آید روان بولی سینا مگر داں حرص من چوں گل کہ در پیری شو کم برنا بیا باں بود و تابستان و آب سرد و استقا
بہر چہ از اولیا گفتند از رزقی و وقفی بہر چہ از انبیاء گفتند آمتا و صدقہ قنا	
در گہ خلق ہمہ زرق و فریبت ہوس ہر کہ او نام کسے یافت از ان در گہ یافت بندہ خاص ملک باش کہ از داغ ملک گر چہ با طاعتی از حضرت اولاد امن	کار در کار خداوند جہاں سکن و بس لے برادر کس او باش دینیش ز کس روز و اینی از شمعہ و شبہا ز کس گر چہ با عصیتی از در اولاد تبیث اس
گر چہ خوبی بسوئے زشت بخواری منکر کا ندیں ملک چو طاووس نگار است مگس	
بس کہ شنیدی صفت روم و چین تا ہمہ دل بینی پئے حرص و بخل پاے نہ و چنچ بزیر قدم زر نہ و کان ملکہ زیر دست گاہ ولی گوید ہست او چناں اوز ہمہ فایغ و آ زادہ خوش	خیز و بیا ملک سنائی ہیں تا ہمہ جاں یا بی پئے کبر و کیس دست نہ و ملک بزیر نیگیں خر نہ و اسپ فلکہ زیر زبیں گاہ عدو گوید ہست او چنیں چوں گل و چوں سوئے چوں یاسیں

خشم نمود است براعداش بیج
چشم ندید است برابروش چمن

برگ بے برگگی نداری لاف درویشی زن یا برو همچون زناں رنگے و بوئے پیش گیر هر چه یابی جز هوا آں دیں بود در جاں بکار چوں دو عالم زیر پات نفع شد پایے مکوب سر بر آرز گلشن تحقیق تا در کوئے دیں در یکے صف کشنگاں مینی خینی چوں حسین در و دیں خود بولعجب و دینست کاندھے شمع هر کسے از رنگ گفتارے بایں ه کے رسد قرنها باید که تا یک کو دکه از لطف طبع سالمها باید که تا یک سنگ اصلی ز آفتاب ماهها باید که تا یک مشت پشم از پشت میش هفتتا باید که تا یک پنبه از آب و گل روزها باید که شبیدن انتظار بے شمار صدق و اخلاص درستی باید و عمر دراز با و قبله در ره توحید نتوانفت راست	منج چو عینا راں میا را جاں چنار مرداں کن یا چو مرداں اندر آو گوے در میدان نمن هر چه مینی جُز خدا آں بت بود در هم شکن چوں دو کون اندر دو دمنت جمع شد متے بزَن کشتگان زنده مینی انجمن در انجمن در و گر صف خستگان مینی بزهرے چوں حُسن چوں شوی بیمار بهتر گروی از گردن زدن در و باید صبر سوز و مرد باید گام زن عاطله کامل شود یا فاضله صاحب سخن لعل گردد در بدنش یا عقیق اندر مین صوفی را خرقه گردد یا حمارے رارسن شاهدے را حله گردد یا شهیدے را کفن تا که در جوت صدف باراں شود در بدن تا قرین حق شود صاحبقرانے در قرن یا رضائے دوست باید یا هوائے خویشتن
--	--

عذر مناکحه بحضرت شاه

اے زفر تو دین و ملک چنان مکن احسان خود بمن صنائع من بگویم که این بد است و لیک پیش چوں من گرسنه نه نمند	که جهاں را ز فر فرور دیں که ز بانم تہی است در تحسین من نیم در خور چنیں تمکین قرص خورشید و خوشه پرویں
---	---

نخور و جبرئیل عجل سین بندہ را غول ہمدست و قرین کاہ مانند مور زیر زمین کہ مکانات آں نباشد این تا شوم زیر پیادگی فرزین چہ کند جبرئیل مرکب وزین مے چہ خواہید ازین سبکین ورنہ کس نیستیم بچشم یقین از برائے تو رفتم از غرنین از ملامت چو صاحب صفین خلق در شا دیند و من غمگین گرد دو شیزہ کم تند عتین خرچہ داند جمال حور العین دم آدم ترا چہ جوئی طین خواجگان عجول کبر آگین ذوق این قطعہ ترش شیرین	کرد اکرام خود و خلیل و لیک تا تو اے مخمّر عصر و دشہری کاہ برسان مارم از بر کوہ لے زمین خوش مرا کن ناخوش زین و مرکب ترا مرا بگذار شہپر جبرئیل مرکب اوست مسکن خود گزاشتم بہ شما من بچشم شما کسے شدہ ام گرچہ صد کار داشتہ در مرو حق بدست من و من از جمال من ندانم کیم کنیز در گاہ آرے آرے ز ضعف باشد اگر من چہ دانم جمال حضرت تو روح عیسے ترا چہ جوئی یح گرچہ از خوے بندہ کرم شوند ہمہ صفراے خواجگان برد
ازین آئین بے دیناں پشیمانی کہ در زندان سلطان منم سلطان زندانی	مسلماناں مسلماناں مسلمانی شگفت آید مرا بردل ازین زندان سلطانی
یکے زین چاہ ظلمانی برو شو تا جہاں بینی جہانے کاندرو ہر جاں کہ بی شادماں بینی	دلاتا کے دین عالم فرہاں و آں بینی جہانے کاندرو ہر دل کہ یابی باو شایابی

نه بر اوج هوائی او عقاب لشکری یابی
 در و گر جامه پوشی ز فضلش استین یابی
 ز حرص و شہوت و کینه بترازاں سپ خود را
 نظر گاہ الہی را یکے بستاں کن از عشق
 ز دولت یاری آن بود کہ از گل بوستان سازی
 تو یکساعت چو افریدن میدانش تا از آن پس
 چو جاں از ویں قوی کردی تن از خدمت یزین کن
 اگر چہ طلیساں داری مشوغہ کہ در دوزخ
 بدیں زور و زبر دنیا مشوغہ چو بے عقلان
 اگر عرش بغرش آئی و گر ماہی بحسبہ افقی
 یکے از چشم دل نگر آں زندان خاموشاں
 سر زلف عروساں را چو شاخ نترن یابی
 چہ باید نازش و مالش باقبال و بادباری

نه اندر قعر بحر او نہنگ جاں ستاں مینی
 در و گر خانہ سازی ز عدلش آشیان مینی
 اگر دیوے ملک یابی و گر گرگے شبان مینی
 کہ دروے بود رنگ و گل ز خوئی ستاں مینی
 کہ دولت یاری آں باشد کہ در دل بوستان مینی
 بہر جانب کہ رو آری ز نفس کاویاں مینی
 کہ اسپ خازی آں بہتر کہ با برگستواں مینی
 یکے طوق است از آتش کہ آزا طلیساں مینی
 کہ این آں نو بہاری نیست کش بہیرگاں مینی
 و گر بھری تھی گروی و گر باغی خراں مینی
 کہ نایا قوت گویا را تابوت از چاں مینی
 رخ گل رنگ شاہاں را برنگ زعفران مینی
 کہ تا بر ہم زنی دیدہ نہ ایں مینی نہ آں مینی

سر الب ارسلانیدی ز رفعت زقتہ بر گردوں
 دروں آتا کنوں در گل تن الب ارسلان مینی

کوئی کہ بعد ماچہ کنند و کجا روند	فرزندگان و دخترگان یتیم ما
خود یا دناوری کہ چہ کردند و چوں شدند	آں مادران و آں پدران قدیم ما
ہا ہمہ خلق جہاں گر چہ از آں	پیشتر کرہ و کمتر بر بہند
آں چنان زری کہ بمیری بر ہی	نہ چنان زری کہ بمیری بر بہند
کے کش خرد و مہنوست ہرگز	بگینتی رُہ رسم الفت نہ ورزد
کہ صحبت نفاقیت یا اتفاقی	دل مرد و دانا ازیں ہر دو لرزد
کہ گر خود نفاقیت جاں را بجاہد	و گر اتفاقی بحسراں نیززد

داند از ہر دو بلا روزہی
یا کند پشتِ خود از آب تہی

آدمی را دو بلا کردہ رہی
یا کند پر شکم خویش ز ناں

اودھ الدین انوری

دولت شاہی

وطن اُس کا ولایت ابی درد پیدائش کی جگہ موضع بدہنہ ہے جو کہ ضلع مہنہ علاقہ خراسان سے ہے۔ اس علاقہ کو صحرا سے خاوران کہتے ہیں اسی واسطے پہلے خادری تخلص کیا تھا۔ عمارہ اس کے استاد نے ایک دن خوش ہو کر انوری تخلص عنایت کیا۔ مدرسہ منصورہ شہر طوس میں تعلیم پائی تھی۔ عالم شباب میں تحصیل علم پر توجہ کی۔ چند روز میں کمال حاصل کیا۔ انوار شاعری اور اوصاف علی اسکے نظریں ہیں۔ سند علم و فضل کو چھوڑ کر شاعری اس طرح اختیار کی کہ باوجود تکمیل علم کے اول فلاکت و مفلسی سے ناں شبینہ کو محتاج تھا۔ ایک دن اپنے مدرسہ کے دروازے پر بیٹھا تھا۔ دیکھا کہ ایک امیر بڑے جاہ و حشم سے جاتا ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے کسی نے کہا شاعر بادشاہی ہے۔ انوری نے کہا سبحان اللہ علم کا یہ مرتبہ عالی اور میری یہ جلالی شاعری فیضیت کا ادنیٰ مرتبہ اور اُس کو یہ فارغ البالی۔ اُسی رات سلطان سنجر کی تعریف میں قصیدہ کہا۔ :-

دل و دستِ خدا نگاہ باشد
در جہاں بادشہ نشاں باشد
ہر چہ ز ابناءں ان جہاں باشد
ہر چہ ز اجناس بحر و کاں باشد
امن بیرون آسمان باشد

اگر دل و دست بحر و کاں باشد
شاہِ سنجر کہ کثر زینِ خدش
آنکہ باداغ طاعتش زاید
آنکہ با مہر خازنش روید
عدش از بازیں بہ قہر شود

نہو خط روزی مجھ نشود کار عالمی بنظام در جہانی و از جہاں بیشی چوں بجنبد رکاب منصورت	گر نہ دست تو اس زباں شاہ گر نہ پائے تو دریاں ہشد بھو منے کہ دریاں ہشد ہی قیامت کہ آں زماں ہشد
روح روح الایں دران ساعت نہ ہانا کہ در اماں باشد	
کسی تدبیر سے دربار تک پہنچ کر سنایا۔ بادشاہ نہایت سخن شناس تھا۔ اسی وقت ملک الشعرا کیا۔ رفتہ رفتہ اس مرتبہ کو پہنچا کہ دو دفعہ خود بادشاہ اُس کے گھر آیا۔ اکثر علوم میں اُس کی تصنیفات ہیں بجز اُن کے ایک رسالہ سمسعی مفید علم نجوم میں ہے اس علم میں اُسے ہمارت تھی لیکن اُس کی نحوست سے بڑی تباہی اُٹھائی۔ اُسے اپنے کمال کا بڑا دعویٰ تھا چنانچہ ایک قطعہ میں خود کہا ہے کہ زمین خراسان میں کل تین آدمی صاحب کمال ہوئے ہیں تیسرا اُن میں سے ہیں ہوں اول اسعد منہ عالم جو امام غزالی کا معاصر تھا اور اُن سے ہمیشہ مباحثہ کرتا رہتا تھا (۲) خواجہ ابوعلی احمد ساوان خادروانی وزیر طغرل (۳) خود انوری + آخر عمر میں گوشہ نشین ہوا۔ ۵۹۲ھ یا ۵۹۳ھ میں شہر بلخ میں مر گیا۔ قبر سلطان میرزا احمد خضرویہ کے برابر میں اس کی قبر ہے۔ کلام اس صاحب کمال کا اعلیٰ مرتبہ فصاحت و بلاغت پر ہے۔ سلاطین اور بزرگان وقت کی تعریف میں بہت قصیدے کہے ہیں اور ایسی طرز خوش آیند نکالی ہے کہ جس کی پیروی قصیدہ گوئی میں اب تک اہل ایران واجب جاننے ہیں۔ غزلیں عاشقانہ بھی بہت ہیں مگر وہ اس مرتبہ پر نہیں شمار ہوئیں باوجود اس علم و کمال کے بجز ایسی فاحش اور بے حیا کہتا ہے کہ جس کی حد نہیں۔ ماں باپ تو بالائے طاق خدا تک کو نہیں چھوڑتا ہے	
ہر بلائے کہ ز آسمان راند	گو کہ برد گیرے قضا باشد

ہفت اعلیٰ
دولت شاہ

خاندان انوری کجما باشد	برزیں نارسیدہ سے گوید
ایضاً	
ہزارشت زند بردوان عزرائیل	اگر خداے بداند کہ انوری ست حیات
اخیر عمر میں گوشہ نشین ہوا اس لئے مضامین نصیحتانہ و آزادانہ بھی دلچسپ کہتا ہے اسی عالم میں ایک دفعہ بادشاہ نے بلا بھیجا نیشاپور سے یہ قطعہ لکھا ہے	
جائے آرام و خورد و خواب من است چرخ در عین رشک و تاب من است ہمہ در کلبے خراب من است گرد و خوان من و کباب من است پیش من شیشہ شراب من است زخمہ و نغمہ رباب من است برتر از اطلس انتخاب من است حاش لئلا معین عذاب من است ہمتے را کہ در جناب من است چہ کنم این خطا صواب من است نہ بازوے خاک آب من است ہمت کین اضطراب من است	کلبہ کا اندرون روز و نہ شب حالتے دارم اندرون کہ دران ہر چہ در مجلس ملوک بود رحل اجزا و نان خشک برو شیشہ صبر من کہ بادا پُر قلم کوتہ و سیریر خوشش خرقہ صوفیانہ از رزق ہر چہ بیرون ازین بود کم و بیش گندہ پیر جهان حب نکتہ ایں طریق از نایش است خطا خدمت بادشہ کہ باقی باد گرچہ پیغام روح پرور او
نیست من بندہ را زبان جواب	جامہ و جائے من جواب من است
ابو الفضل نے اس کے دیوان کا انتخاب کیا اور خاتمہ میں ایک صفحہ عبارت لکھی اس میں انوری کو ابو الملاح اور ہجا بندہ خطاب دیا ہے۔ اس کے دیوان کو نگار خانہ معنی کہتا ہے۔ یہ بھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک حکیم ثانی اور خاقانی بخجند خیلا	

اور اسلوب حالات میں افضل ہیں۔ اکثر کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ سلطان طغرل کے عہد میں ماہ رجب ۴۱۷ھ ہجری میں برج میزان میں ساتوں سیارہ ایک درجہ میں جمع ہوئے۔ انگریزی تاریخوں سے بھی سند اس کی پائی جاتی ہے۔ یعنی ۱۸۶۷ء میں جمع شمس منہلہ میں ۳۰ درجہ پر تھا ۶ سیارہ جمع ہوئے۔ بموجب حساب کے ٹھیک ۲۲ جواوی الثانی یا پہلی رجب ۴۱۷ھ ہجری ہوتے ہیں۔ علم نجوم نے جس کی بنیاد فقط قیاس پر ہے یعنی علم دین اور عقل کے آئین دونوں سے برخلاف ہے۔ ایک دفعہ لوگوں کو بہت گمراہ کیا۔ اور غوطہ سب نے یہ کھایا کہ جب طوفان فوج آیا تھا تو یہ قرآن سرطان یعنی برج کبی میں ہوا تھا۔ اب کی دفعہ میزان برج ہوائی ہے۔ چاہئے کہ ہوا سے عالم فنا ہو۔ تمام لوگ زندگی سے ناامید ہو گئے۔ لیکن انجام کو قدرت الہی سے یہ حکم بالکل جھوٹ بلکہ بالعکس ہوا۔ تمام نجومی شرمندہ ہوئے۔ انوری تفر شاہی میں گرفتار ہوا۔ تجویز ہوئی کہ عورتوں کا لباس پہنا کر تشہیر کریں۔ اور قدرت خدا کہ جس شب کے لئے طوفان کا حکم لگایا تھا۔ اس شب کو ایک شخص کسی مینار پر چراغ جلائے بیٹھا تھا۔ اتنی ہوا بھی نہ چلی کہ اس کے چراغ کو ذرا حرکت ہو۔ بلکہ اس سال ایسی ہوا کی قلت رہی کہ زمیندار لوگ اپنے خرمن بھی نہ صاف کر سکے۔ غرض کہ قاضی حمید الدین دلوالبی کی سفارش سے مخلصی پائی مگر مارے ندامت کے شہر چھوڑ کر بھاگا۔ شاعروں نے اسکی عجوبہ کہیں چنانچہ

فرید کا تب

گفت است انوری سبب باد مٹے سخت	دیراں شود عمارت و کسار سرسری
در روز حکم او نہ وزید است یہج باد	یا مرسل الریاح تو دانی و انوری

تاریخ نگارستان اوزمرات جہاں نمایں بعد اس ذکر کے لکھا ہے کہ اس سنہ میں چینگیز خاں نے ترکستان میں ظہور کیا کہ یہ بھی طوفان سے کم نہ تھا۔ اہل انصاف پر روشن ہے کہ یہ عذر اس گناہ سے بھی زیادہ سخت ہے ۵

گر بشا شید گفت باران بہت

اذکرامات شیخ ماچہ عجب

اول تو دو صورتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور اگر بالفرض یہی مراد لی جائے تو خراسان اور عراق میں یعنی جہاں انوری نے حکم لگایا تھا تیس برس بعد تسلط پکینر کا ہوا۔ ع۔ ہیں تفاوت رہ از کجاست تا کجا بہ امیر خسرو کا ایک شعر اس جگہ بہت مناسب ہے ۷ قول کہ کس نیست بدہر استوار۔ شاعر و قمر عزن و اختر شمار بہ بعد اس تجربہ کے انوری نے بھی بہت اشعار نجوم کی جہوں لکھے کہ اس کے یونانی جو بیت

قطعہ

بودنا پسندیدہ سخت خام نہ از تو قعود نہ از ماقیام سلام علیک و علیک السلام	لکھت میان دو آزادہ مرد بیات لکھت بیکسو نہیم بہ سنت کنیم اقتدا زین پس
--	--

حکمت

کار با تے طلب کمن غایت زیر کاں ایں شل نکو زدہ اند	تا نمانی ز کار خود محسوم طلب الغایت اے برادر شوم
--	---

تجربہ

چہار چیز است شدائین مردم نہری یکے سخاوت طبعی چو دست گاہ بود دو دیگر آنکہ دل دو شاں بکفت آری سہ دیگر آنکہ زباز با نگاہ گفتن بد چہارم آنکہ کسے کو بجائے تو بد کرد	کہ مردم نہری نیست زیں چہار بری بہ نیکنامی آزا بہ بخشی و بخوری کہ دوست آئینہ باشد چو اندر روگری نگاہ داری تا وقت عذر غم نخوری چو عذر خواہد نام گناہ دے نہ بری
---	--

چو عذریش تو آند نام چو خبری

ہزار بار ترا انوری نصیحت کرد
ولے چہ سود کہ خود غافلے فیہ خبری

ابو الفضل نے اس کے تمام کلام میں سے ایک قطعہ انتخاب کیا ہے ۷

سن و ایں شیوہ کہ با تجبہ رعنائے جہاں
چوں خاں عشق نہ باز نہ بسہو و نہ بعد

توہ دادن اگر نیت مرا باکے نیت توہ ناستدن ہست و لبّ الحمد
اُس کے دیوان کے ابیات والفاظ مشککہ کی شرح ابوالحسن نے لکھی ہے اور وہ
اکثر پائی جاتی ہے مگر خاطر خواہ کارروائی اُس سے نہیں ہوتی *

اشعار انوری

ہمدے گفت صبر کن زیراکہ آب رفتہ بجوے باز آرد گفتم آب از بجوے باز آید	صبر کارے تو خوب و زود کند کار بہتر از آنچه بود کند ما ہی مردہ را چہ سود کند
۵ آئیں کہ چکر خور دہرے ہنر آموخت پیغام زناں میرود بیای بزر پوش	در دور قمر گویشیں خون جگر خور یا سحر گئی یکن و حلوائی شکر خور
۵ تو زیری و منت مدت گوے تو وزارت بن سپار و مرا	دست من بے عطا روا بینی مدحتے گوے تا عطا بینی
خانہ را نقش مے کردند نقاشان صیں اوستادے نیمہ را کرد ہیچو آئینہ تا ہراں نقشے کہ حاصل باشد اندر نیمہ اے برادر خویشن را خانہ داں ہیچناں تا اگر آں نیمہ پر نقش نتوانی شدن	بشنو این معنی کزین بہتر حدیثے نشنوی نیمہ را اوستاد زانی کرد نقش مانوی بینی اندر نیمہ دیگر چو اندر وے روی ہم بسقفت نیک عالی ہم بہ بنیاد قوی جد مے کن تا مگر آں نیمہ دیگر نشوی
در حدود رے یکے دیوانہ در تنور و دی بسالے یک دو ماہ گفتے اے آنا کہ تاں آمادہ بود تاقم و سنجاب سر ماہیخ شش گر شمارا با فوائی بود چہ شد راحت ہستی و رنج نیستی	سال مہ کردے بکوہ و دشت گشت جانب شہر آمدے از طرف دشت گاہ قرب و بعد ازین ز رینہ طشت توزی و کتاں بگرمایہ ہفت ہشت ورچہ مارا بود بے برگی چہ گشت بر شما نگزشت و از ما ہم گزشت

آں شہیدتی کہ روزے زیر کے با ابلے گفت چوں باشد گداں کز کلاہش تکیہ گفت لے سکیں غلط اینک ازینجا کردہ درومروارید طوقش اشک اطفال من است او کہ تا آب سبو پیوستہ از ما خواستہ است خواستن کہ یہ است خواہی عشریں خواہی خراج	گفت این والی شہر ما گدا لے بھیاست صد چو مارا و شمارا سا لہا برگ و نواست آں ہمہ برگ و نوا دانی کہ آنجا از کجاست لعل و یا قوت تناسخ خون آیتا شہادت گر بخوئی تا بغیر استخوان زنمان بہت زانکہ گردہ نام باشد یک حقیقت راوست
---	---

چوں گداں چہر دیگر نیست جز خواہندگی ہر کہ خواہد گر سلیمان است و گر قاروں گدا است	اے خواجہ درازیت رسید است بجائے گر عمر تو چوں قد تو بودے بدرازی
کز اہل سماوات بگوشت نہ رسد صوت تو زندہ باندے و بمر دے ملک الموت	

صدر الکما طہیر الدین طاہر ابن محمد فاریابی

اصل وطن اس حکیم فاضل شاعر کامل کا ایک موضع غیر مشہور جبکچھ تو اور مہیمہ متصل
فاریاب علاقہ ترکستان ہے۔ لوگ وہاں کے صحرائین گلہ ہائے اسپ و گوسفند سے
گزران کرتے ہیں چونکہ علم منطق و حکمت و ہیئت وغیرہ میں مہارت کئی رکھتا تھا اس لئے
صدر الکما لقب حاصل کیا۔ فاضل کامل تھا اور طبیعت خدا داد موزوں تھی۔ شاعری میں
بھی کمال پیدا کیا۔ شاعری میں شاگرد و رشیدی سمرقندی کا ہے۔ اول حکام مازندران
کی مع کرتا تھا۔ جب شہرت ہوئی تو پہلے محمد الدکر بادشاہ کی خدمت میں آیا بعد ازاں
قرنل ارسلان کا منظور نظر ہوا۔ وہاں سے بھاگ کر آنا بک ابوبکر کی خدمت میں آیا۔
لیکن چونکہ عمیر بلیقانی شاعر آنا بک مذکور کی توجہ سے کامیاب عیش و عشرت تھا طہیر

ہفت اقلیم

ہفت اقلیم
دولت شاہ

یہاں بھی رشک سے مکدر رہتا تھا چنانچہ ایک جگہ اُس پر طعن کرتا ہے ۵

اگر دیدیا بامے فاخر آدمی گرد دکے | پس راطلس حصیت گرگ در عبا چو سمار

ایک شب محل اٹاک میں ایک رباعی کہہ کر پڑھی ہزار اشرفی انعام ملی - سرباعی :-

اے ورد ملائکہ دعا ئے سبر تو | سرنیت زمانہ را بجائے سبر تو

بادشمن تو نیام شمشیرت گفت | سیر دل بن باد فدا ئے سبر تو

شیخ سعدی بوستان میں اپنے بادشاہ کی تعریف میں کہتے ہیں ۵

چہ حاجت کہ نہ گزئی آسماں | نغم زیر پائے قزل ارسلان

یہ طعن ہے تلخیر کے شعر پر کہ وہ اپنے قصیدے میں کہتا ہے ۵

چہ گزئی فلک ہند اندیشہ زیر پا | تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان ند

اُس کی داڑھی سُرخ رہتی تھی ایک دن قزل ارسلان نے اُس سے براہ خوش طبعی کہا کہ اپنی لال داڑھی کے باب میں کوئی شعر اسی وقت کہہ کر سنا اور کچھ انعام طلب کر اُس نے فی البدیہہ یہ قطعہ کہا ۵

۳) واعطے بر من راز منبر گفت | کہ چو پیدا شود سراے نہفت

ریشہاے سیاہ روزائید | باشد اندر پناہ ریش سفید

باز ریش سفید را زگناہ | بخشد ایزد بریشہاے سیاہ

مرد کے سُرخ ریش حاضر بود | دست در ریش شد چو او بشنود

گفت ما خود دریں شمار نیم | در دو گیتی بسیج کار نیم

بندہ آں سُرخ ریش مظلوم است | کہ ز انعام شاہ محروم است

بعد قزل ارسلان کے اصغمان میں بطریق سیاحی گیا - ایک دن عبداللطیف جھندی

قاضی القضا کی محفل میں بھی جانکلا - علما و فضلا سے مجلس بھری تھی - غریبوں کی طرح

گوشہ میں بیٹھ گیا - قاضی نے سلام کا جواب تک بھی نہ دیا اُس نے اُس وقت

ایک قطعہ کہہ کر قاضی کے ہاتھ میں دیا اور چلا آیا - قطعہ :-

بزرگوار دنیا دار و آں عظمت شرف بفضل ہنر باشد و ترا ہمہ ست زحیت کاہل ہنر انے کنی تمیز بمن نگاہ بازی کن از انکہ بفضل اگرچہ نیست خشت یک سخن من شنو تو ایں سپر کہ ز دنیا کشیدہ بر رو	کہ بچکس را ز سید ہاں سرافرازی بدیں نعیم عزور چرا سے نازی تو نیز چوں بہ ہنر در زمانہ امتازی دلہم بگیوئے حوراں ہے کند بازی چنانکہ آترا دستور حال خود سازی بروز عرض مظالم چناں براندازی
کہ از جواب سلامی کہ خلق را بر نیت بہیج مظلمہ دیگر سے نیپر دازی	
اُسے پڑھ کر قاضی بہت شرمندہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ ظہیر یہی ہے۔ ہر چند منت اور معذرت کی لیکن پھر ظہیر اصفہان میں نہ ٹھہرا + امامی ہرزدی یا محمد الدین ہگر سے در باب انوری اور ظہیر کے بذریعہ ایک قطعہ کے شعر اے وقت نے استفسار کیا۔ اُس نے بھی ایک قطعہ میں جواب دیا لیکن انوری کو ترجیح دیتا ہے ہر حال اشعار اُس کے اعلیٰ مرتبہ فصاحت و بلاغت میں ہیں دیوان اس کا ہمیشہ کیا اب اور غریب الوجود ہے کسی شخص کا شعر ہے ۵	
دیوان ظہیر فارابی	در کعبہ بدزد اگر مبیابی
آخر عمر میں شہر تبریز میں گوشہ نشین ہو کر ۹۹۰ھ میں فوت ہوا۔ گورستان سرفاب میں پہلو سے خاقانی میں دفن ہے۔ دیوان اُس کا اُس کے بعد محمد الدین ہگر شاعر کے زمانہ میں مرتب ہوا۔ مصنف دیباچہ میں کہتا ہے کہ میری قسمت ایسی کہاں تھی کہ ایسے صاحب فضل و کمال کی صحبت پاتا ہی غنیمت ہے کہ اُس کی تصنیفات پارہ پارہ کو جمع کر کے سعادت کا ذخیرہ جمع کروں۔ قصہ مہر و وفا بھی اُس کی تصنیف ہے۔ غزل	
زاندو و غمت در سینہ ام را و غناں گم شد چناں برہم زوی ہنگامہ شور قیامت را	ز سید او تو ام حرف شکایت از میاں گم شد کہ اکثر نامہ اعمال مردم از میاں گم شد

ہفت تعلیم
دولت شاہی

دولت شاہی و
مرات ایال

چنان در جنوت شد بحر شور شے پیدا نے دامن کد امی خنجر مرگاں ہلاکم کرد چہ بچو گشتہ بجنوں تو بر خیز و سرعش کن	کہ طوار شفاعت از کف پیغمبران گم شد دو وصف بر یکدگر خوردند و قائل از میان گم شد کہ اشب ناقدہ سیلے میان کاروان گم شد
اگر پرسید احوال نظیری را بگوئید پیش بدام افتاده آن مرغے کشب از آشیان گم شد	
اشعار غزل	
نغم نشست فلاطون ز شرم آب شد ز تیرہ بختی آئینہ سخت حیرانم	بجیر تم کہ فلاطون شد و شراب شد ترا کشید در آغوش آفتاب شد
اشعار قصیدہ	
مرا ز دست ہنرمایے خوشنقش فریاد بزرگ تر ز ہنر در عراق بییہ نیست ہنر نفعتہ چو عقا بدار زانکہ نمائد تنہی کہ من از فضل در جہان دیدم کینہ پایہ من شاعری است خوش بنگ بہ پیش ہر کہ ازاں یاد میکنم حرفے بنائے عمر خرابی گرفت چند کنم مرا ازاں چہ کہ شیریں لبے است در کشمیر بریں پسند کن حال مج ایچ گوئے بہیں گلے کہ مرا بشکفد بدل انیت ہزار دامن گوہر شارشاں کردم گئے لقب نہم آشفہ زنگئی را حور ہزار بیت بلفتم کہ آب از و بچکید	کہ ہر یکے بدرگونہ داروم ناشاد زین پرس کہ این نام بر تو چون افتاد کیکہ باز شناسد ہماے را از خاد ہماں جفاے پدر بو سیلی استاد کہ چند گوئے کشیدم ز جور او بیداد نئے کند پس ازاں تا تو اندم رایاد بزرگ و بوئے کسان غانہ ہون شنید مرا ازاں چہ کہ سین ہریت و روشاد کہ شرح در و دل آں نے تو انم داد کہ بندہ خوانم خود را و سر و آزاد کہ ہیچکس شبہے در کنار من نہاد گئے خطاب کنم مست سفلہ را آزاد کہ جز دو دیدہ و گر آیم از کسے نکشاد

ہفت تعلیم

که آتش از چہ نهادند در دل فولاد که آدمی ز چہ پیدا شد دیری ز چہ نژاد تو خواه در ہمدان گیر و خواه در بخداد خوشا فائدہ شیرین و قصہ فرماد بضاعتی کہ توان ساختن از آن بنیاد	تم گداخت چو شمع از عنادین گداز دل چہ پایہ جگر خور و تا بد استم ولیک بیچ ازین در عاق ثابت نیست مرا خود از ہنر خویش بیچ روزی نیست ز شعر جنس غزل بہتر است و آن ہم نیست
دیں زمانہ چو فریاد رس نے بینم مرا رسد کہ رسانم بر آسمان فریاد	
غزل	
میدہ چوں مغز جا در استخوان تیر ترا بر حریر برگ گل نقاش تصویر ترا دادہ اند از سرمہ گویا آتش شیر ترا گر بہ بیند قطع زلف گرہ گیر ترا آزمودم بار بار لے نالہ شبگیر ترا	چشم آہو گر بہ بیند شصت زہ گیر ترا سیرت آذر دہ گرد و از لطافت گر کشد از شبیدان نگاہت بیچ افغان کشد یشود در جان سبیل رشائش بیچ قناب محرم بریم اجابت نیستی غاموش باش
گر ز روی صدق از عصیان پیشانی ظہیر شادمان شیش کھ بخشید نہ قصیر ترا	
غزل	
رخ تو آئینہ از دست آفتاب گرفت تو چوں سوار شدی ماہ نور کاہ گرفت فخاں ز خلق بر آمد کہ آفتاب گرفت جزیرہ کہ مکان تو بود آب گرفت	خارج چیں خم زلفت ز مشک ناب گرفت گر آفتاب نہ از چہ مجسم امروز تو تار شرم نگندی پھر زلف سیاہ بگو خواب کہ امشب میا بدیدہ من
پس وفات ہن نالہ دست داد ظہیر فخاں کہ دشمن جانی مرا خواب گرفت	

رباعی

از ابرگر یہ بین و بگو کس تر شرح است
بکبک درمی که تنه شوق میسزند
از کوه نالہ میں میندار کاں صد است
آسب تہریجہ شامینش از قفاست

۵ آسماں ہچنماں بجائے خود است
از کجا خواست ایں رواے جل
بر ہماں قطب و بر ہماں محور
از چہ افتاد ایں کسا و ہنر
آنکہ خود را نظیر من دانست
ایں زماں در تنعم است کہ چرخ
در کفش نالہ مے کند بر بط
بر خورش نیاورد بر دگماشت نظر
بر خورش خندہ مے کند ساغر

من چو بر بط زبوں زخمیہ چسبج
من چو ساغر غریب خون جگر

ہر کردار دل از خرد اثر است
ہنری باش و ہر چہ خواہی کن
صفت ذات او ہمہ ہنر است
نہ بزرگی ببادرو پدر است
اندیس فرجہ زمین و سپہر
دل نہ بندی کہ منزل مقرر است
پدر است آن ولیک بے نفع است
مادر است آن ولیک باضر است
ہر کہ ہستند از وضع و شریف
جملہ را حوض مرگ آبخوار است
مردم بے خبر ز روے قیاس
بر آنکس کہ صاحب بصیر است

گر چہ از جنس مرد ہست اما
در حقیقت ز جنس گاو خراست

زین سینہ پر آتش وزین دیدہ پر آب
گر دوں نہ در سفرہ حسرت مرا طعام
دردا کہ گشت قاعدہ عمر من خراب
گیستی دہد ز ساغر محنت مرا شراب
گفتم کہ در شباب کنم دولتی بدست
از دودہ مساویہ بر آل بوتراب
انچہ آمدہ است بر تنم از چمن نامد است
دولت بدست نامد و از دشت شباب

فخاں ز فرقتِ اجابُ یادِ عہدِ شباب درِ بچِ عمرِ گرامی و مدتِ شادی بچِ چولہ سیرابِ من چو دیدِ کربست اگر بسوگِ عزیزاں کنند جامہ سیاه	دیارِ عمر و امیدم خراب دادہ بآب درِ بچِ عہدِ جوانی و صحبتِ اجاب زمانہ برد و بناگوشِ من ز برفِ نقاب سیاہِ کردمِ من سے خودِ بسوگِ شباب
--	---

کمن گناہ با تمیہ آنکہ گوئی ہست
خداے عزوجل ہر گناہ را تو اب

افضل الدین خاقانی

نام اس صاحبِ کمال کا افضل الدین باپ علی تجار یعنی بڑھئی تھا۔ اقربا سے
مادری جو لاہر کا کام کرتے تھے اور وطن شہر شروان تھا۔ باوجود اس کے علم اور
کمال ایسی چیز ہے کہ اس کو خدا نے بادشاہ ملک فصاحت کا کیا۔ بدیل اور حسان العجم
اس کے باپ نے خطاب دیا ہے

چوں دید کہ در ہنر تمام ام
حسان عجم نہاد نام

ولد

بدیل آمد اندر جہاں سنائی را
ازاں سبب پدرم نام من بدیل نہاد

خاقانی اور فلکی شروانی ہم مشق اور شاگرد ابو العلامی گنجوی ملک الشعراء کے تھے۔
استاد نے خاقانی کو ہونہار اور لائق دیکھ کر اپنی بیٹی کے ساتھ شادی کی۔ فلکی خفا
ہوا اور ارادہ سفر کا کیا۔ استاد نے بیس ہزار روپے اُسے دئے اور کہا اے فرزند
خفا نہ ہو یہ روپیہ لے اور ۲۰ لونڈیاں جو حسن و جمال میں ابو العلامی بیٹی سے فائق ہوں
اپنے لئے خرید لے۔ فلکی زبرد کو لے کر اس ارادہ سے باز رہا لیکن خاقانی سے

تختہ العرائین

تختہ العرائین
تختہ خاقانی

ہمیشہ مباحثہ اور تکرار رہتا تھا افسوس ہے کہ جب خاقانی مرتبہ عالی کو پہنچا تو استاد سے مخزن ہو گیا استاد نے بھی اُسے تہمت ملے ناشایستہ لگائی تھیں اور فحش آمیز ہجویں کہتا تھا اُن میں سے ایک قطعہ لکھا جاتا ہے - قطعہ :-

عمرے بچشم خویش تن از بر مردی از آب یدہ نخل قدش پرورش گرفت چوں طفل اشک عاقبت آس شوخ بے وفا	جا کر دوش کہ باشد از اغیار نا پدید چنداں کہ چو شاخ گل از ناز سر کشید از ششم من برآمد و بر وے من دوید
---	--

چنانچہ وہ آپس کے شکوے و شکایت اور ہجویں کتابوں میں مندرج ہیں - غرض خاقانی نے ملک منوچہر بادشاہ شروان کی سرکار میں ایسا مرتبہ عالی حاصل کیا کہ خاص عام اس کے انعام سے فیضیاب ہوتے تھے اور اُس زمانہ کے شاعر اُس کی تعریف میں قصائد نظم کرتے تھے - اول تخلص اس کا حقیقی تھا مگر بادشاہ کو خاقان قرار دیکر خود خاقانی تخلص کیا - ایک دفعہ خاقانی شروان سے عراق کو بطریق سفارت بھیجا گیا - چنانچہ احمد ساوی نے اُس کی تعریف اور اس مہم کے حسن انجام میں قصیدہ لکھا ہے کلیات اس کا ایک مجلد ضخیم ہے - قصائد مدح اُس میں بہت ہیں اور بہت خوب ہیں بلکہ اس طرز خاص میں صاحب ایجاد ہے - بادشاہ ہر قصیدہ پر ہزار روپیہ اور خلعت پیش ہا عطا کرتا تھا - غزلیں عاشقانہ بھی بہت خوب کہتا ہے - اور کلام اکثر فصاحت اور پند و حکمت میں ہوتا ہے - مگر بعضی دفعہ جو بھی بہت بے باک کہتا تھا - سفر کعبہ میں ایک مثنوی سہزار شعر کی نہایت فصیح و بلیغ پُر مضمون اور نصیحت آمیز لکھی ہے تحفۃ العرفین اُس کا نام ہے - لیکن اُس سے حال راہ یا کیفیت سفر کچھ معلوم نہیں ہوتی کیسے آفتاب سے گفتگو کرتا ہے کچھ اُس کی خوبیاں کچھ بے آرمیاں کہتا ہے کہیں آسمان سے کہیں زمین سے باتیں کرتا ہے کبھی جن جن لوگوں سے راہ میں ملاقات ہوئی اُن کی تعریف کرتا ہے - خصوصاً جمال الدین موصلی وزیر جس کے ساتھ حج کو گیا ہے اُس کا بہت شکریہ کرتا ہے - اس کے آخر میں بھی اپنے خسر اور استاد ابو العلامی گنجوی کی بہت جو کرتا

مفتاح التواریخ
بہت اعلیٰ

دولت شاہی
ہفت اقلیم

ہے اور نصیحت اور حکمت کے مضمون بھی اسی فیل میں اکثر کتنا ہے۔ آخر عمر میں دنیا سے دل برداشتہ ہو کر استعفا چاہا۔ بادشاہ نے منظور نہ کیا اس واسطے خفیہ بھاگا۔ لیکن یلقان سے گرفتار ہو کر آیا۔ سات مہینے تک قلعہ سسی شائران میں قید رہا۔ دلتنگ ہو کر زمانہ کی شکایت میں ایک قصیدہ لکھا اور آخر بادشاہ بھی اس سے دست بردار ہوا۔ اس قصیدہ میں بالکل اصطلاحیں مذہب ترسا و محسوس وغیرہ مذاہب قدیمہ کی ہیں اسی سبب سے بہت مشکل ہے۔ حکیم ارزقی شاعر نے جو اہل لاسرا میں اُسکی شرح لکھی ہے۔ جبکہ سفر حج میں جمال الدین موصلی کے ساتھ تھا اُس کی تعریف و شکریہ میں بھی ایک قصیدہ چار مطلع کا بہت طویل لکھا ہے۔ اس قید سے بغاوت والہ بادشاہ خلاص ہوا اور ترک دنیا و گوشہ عزلت اختیار کر کے تبریز میں بیٹھا۔ اُسی شہر میں بیچ ۵۸۲ھ یا ۵۹۵ھ ہجری کے فوت ہوا قبر اس کی بقام سرخاب ہے۔ ظہیر الدین محمد فارابی اس کے پہلو میں ہے۔ مولوی جامی نجات الانس میں اس کو حکماء اہل دل میں داخل کرنے ہیں اور شاگرد فلکی کا لکھتے ہیں۔ مگر کتب مذکورہ بالا سے شاگرد ہونا ثابت نہیں۔ ابو الفضل نے اس کے دیوان کا بھی انتخاب کیا ہے چنانچہ ایک نشر خاتمہ میں لکھتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوان اس کا مضامین حکمت سے کلمات قدسی ہے اور خود خاقانی کو حکیم خاقانی خطاب دیتا ہے۔

تمہید قصیدہ

تھو و فاست در بنہ آخر الزماں	ہاں اے حکیم پودہ عزت بسازماں
فلسی شمر مالکب ایں سہر ہار گاہ	صفری شمر فدیہ لکب ایں نہرہ خاکداں
جیون آفت است برآں آب گینہ پل	گہ سایہ بلاست برآں غل میدہ باں
اول بیار شیر بہاے عروس فقر	وانگہ برقب لہ اقبال انگاں
اسکندر تو ختم ملک و دو روز عمر	خضر و شعار غلسی و عمر جاوداں
ہم جنس عدم طلب اینجا جوئے از انک	نیلو فر از سرب ندا دہت کس نشاں

ہفت اقلیم

خود باش این خود مطلب کسی که پیل را در دم سپید مهره وحدت بگوش دل تو غافل و سپهر کشنده رقیب تو دهر سپید دست یکایک است صعب کان خوشترین نواله که از دست خوری دل تنگگاه تست بدست جهاں مده هر لحظه با تفتی به تو آواز میدهد آواز این خطیب الهی تو نشنوی از این دآں دو مطلب چون مسج است خود را در دم خرید رضائے خدائے کن	هم گوش بهتر از پرطاوس پیشه راں خیز از سیاه خانه وحشت بپای جاں فرزانه نخته و سنگ و دیوانه پاساں تنگه به خوش زبانی این ترش میزبان لوزینه ایست خورده الماش رسیاں کین گنج خانه را ندید کس به ایرماں کین دالگه نه جائے مانت الاماں کز جوش غفلت است گوش دل گراں زیر ارجل گیاست عفا فی این و آں دامن ازین خدائے فروشاں فروشاں
چندر	
مشو خاقانیا مغرور دولت بدولت هر که شد غره چنان دآں	که دولت سایه ناپائدار است که میدانش آتش دازن سوار است
حکمت	
ز بیان تو در سودا سنن است ندانم سر ساز حنا قانیا	توان تو در ناتوانستن است که دانی که اکسیر دانستن است
۵ قلم نخت من شکسته تر است نقش امید چون تواند بست بمقام رسیده ام که مرا غم هم از عالم است و در عالم	موسے در سریطالع هنر است قلمی که در دلم شکسته تر است خار و خنظل بجای گل شکسته است مے نمکجده که بس قوی حشر است
جاهل آسوده فاضل اندر ریخ فضل مجبول جل معتبر است	

فخسریہ	
خاقانی آں کساں کہ براہ تو میروند بس طفل کار زوے ترا زوے زر کند گیرم کہ مار چوبہ کند تن بشکل مار	زاغند و زاغ را روش بکب آرزوست نارنج ازان خرد کہ ترا زو کند ز پوست کو ز ہر بہر دشمن کو مہرہ بہر دوست
غزل	
لب تو قیمتِ شکرِ شکست من خود از غم شکستہ دل بودم نیشِ شگال چنان زدی بردل	بغ تو رونقِ متِ شکست عشقت آمد تمامِ نرسکت کہ سریش در جگرِ شکست
غزل	
دیں عہد از وفا بوئے نماند است جہاں دستِ جفا بکشد آوِخ چہ آتش سوخت بستانِ وفا را فلاک جلے ہو آویخت جاغم ہیں نالم کہ اندر نسل آدم	بعالم آشنا روئے نماند است وفا را زور بازوئے نماند است کہ از خشک و ترش بوئے نماند است کز آنجانا اہل موئے نماند است بدیدم آدمی خوئے نماند است
نظر بردار حقائقِ زخوباں جگر میخورد کہ دل جوئے نماند است	
اُس کے قصاید وغیرہ کے حل مشکلات میں ایک شرح محمد ابن داؤد بن محمد ابن محسن شاہ آبادی نے اور ایک خان آرزوے اکبر آبادی نے لکھی ہے ۛ	
اشعار خاقانی	
درختِ وفا را کنوں برگِ یزہست گہ از سائے غیر سر میر نامم بن آشکارا دہ آں مے کہ داری	ازیں برگ ریز وفا میگیزم گہ از خود چو ستایہ جدا میگیزم بہ پنہاں مدہ کز ریا میگیزم

مگو کز چنسیں باجرامیگریم که از سبجہ پارسا میگریم پس از هر دقتن در خدا میگریم	من از باد و گویم تو از توبه گوئی حریف صبحم نه ستیج خوانم هم از دوست از رده ام هم از دشمن
بر بزرگاله گفتند بگریز گفتنا که قصاب در پیے کجا میگریم	
که غم پیر دستان است و دل طفل شبتانی چه محتاج اند سلطاناں با سبب جهانانی خوشا در ویشیا کورا بود رنج تن آسانی که سلطانیست در یوئی در ویشی است سلطانی فلک را بین که میگوید ز خاقانی ز خاقانی ز صدر او صدا آمد که قداحسنت خسانی	دل از تعلیم غم رنجد معاذ الله که بزارم چه آزاد اند در ویشیاں ز آسیب گرانباری بدا سلطانیا کورا بود رنج دل آشوبی پس از صد سال روشن گشت بر خاقانی این معنی سخن گفتن ز حق کیت میدانی و میسری اگر براحمد مختار خوانند این چنین شعرے
ز قنطاریان شب و کافور روزم حاصل این آمد کز آنم دیده کافور است و زینم جاد قنطاری	
در گوهر آدم بود این گوهر نایاب جز سایه کسے همی من نیست ز اصحاب آرے نرود گرگ گزیده ز پی آب سرگشت این بخت بیکای گران خواب تنگ است دلم چون بن کوزه سیاب کا قطع تلخ است که شد لوی غش آب وز تائب نالم که فرود ز من ناب که در عرق غرقه و که در تیم از تاب زانست که رد کرده اخوانم و احباب	آئید و فادارم و هیاست که امروز جز ناله کسے همی من نیست ز مردم آز رده چرخم کنم آرزوئے کس امروز منم روز فروخته شب جنین گرم است دم چون نفس کوره آتش با اینمه امید نه بیهوده توان داشت از حادثه سوزم که بر آورد ز من دود بیارم و چون گل که نبی در تیه کوزه چون زلال زلفی شده ام پیر از حد ادا

بیسرخ غم زال خورد گر نخورد باب سنگر مخشت چو بود ماه جاتاب خورشید بر طاق ترا پوشش سنجاب بزناختی نیست مشوناخته بزتاب تعلیق رسن باز نیاید ز رسن تاب گو آنکه ہنر بخشش ہیں بود آداب سمے کہ خداوند و پدر بود بہر باب آں فاختہ طسبع مرا فتح ابواب	خورسندی من دل دہم گرند ہد خلق گمرین درد و ناں چو بود صد زفاعت آیام بقصان و نرا کوشش بشی است ہاں لے دل خاقانی اگر چہ ستم دہر تختیق سخن گوے نخیز و ز سخن دزد گو آنکہ سخندان ہیں بود بحکمت گو آنکہ ولی نعمت من بود و غم من آں خانمہ کار مرا خاتمہ دولت
ادریس قضا بینش و عیسیٰ رواں بخش دادہ لقبش دُور ہنر واضح القاب	
والعترار بر دل ما سرد کردہ کاصحاب نقنہ ہر چہ توانکرہ کردہ	دلہائے ماسترارہ درد کردہ ہاں اے سپاہ طیرا بایل زہنار
جانی و بجاں ہواست جویم امروز چو کمیاست جویم چوں عمر گراں بہات جویم در ہر صد فے جدات جویم وامشب ہمچوں شہاب جویم کز نوحہ گری نوات جویم	اے قبلہ جاں کجات جویم دیر دوز چو آفتاب بودی اے دُور گراں بہا تر از روح در یکا نتم اشک پسں ریا دوشت ہمہ ہیچو بدر دیدیم اے بلبل چند کشتہ وقت ہست
خاقانی ست آشناے عشقت ہم درد دل آشنات جویم	
کاں نوش جاں گزلے تر از سم نیام است کور از حادثات اماں ہم نیام است	از ساغر زمانہ کہ نوشید شربتے گیستی تر از حادثہ امین کجاکند

دزدیت نقب ن فلک اندر سرائے عمر آسودگی مجھے کہ کس را بزیر چرخ باختگی بساز که مار از روزگار	آرے ہرزہ قامتِ او خم نیامد است اسبابِ ایں مراد فراہم نیامد است زخمِ آمد است حاصل دم ہم نیامد است
خاقانی فریب جہاں را مدار گوشش کو را ز دور قاعدہ محکم نیامد است	
ہاں لے دل عبرت میں از دیدہ نظر کن ہاں یکہ ز رہ دجلہ بمنزل بدائن کن وندانہ ہر قصری پند سے دہت از نو گوید کہ تو از خاکی مایاک تو ایم اکنوں از نو چند الحق مائیم بدر دسر برویدہ من خندی کایں خار چہ میگید کسرے و ترخ ز پر ویز و بہ زریں از خون دل طفلان سرخاب رخ آمیزد خون دل شیرین است ایں سے کہ دہارتن گفتی کہ کجا رفتند آن تاجوران یک یک خاقانی ازیں درگہ در یوزہ عبرت کن	ایوان مدین را آئینہ عجرت دواں وز دیدہ دوم دجلہ بر خاک مدین راں پند سر و ندانہ بشنو ز بن دندان گامے دوسہ برمانہ اشکے دوسہم بفتاں از دیدہ گلابے کن درد سر برن بفتاں گر بند براں دیدہ کا یخا نشود گریاں بر باد شدہ یکسر بر خاک شدہ یکساں ایں زال سپید بروایں مام سیہ پتاں ز آب و گل پر ویز است ایں خم کہ ہند و ہقان ز ایشان شکم خاکست آستین جاویداں تا از در تو زیں پس در یوزہ کند خاقاں
امروز گر از سلطان رندے طلبہ توشہ فردا ز در رندے توشہ طلبہ سلطان	
اے چرخ از اں ستارہ رعنا چو خاستی اے زال مستحاضہ کہ آستنی ز شیر	اے باد از اں شگونہ زیبا چو خاستی زاں خوش عذار غنچہ عذار چو خاستی
مارا جگر دریغ نبود از تو هیچ وقت آخر ز گوشہ جگر ما چہ خواستی	

گر نقد بسوزش دل چشم من بگریستے دید ہائے بخت من بیدار بایستے کنوں انچاز من شد گرانہ دست لیاں گم شدے نقد دے حکمت و صد ز من گر بعد او	بر دل من مرغ و ماہی تن بن بگریستے تا بیدیدے حال من بر حال من بگریستے بر سیلیاں ہم پری ہم اہر من بگریستے گر زمیں را چشم بودے بر زن بگریستے
کاشکے آدم برجست در جہاں باز آمدے تا بگرگ این خلف بر مرد و زن بگریستے	
خاقانی از حدیث زمانہ زبان بہ بست گیرم ز روے عقل ہمہ زیر کیش ہست	کز ہر چہ بہت بہ ز زباں کو تہیش نیست با کید روزگار بجز اہلہیش نیست
ہد ہد ز آب زیر زمیں آگست لیک از دام بر فراز زمیں آگہیش نیست	
چوں زماں عہد سنائی در نوشت چوں بغزینیں ساحرے شد زیر خاک بلبلے زیں بیضہ خاکی گزشت چوں بیاباں شد ریاحیں گل امید ماہ چوں در جیب مغرب برد سر در فلاں تایخ گویند از جہاں یوسف صدیق چوں در بست نطق تہنیت باید کہ در باغ سخن گر شہا بے برد چرخ اختر گزاشت	آسماں چوں من سخن گستر ہزاد خاک شر و اں ساحرے دیگر ہزاد طوطی نوریں کہن منظر ہزاد چوں سر آمد صبح صادق خور ہزاد آفتاب از دامن خاور ہزاد چوں بروں بہمن شد اسکندر ہزاد از قفا موسیٰ پیغمبر ہزاد چوں شگوفہ فوت شد نوبر ہزاد وز زماںی خورد خاک اخضر ہزاد
ایں مثل خواندی کہ مُزغِ خاکی دانہ بر خورد و پس گوہر ہزاد	
از بہر بارہ پیر فلک را بدست صبح	دلن ہزار میخ ز سر بر کشیدہ اند

ایک پئے موافقتِ صفتِ صوفیاں در مشرق آفتاب چنان جامہ خرقہ کرو تا کنج را براہ براسیم کعبہ است	صوف سفید برتنِ مشرق دریدہ اند کاواز خرق جامہ بمغرب شنیدہ اند مردان کعبہ کنج شیشین گزیدہ اند
---	---

من دیدہ ام کہ حد مقامات لو کجاست
آناں ندیدہ اند کہ کوتاہ دیدہ اند

خدا یگان سپہر آستان نکو داند بدان بس کہ ز پشت دروگری ز یاد آ	کہ در جهان سخن بندہ بنے نظیر آفتاد بلے خلیل میسب نم از دروگر ز یاد
---	---

بذل من آدم اندر جہاں سنائی را
بدیں دلیل پدر نام من بدیل نہاد

نظامی گنجوی

حال دستگاہ علوم و فنون کا کسی کتاب سے مفصل معلوم نہیں ہوتا لیکن اصول و
فروع شعر و سخن میں کمال ہے۔ اگرچہ خاص و عام میں وطن ان کا گنج مشہور ہے لیکن آگے ہیں

چو در گر چہ در جہاں گنج گم ام	دلے از قہستان شہر قہم
-------------------------------	-----------------------

سب اہل تذکرہ و تاریخ لکھتے ہیں کہ دنیا کے جاہ و منصب کے لئے سلاطین وقت کا دروگر
نہیں کیا۔ تمام عمر گوشہ قناعت میں بیٹھ کر کمال علم اور اصلاح نفس میں کوشش کرتے رہے۔
اور خود اس بات کا نہایت فخر کرتے ہیں۔ لیکن قصیدے جو بادشاہوں کی تعریف میں
کھے ہیں اس سے برخلاف اس کے ثابت ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قطبِ صفت
حاصل کرنے کو حکام اور بادشاہ خود ان کے پاس آتے تھے۔ جب قراں سلطان بادشاہ
ایران ملاقات کو آیا۔ دیکھا کہ ایک غار کے دروازے پر بوریہ بچھا ہے۔ ایک پیر مرد

نغبات الانس
و بہت تعلیم

دولت شاہ

بیٹھا ہے۔ قرآن اور قلم دوات اور عصا سامنے رکھا ہے۔ سبحان اللہ
 اے ہمایوش فقیری سلطنت کیا مال ہے | بادشاہ آتے ہیں پاؤں گدا کے واسطے
 خمسہ نظامی جس کو بعضے پنج گنج بھی کہتے ہیں نہایت مشہور کتاب ہے۔
 امیر خسرو اور جامی اور فیضی و دہلوی وغیرہ بہت شاعروں نے اُسکے جواب میں
 نسخے لکھے لیکن ایک نہ پہنچا۔ کلام اس کا از روئے فصاحت و بلاغت و
 رعایت فن شاعری عیب اور رقم سے پاک ہے لیکن سکندر نامہ میں بمقام برابر
 سکندر بعد قتل دارا ایک جگہ کہتے ہیں ۵

بفرمود تا تیغ و طشت آوردند | دو بد بخت را پیش تخت آوردند

کہ یہ قافیہ ناجائز ہے اور ایسے شاعر مسلم الثبوت سے نہایت تعجب کا مقام ہے۔
 خیالات اُس کے چونکہ تمام پند و نصائح سے مالا مال ہیں اس لئے اعلیٰ مرتبہ کی
 تعریف کے قابل ہیں۔ لیکن چونکہ اہل زمانہ میں خیالات عاشقانہ عام تھے اس لئے
 اُس کے مضامین کا اکثر جگہ رنگ بدل گیا یعنی عاشقانہ ہو گئے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو وہ
 ایک فلسفی کامل اور تصنیفات اُس کی خالص حکمت و معرفت کی اصل اصول ہوتی۔
 یہ پانچوں کتابیں جدا جدا قصہ ہیں کہ مختلف بادشاہوں کی فرمائش سے تصنیف کی
 ہیں۔ شوقین لوگوں نے پانچوں کو ایک جگہ جمع کر کے پنج گنج اور خمسہ نام رکھا ہے۔
 مخزن اسرار ۹۲ھ میں بہرام شاہ رومی کے نام سے لکھی ہے۔ اُس کے صلہ
 میں ہزار روپیہ سکے عراق اور ایک قطار خچروں کی اور بہت سے خلعت و لباس
 پیش قیمت اُس نے بھیجے تھے۔ لیلیٰ مجنوں خاقان کبیر منوچہر بادشاہ ہزاران
 کے نام سے ۹۲ھ میں لکھی اور شیریں خسرو اور ہفت پیکر یعنی بہرام گور
 آناہک قزل ارسلان کے نام ۹۳ھ میں لکھی اور سکندر نامہ نہایت پر زور
 کتاب اور تصنیف اخیر نام طغرل شاہ سلجوقی کے ہے ۹۴ھ میں لکھی۔ اس کو
 شرف نامہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے تین حصے ہیں۔ پہلا تو افسانہ سکندر نامہ مشہور

ہے۔ دوسرا اور تیسرا بمنزلہ ایک شنوی کے ہے اہل عقل کے نزدیک مخزنِ اسرار
 سب سے بہتر کتاب ہے کیونکہ باوجود نصابِ خالص کے اعلیٰ درجہ فصاحتِ بلاغت
 پر ہے باعثِ لطافت اور باریکی معانی کے اہل فن اس کو گنبدِ بے درکتے ہیں۔
 مصنف خود کہتا تھا کہ اس کتاب میں میں نے انتہائی درجہ کی خوشگانی کی ہے۔
 یہاں تک کہ اگر کسی جگہ ابرو کو ہلال لکھا ہے تو اس کے لئے بڑھاپے کے سبب
 سفیدی کا اشارہ ضرور کیا ہے۔ سکندر نامہ نے بہت ہی رواج پایا۔ اگرچہ قصہ
 سب صحیح نہیں لیکن زبانِ فارسی میں بے نظیر ہے۔ اس کا نام اقبال نامہ اسکندری
 اور خسرو نامہ بھی ہے۔ کشمیر و کابل وغیرہ میں شیریں خسرو بھی کتبِ تحصیل میں داخل
 ہے۔ اگرچہ خاص و عام میں سوائے خمسہ کے اور کلام ان کا رائج نہیں لیکن دولت شاہ
 کہتا ہے کہ بیش ہزار شعر دیوان کے بھی ہیں اور ایک قصہ دیں رامین کا ہے کہ
 محمود ابن محمد ابن ملک شاہ کے نام سے لکھا تھا لوگ اسے تصنیفِ نظامی عروسی
 کہتے ہیں اور یہ غلط ہے۔ اکثر مصنفوں کی رائے یہ ہے کہ ابتدا کی شق ہے ۱۷۵۵ھ
 میں ۸۴ برس کی عمر میں شہر گنج میں فوت ہوئے۔ مخبر الواصلین اور حبیب السیر میں
 ۵۹۲ھ سال فوت لکھا ہے۔ لیکن چونکہ خانہ سکندر نامہ میں وہ خود کہتے ہیں کہ ۴۴ محرم
 کو دوپہر ڈھلے ۹۹ھ میں یہ کتاب ختم ہوئی اس واسطے معلوم ہوا کہ دو نو بے خبر
 ہیں۔ سکندر نامہ بحری اس کے بعد مرتب ہوا ہے

دیوان غزلیات چونکہ نایاب ہے اس واسطے چند اشعار اس میں سے لکھے جاتے ہیں

کہ کس ہرگز نے یابد دوبارہ زندگانی را
 کہ اندر خاک سے جوینہ ایام جوانی را

جوانی بر سر کوچ است دریا پس جوانی را
 خمیدہ پشت از ان گشتہ پیران جہانیدہ

غزل

زمانے رشتہ بستنی راجلوت گاہ جان در کش
 ہمایان سعادت را بدام امتحان در کش

جہاں تیر است در شکن جہینت عیان در کش
 کلاغان طبعیت را ز باغ انش بیرون کن

ہفت تعلیم

مرات انیال

ہزاراں شریں یعنی بیکم را یگاناں درکش
ہو ساقی گرم رو گردو سبک لٹل گراں درکش
ستون عرش در جنبان طاب کمکشان درکش
حدیث بے زبان میگوشن زبانش بے دہان درکش

چو خاص الخاص حال گشتی ز صورت پاپے بیرون کن
گراں جانی کن ہرگز کہ در بزم سبک رو حال
چو ست حکمتش گشتی فلک را خیمہ برہم زن
طریقش بے قدم میر و جانش بے نظر سے ہیں

نظامی اس چہ اسرار است کہ خاطر بروں ادی
کسے رمزت نے داند زباں درکش زباں درکش

انتخاب قصاید جو کہ آتشکدہ سے رکھے گئے :-

کوچ کن زبیں خیل خانہ سوئے دارالملک جان
رستم مازندہ آنکہ دیو و رماژندراں
ہم فلک را باکو اکب نامناسب شد قراں
مہر قراں جوئے کا مد مہدی آخر زماں
ہرچہ نرایاں باطلی در نور داز آستان
کہ یکے زبیں نفل سازند از یکے دیگر سناں
ہندوئے را و دیو یابی ہندوئے را پاسبان
پیرہ زن زبیں سوئے کرد آتش بجا کشتراں
بندہ اوشو کہ اوشد صاحب سلطان نشان
در محد خورشید تابانی در قیامت سائبان
مضر حال را در مساحت چاہ باشد نروباں
و رہمہ تسبیح باشد نقش نان کس مخواں
زانکہ مروارید را بار یک بہتر رسیماں
با عزیزان زمانہ زبیر پردہ ہر زماں
تا بدامن خاک بینی بر سر نوشیرواں

ہم جبریں جنید و ہم در جنبش آمد کارواں
شعنہ مادانش آنکہ حرص در ہمسائیگی
ہم زبیں را با خلائق ناموافق شد خراج
زبیں قراں میں شوی چوں چنگ قراں زنی
ہرچہ نر قراں طرازی بر نشان آئینیں
فرقا باشد میان آہنی و آہنی
اصل ہندو و در سیاہی یک نسب آرد و لیک
در مرقعہ خاک آلودہ یابی روشنی
چند زبیں سلطان سلطان بند تراز تو سلطان
دست عدلے را کہ آری بر سر یک زیر دست
ظالماں را در قیامت خضم باشد مملکت
گر ہمہ جہرلاب باشد آب جوئے کس مخور
چونکہ آب ویدہ داری از ضیفی باک نیست
پرمودہ بر دار از زمیں بگرچہ بازی میرود
تا بخرن خار یابی بر کلاویز جبرود

چند گوئی کعبه را کینک بخدمت میرسم | چون بخواندت هنوز از دور خدمت میرسان

سیم را رونق نخیزد تا برون ناید ز سنگ

لعل را قیمت نباشد تا برون ناید ز کاں

ملک الملوک فضلیم بفضیلت معانی
نفس بلند صوم جبریں بلند جیستے
سر بہم رسیده بکلاہ کیقبادی
سخن از من آفریدہ چوقوت از مروت
غزلیم بسمعا در چو سماع اغنونی
حرکات اختراں نم صل او طفیلی
نرم بخیرہ طبلے چورنم بود عروسی
مہم و چو نگیرم کلفت سیاہ روئی
با جازت لب من دل خلق باز خند
اگر این نشاط گوہر نغفات من نباشد
چو صدف حلال خواہم چو گہر حلال زادہ
ولد الزناست حاسد منم آنکہ اخیر من
سر آں جریدہ بر نہ در آں قصیدہ بکشا
شبہ چو در خرنیہ کلیم گہر فشان
دل و دین شکستہ و آنکہ ہوسم زنا جوئی
ملکا و پادشا ہاروشے کرامت من کن
حرم تو آمد این دل ز حد گاہد ارش
ردیم من کہ خردم ظلم میں کہ خاکم
ز گناہ عذر بگذر بنواز و رحمت من کن

ز می وز ماں گرفتہ بشال آسمانی
قلم جہاں نور دم علم جہاں ستانی
بر حشمت گزشتہ ز پرند کور خانی
ہنر از من آشکارا چو طرادات از جانی
نکنم بد و فہمادر چو شہاب از غوانی
طبقات آسمان را نم آہ او ادانی
نکنم بخطبہ سخن چو کنم بود اخانی
دورم دچو در دارم جس سفید رانی
چو شکوہ ریاحیں ہواے مہر کافی
کہ زند در معنی کہ خوردے معانی
ز حرام زادہ دورم شب روز در زبانی
ولد الزنا کش آمد چو ستارہ یانی
کہ بر ند قبضہ فضل بہ ار معانی
گہرے نہ در خریطہ کلیم صدف دہانی
سرو پا برہنہ و آنکہ سختم زمر زبانی
کہ بدان روش بگورم بدی بدگمانی
کہ فرشتہ باشا طین نکنند ہم شیان
بہاں نہاد طعم دودی و دہ زبانی
بخالتے کہ بینی بضرورتے کہ دانی

تو کہ واجب الوجودی ابد الابد بانی
چو نباشد اس سعادت نہ من ز زندگانی
کہ کس ایمنے ندارد رخصت آسمانی

ہمہ ممکن الوجودی رقم ہلاک دارد
بطیفیل طاعت تو تن خویش زندہ ارم
اگر از نظامی آمد گنیش عفو گرداں

تو رساندیش دل بسعادت وجودش
چو نفس پاک خراید بشہادتش رسانی

میزدم نعرہ و فریاد کس از من نشنود
یا نہ من ہیچکیم ہیچکسم درکشود
رندے از غم خبروں کرد و شریخ بنود
بے محل آمدنت برد رہا بہر چہ بود
کا نہ دین وقت کسے بہر کسے درکشود
کہ تو دیر آئی و اندر صفت پیش منی زدو
شاہد و شمع و شراب شکر و نالے و سرود
مومن و امنی و گبر و نصارے و یہود

دوش رقم سخریات و مرا راہ نمود
یا نہ ہیچکس از بادہ فروشاں سیدار
پاسے از شب بگذشت بیشتر کہ یا کمتر
گفت خیر است درین وقت کہ آہنخواہی
گفتش در کشتا گفت برو ہرزہ گوے
اس نہ مسجد کہ بہر لحظہ درش کشتایند
اس خرابات منافست در و زندانند
ہر چہ در جلہ آفاق در انجبا حاضر

اگر تو خواہی کہ دل از صحبت ایناں بزنی
خاک پاسے ہمہ شوتہ کہ بیابی مقصود

حدیث بیزباں یگو شرابش سید ہاں درکش
کسے رفرت نمیداند زباں درکش زباں درکش

برائش بقیم میر و جالش بینظرے میں
نظامی ایں چہ اسرار است کہ خاطر بروں دی

چوں روز بر آرد سر مہر تو ز سر گیرم
جان دگر م باید تا دل ز تو بر گیرم

تدبیر کنم ہر شب تا دل ز تو بر گیرم
دل باتو براؤنیم کا مینختہ با جاں

نیکناماں را مسلم فیت تنہا آمدن

شب بہ نہائی بکوئے دوست بزماناں روند

وین بخت گراں خوابم بیدار شود روزے
دلبر نہ چین ماند دلدار شود روزے
در چشم عزیز او ہم خوار شود روزے

ایں دولت سرستم ہیشار شود روزے
ہم باز شود ایں درم روز شود ایں شب
نصصے کہ بزعم او امر روز نوازندش

کافر شدم از دستش باشد کہ بایں دستان
زلفش بیاغم بر زنا ر شود روزے

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی

نام اس صاحب دل کامل کا مصلح الدین باپ کا نام عبداللہ تھا چونکہ آتابک سعد زنگی کی سلطنت میں ملک سخن پر اس کی فرمانروائی تھی اس واسطے سعدی تخلص کیا تھا۔ یہ بھی واضح ہو کہ آتابک لغت میں معنی استاد ہے۔ چونکہ سعد زنگی شہزاد شاہ ایران کے دادا کا استاد تھا اس واسطے یہ لقب ان کا خاندانی ہو گیا۔ ترکی میں آتاباب کو کہتے ہیں اور بیگ تعظیم کا لفظ ہے۔ جیسے صاحب۔ اس کا مخفف آتابک ہو گیا۔ باب شیخ کا آتابک مذکور کی سہ کاریں ملازم تھا اور بھائی بادشاہی ڈیوڑھی پر دوکان نقابی کی کرتا تھا۔ حضرت شیخ نے نظامیہ (بغداد کے مشہور مدرسہ) میں تعلیم پائی تھی کہ عمدہ نمونہ خوبی درستی اسلام کا تھا۔ خود کہتے ہیں ۷

شب و روز تلقین و تکرار بود

مراد و نظر آیتہ اور ار بود

اور ابو الفرج ابن جوزی عالم مشہور کے شاگرد تھے۔ اہل تاریخ نے ان کی عمر کترین حصہ میں تقسیم کیا ہے ۳۰ برس تحصیل علم کی ۳۰ برس تک ولایتہائے نزدیک دور میں پھر کہ جو کچھ کتابوں میں پڑھا تھا اس کا تجربہ حاصل کیا۔ باقی عمر بیٹھ کر جمعیت خاطر اور یاد الہی کا لطف حاصل کیا۔ مدت تک شام اور بیت المقدس کے جنگلوں میں

سٹائی کی - ۱۴ دفعہ (جن میں کئی مرتبہ پیادہ پاتھے) حج کیا - شہاب الدین سہروردی اپنے مرشد کے ساتھ سفر دریا کیا چنانچہ کتنا ہے ۷

مراد پیر دامائے مرشد شہاب	دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود ہیں مباح	دوم آنکہ بر غیر بد میں مباح

اس کے علاوہ ملک ملک کی سیر کی ہندوستان میں آئے۔ سومات کے مندر میں پجاری بن کر رہے۔ شہر کو چھوڑ جنگلوں میں پھرتے رہے۔ وہاں سے اہل فرنگ کی قید میں پڑے بیگاں میں پکڑے گئے۔ یہودیوں کے ساتھ طرابلس کے جنگل میں مٹی ڈھوئی کسی دوست نے ۱۰ روپیہ کو وہاں سے چھڑایا۔ ایک بدخو جو روکے پنجہ ظلم میں گرفتار ہوئے۔ ایک زمانہ میں کوچہ گردی اور عشق بازی بھی کی۔ غیاث الدین بلبن بادشاہ دہلی کے فرزند اباقان نے (جو کہ تخت نشینی سے پہلے ۷۸۷ھ میں تارویں کے ماتھے سے مارا گیا) ملتان سے اپنے عہد حکومت میں دو تین بار خرچ سفر بھیج کر طلب کیا اور تجویز کی کہ خانقاہ بنا کر چند گاؤں مصارف کے لئے مقرر کر دے شیخ نے ہر دفعہ کچھ تصنیفات اپنے ماتھے کی لکھی ہوئی بھیجی اور امیر خسرو کی (کہ اُس زمانہ میں ابتدا جوانی اور عنفوان شاعری میں تھا) بہت تعریف و سفارش لکھی مگر آپ نہ آئے دولشاہ اور صاحب ہفت اقلیم لکھنا ہے کہ شیخ کی شیخ عبدالقادر جیلانی سے بھی ملاقات ہوئی۔ لیکن شیخ عبدالقادر جیلانی کی حیات و ممات یہ ہے ۷

سینس کامل و عاشق تولد	دقائق داں تو مشوق الہی
-----------------------	------------------------

اور شیخ سعدی کا تولد ۷۸۵ھ سے کم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بعضے لوگ کہتے ہیں کہ شیخ اور حافظ شیراز ماسوں بھانجے تھے یہ بھی غلط محض ہے ۶

بوستان ۷۸۵ھ اور گلستان ۷۹۶ھ میں لکھی۔ یہ دونوں نہ پند و نصیحت بہود و دنیا و آخرت سے مالا مال ہیں۔ بعضے کہتے ہیں کہ میزان منشعب بھی انہیں کی تصنیف ہے لیکن کسی کتاب سے سند نہیں ملتی تعجب ہے کہ پند نامہ یعنی گریا ایران

نقائس المناظر

نقائح التواریخ

میں نہیں۔ لیکن وہاں کے اکثر اہل کمال سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ کلام سعدی کا معلوم ہوتا ہے۔ شاید ہندوستان میں اگر کبھی اور یہیں چھوڑ گئے۔ بہر صورت ان کے کلام کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بات کو خود بڑا ہے اور جو کچھ لکھا ہے سمجھ لکھا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتیں اس فصاحت اور اختصار اور تاثیر سے کہی ہیں کہ جب کسی موقع پر فقرہ یا شعر پڑھا جاتا ہے پھر گفتگو کی حاجت نہیں رہتی۔ خصوصاً گلستاں اس کی تعریف اسی قدر کافی ہے کہ ترجمہ اس کا (انگریزی و لاطینی و فرانسیسی و جرمنی) عربی و ترکی و اردو میں کیا گیا۔ سب لوگوں نے شلاً معنیٰ و جوینی نے نگارستان مولوی جامی نے بہارستان۔ امیر خسرو نے شکرتان۔ مرزا قاضی ملک الشعراء حال ایران نے پریشان لکھی لیکن سب کہتے ہیں کہ گلستان سے کچھ نسبت نہیں۔ سب طرح کی نظم و نثر اور بہت سے قصائد فصیح عربی کے غرض کل ۲۰ ہزار بیت ان کی کلیات میں ہے۔ جسے اہل کمال مکدان فصاحت کہتے ہیں۔ خصوصاً غزل میں ان کی تقلید اب تک اہل ایران فخر جانتے ہیں اور انہیں پیغمبر سخن کہتے ہیں۔ اس کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت میں عشق کا رنگ زیادہ تھا جو انجام کو آزادی اور دل برداشتگی اور قناعت کی منزل کو پہنچ گیا۔ تناسل کلام کا حال تو اوپر لکھا گیا۔ چند جزو نہرلیات کی نظم میں اور ایک دو جزو نثر میں ایسے لکھے ہیں کہ کوئی مرتبہ تسخر اور محش کا باقی نہیں رہا لیکن آخر عمر کے اشعار میں اس سے نہایت بھی ظاہر کرتے ہیں۔ بڑا سبب انکی شوخی اور آزادی کا یہ تھا کہ اہل عیال کچھ نہ تھے جو ہمشموں کی حیا یا فکر و تردد پاس آئے۔ اس جفا کار جو رو کے پھندے سے نکل کر پھر اس بلا میں نہیں پڑے۔ اکثر باتیں ان کی بطریق لطایف و ظرایف کتابوں میں اور ان کے کلام میں بھی مذکور ہیں۔ لیکن چونکہ یہ ہدیہ بزرگان دولت کی نظر سے گزر گیا ادب اجازت نہیں دیتا کہ زبان قلم اس سے آشنا ہو۔ غرض نیک یا بد ہر بات زمانہ کی اپنے تجربہ میں آئی ہوئی تھی اس لئے جس کو چاہیں اور جس طریق میں جاتے ہیں ایسی چپتے کی بات کہتے ہیں کہ اُس ڈھنگ

فلو در آت پشون
لطرچسپر

مفتاح ہل صا

فلو در آت لطرچسپر

کے آدمی کے دل کو لگ جاتی ہے خاص عام صغیر و کبیر سب پسند کرتے ہیں۔ اور جب تک زندہ تھے ہر چمن میں گل اور ہر محفل میں گلہ نشہ تھے۔ ایک دفعہ حج سے پھرے ہوئے آتے تھے۔ تبریز میں بعض امیروں اور رشتہ داروں سے ملنے کو گئے۔ سلطان آبا قان نے سُن کر بلایا بہت تعظیم و تکریم کی اور کہا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ شیخ نے کہا کہ جب دنیا سے انسان جاتا ہے تو یا ثواب لے جاتا ہے یا عذاب تم امید و بیم میں رہو اور حسبِ فرمایش اُسی وقت نظم کر کے سنایا۔ بادشاہ اس کلام پر اثر سے آب دیدہ ہوا اور پوچھا کہ میں کون سی جانب میں ہوں شیخ نے کہا کہ یہ میں نہیں کہہ سکتا تم اپنا حال خود مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ اُس نے کئی مرتبہ یہی سوال کیا شیخ نے یہی جواب دیا۔ دولت شاہ اس مقام پر لکھتا ہے کہ بقال اور قصاب کو بھی آج کوئی اس بے باکی سے نصیحت نہیں کر سکتا۔ مگر سعدی خود کہتا ہے اور سچ کہتا ہے ۵

مفتاح اللہ الایح

سخن ملکیت سعدی راسم

نہ ہر کس حق تواند گفت گستاخ

ایک دفعہ شمس الدین تازی کے عہد میں بوجہ رواج سلطنت کے کھجوریں خراج شاہی میں آئیں اور خزانہ سے اہل سپاہ کو عوض زرِ تنخواہ کے ملیں انہوں نے بزبردستی بقالوں کو دیں اور قیمت گراں وصول کرنی چاہی۔ شیخ کے پاس ان کا بھائی آکر نالاں ہوا۔ انہوں نے ایک رقم منظوم بنام حاکم لکھا :-

اشعار منتخب

دامم کہ ترا خبر نباشد
بخت بد ازیں بتر نباشد
خرما بخمد و زرنباشد
ترکی کہ ازان خضر نباشد
کز خانہ رہش بد زنباشد

احوالِ برادر م بہ تحقیق
خرماے بطح میدہندش
اطفال پر اند و مرد درویش
انگہ تو محصلے فرستی
چنداں بزندانش اسے خداوند

لطفے بہ ازیں دگر نباشد

اے صاحب من بغور اُورس

ملک شمس الدین پڑھ کر بہت ہنسا اور حکم دیا کہ کھجوریں معات اور جن بقالوں سے روپیہ وصول ہوا انہیں اسی وقت واپس کر دو۔ شیخ کے پاس خود آیا۔ عند مودرت کی اور وعائے خیر چاہی۔ چونکہ جانتا تھا شیخ آپ کچھ نہیں لیتا اس واسطے کچھ زر نقد بھی سامنے رکھا اور کہا کہ میں نے سنا ہے آپ کا بھائی بہت غریب ہے دیدیجئے۔ غرض ۶۹ یا ۹۱ ہجری میں شہر شیراز میں شیخ فوت ہوئے۔ لفظ خاص تاریخ فوت ہے اور بسبب مقبرہ کے وہ مقام اب تک سعدیہ شہور ہے۔ عمران کی بعضے ۱۰۲ اور بعضے ۱۲۰ برس کہتے ہیں لیکن چونکہ شیخ گشتاں میں خود کہتا ہے کہ ابن جوزی میرا شیخ مجھے ناچ رنگ دیکھنے کو منگ کرتا تھا اور مجھے جوش جوانی غالب تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت سن بلوغ کو پہنچ گئے تھے اور چونکہ ابن جوزی ۵۹۷ھ میں فوت ہوا فاصلہ استاد اور شاگرد میں ۱۰۶ برس کا ہے تو ظاہر ہے کہ اُس وقت عمر شیخ کی ۱۸ یا ۲۰ برس کی بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ ہوگی غلطی سے نقطہ کا پس و پیش ہوا ۱۲۰ صحیح ہے۔

فرینکلن صاحب ۱۷۷۷ء میں وارد شیراز ہوئے۔ اپنے سفر نامہ میں لکھتے ہیں کہ شہر سے شمال و مشرق میں آدھ کوس کے فاصلہ پر ایک باغ دارن کوہ میں شیخ کا مزار ہے۔ عمارت مربع عالیشان بنی ہے۔ ایک جانب دو محرابیں برابر ہیں جسکے دست راست پر قبر شیخ کی ہے طول ۴ فٹ عرض ۲ فٹ۔ ایک طرف چند نقروں میں شیخ کا حال بخط نسخ پتھر پر کندہ ہے۔ اب تک عمارت کی خوبی میں فرق نہیں آیا۔ قبر پر ایک چتر طلا کار گنبد ناسیہ لکڑی کا ہے اُس پر شیخ کی ایک غزل لکھی ہے کلیات نہایت خوش خط لکھا ہوا مزار پر رکھا ہے۔

لطیف

شیخ سعدی کا ایک شعر حمد الہی میں ہے :-

مقالہ تاریخ

ہر ورقے دفتر بیت معرفت کردگار	برگ درختان بند و نظر ہو شیار
معتقد اُن کے مشہور کرتے ہیں کہ جس رات شیخ نے یہ شعر کہا ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے طبقہ سے نور نازل ہوتے ہیں اور معلوم ہوا کہ شیخ سعدی نے جو شعر حمد الہی میں کہا ہے یہ اُس کا صلہ ہے + فیضی (برادر ابو الفضل وزیر اکبری) اپنی کتاب نلدن میں حمد الہی کے اشعار کہتا تھا اتفاقاً ایک شعر لکھا کہ	
در ہر بن موکہ سے نہی گوش	نورہ فیض دوست در جوش
لطفات مضمون و آبداری الفاظ پر بہت نازاں ہوا اور شیخ کے شعر کا خیال کر کے آسمان کی طرف منہ کیا کہ دیکھوں مجھے اس کا صلہ درگاہ الہی سے کیا ملتا ہے۔ اتفاقاً کوئی طائر اڑا جاتا تھا اُس نے اوپر سے پتال کر دی فیضی بہت خفا ہوا اور کہا کہ واہ سبحان اللہ۔ قدر دانی عالم بالا معلوم شد +	
غزل	
شہر بند ہوا اے جانا نیم سر بیازیم و رخ نگر دانیم زرفشانند و ماسد افشانیم عیب ماگو مکن کہ ناوانیم ماچشکش ہزار و ستانیم ماتماشاگران بستانیم مادر آشارسنغ یزدانیم در ہمہ عصر زان پشیمانیم ہمہ عالم بیچ بستانیم ترک یار عزیز نتوانیم	ماگہ ایان خیل سلطانیم چوں دنا رام میزند شمشیر دوستان در ہواے صحبت دوست مر خداوند عقل و دانش را ہر گل تو کہ در جہاں آید تینگ چشمان نظر بیوہ کنند خود پرستان نظر شخص کنند ہر چہ گفتیم جز حکایت دوست سعدیابے وجود صحبت یار ترک جان شریف توان گفت

شمس الدین محمد خواجہ حافظ شیرازی

نام اس بزرگ کا شمس الدین محمد وطن فصاحت آباد شیراز۔ آل مظفر کے زمان سلطنت میں تھا۔ لیکن کسی بادشاہ یا امیر وزیر کی نوکری نہیں کی۔ آزادی طبیعت قناعت خاطر سے گزان کرتے رہے۔ ان کے اور شیخ سعدی کے حال سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی حقیقت کو یہ لوگ خوب سمجھ گئے تھے اور جان لیا تھا کہ جو کچھ ہے چند روزہ ہے اُس میں بھی حال یہ ہے۔ اپنی کوشش اور کاہش سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اثر دینے والا کوئی اور ہے۔ اُس کے علاوہ جس نے ہمیں پیدا کیا اُس کی غرض ہم کو یہاں بھیجنے سے کچھ اور ہے۔ ہمیں اس کی مرضی پر راضی بننا رہنا چاہئے کہ اطاعت کا یہی حق ہے۔ اُس کے علاوہ یہاں اگر آرام بھی ہے تو اسی میں ہے۔

اے بسا عیش کا زنجیر خدا دادہ کنی | کار خود گر بخدا باز گزاری حافظ

علم قرات میں اپنے زمانہ میں نظیر نہ رکھتے تھے اور بہت خوش الحانی سے قرآن پڑھتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ شب جمعہ کو مسجد شیراز میں پھرتے رہتے تھے۔ اور رات بھر میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ اگر چہ صوفی مذہب تھے لیکن کسی کے مرید نہ تھے۔ امیر تیمور نے چاہا تھا کہ میرے وقائع تاریخ کو اپنے قلم فصاحت سے تحریر کریں آزادی طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ جبکہ امیر تیمور شیراز میں آیا خواجہ حافظ سے بھی ملاقات کی۔ لباس خاکساری میں زمین پر بیٹھے تھے۔ امیر نے بطریقِ ظرافت کہا کہ آپ کا مطلع غزل کا میں نے سنا ہے

اگر آپ ترک شیرازی بدست آرد دل مارا | بہ خال ہندویش مجھ شمشیر سمرقند و بخارا

دولت شاہ
ہفت تعلیم

فلورنٹ پیرین
دولت شاہی ایضاً

صد ہا شہر تباہ کر کے یس نے سمرقند و بخارا کو آباد کیا اور آپ نے انہیں ایک
خال پر بخش دیا۔ خواجہ حافظ نے اپنے پیٹھے کپڑوں کی طرف اشارہ کر کے
کہا کہ ایسی ہی فضول خرچیوں سے تو یہ حال ہو رہا ہے +
دیوان ان کا نصائح و حکمت سے مالا مال ہے۔ البتہ مضامین نصیحت کو
بھی لباس عشق میں کہا ہے ۷

نصیحت گوش کن جانان کہ از جاں دوست تزدارند
جو انان سعادت مند پسند پیر دانا را

لیکن فحش و ہزل بالکل نہیں۔ یہی سبب ہے کہ خاص و عام سب پسند کرتے
ہیں۔ عالمگیر نے پڑھنا پڑھانا اس کا بالکل مکتبوں سے موقوف کروادیا۔
لیکن باوجود اس کے ہر وقت اپنے سر ہانے رکھتا تھا۔ جب لوگوں نے پوچھا
تو جواب دیا کہ معافی اس کے سراسر حکمت و پسند ہیں لیکن عوام ظاہری معنوں میں
دھوکا کھاتے ہیں اس لئے یہی مناسب ہے۔ ان کے دیوان کو لسان الغیب
اور ترجمان الاسرار کہتے ہیں۔ اور اکثر جاہل و نادان اس میں نال بھی دیکھتے
ہیں اور مشہور کیا ہے کہ شاخ نبات ایک عورت پر خواجہ عاشق تھے چنانچہ
ہر وقت خال دیکھنے کے اس کی قسم دے کر کہتے ہیں کہ یا خواجہ حافظ تمہیں قسم
ہے شاخ نبات کی کہ ہمارے حصول مطلب سے ہیں صاف صاف خبر دیجئے۔
باوجودیکہ فارسی کتابوں میں بھی اس قسم کی خلاف عقل باتیں بہت ہوتی ہیں۔
لیکن کسی تاریخ یا تذکرہ سے یہ بات بالکل نہیں پائی جاتی +
حاکم بنگالہ نے ایک دفعہ انہیں طلب کیا تھا لیکن شیراز نہ چھٹ سکا۔
حسب فرمایش اس کے غزل لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے ۷

شکر شکن ثنود ہمد طویان ہند | زیر قند پارسی کہ بنگالہ میرود

آخر ۹۱ھ میں شہر شیراز میں فوت ہوئے اور ایک سبزہ زار میں جس کا نام

مرات الخیال

نجات

مصلے ہے اور اُس میں نہر کرنا باد جاری ہے دفن ہوئے۔ خاکِ مصلے
سے تیار بخ بھی نکلی ہے ۛ

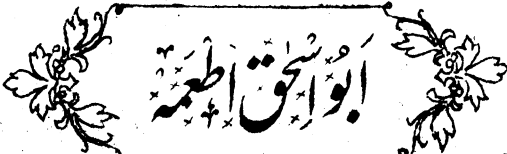
بعضے لوگ کہتے ہیں کہ یہ شیخ سعدی کے بھانجے تھے یہ بھی غلط محض ہے۔
سوائے دیوان کے کہ زبان فارسی کی فصاحت کا دریا ہے کوئی اور نمونہ استعداد
علمی کا نہیں دیکھا گیا۔ ان کے کلام کی خوبی اور مضمون کی لطافت کیا بیان کیجاؤ
کہ وہ خود شعرا کے واسطے ایک مضمون جدا گانہ ہو گئی ہے چنانچہ اسی واسطے اندراج
ان کے اشعار پسندیدہ کا ملتوی رکھ کر ایک شعر پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ کسی شاعر نے کہا ہے

ایلاک حسن خدا داد و لبرام کہ سراپا | چو شعر حافظ شیراز انتخاب ندارد

عزل

در دیر مغاں آمد یارم قد حے دروست در نعل سندا و شکل میر نوپیدا از بہر چہ گویم ہست از خود خرم چون نیست شمع دل سازان شبست چو او بر خاست گر غالیہ خوشبو شد در گیسوے او پیچید	مت از مے و میخواراں از زگر کش مت وز قہر بلند او بالاے صنوبر پست وز بہر چہ گویم نیست با و نظرم چوں ہست افغان ز نظر بازان بخت چو او نبشت ور سر مرہ کما کش شد در ابروے او پیوست
---	---

باز آئے کہ باز آید عمر شدہ حافظ
ہر چند کہ ناید باز تیرے کہ بشد ازشت



جمال الدین نام کنیت ابو اسحق تھی اسی کو تخفیف کر کے اشعار میں بجائے
تخلص کے داخل کرتا ہے۔ کوئی شعر اس کا کھانے کے ذکر سے خالی نہیں ایک
دیوان نام و کمال اسی التزام سے مرتب کیا ہے۔ نام اُس کا مکثیر الاشہا تھا۔ اکثر

منتخب

خان آرزو
دولت شاہی

غزلیں حافظ کی غزلوں پر کہی ہیں اور اس کے مصرع اپنی غزل میں داخل کئے کہ دونوں کا
 طعنت دو چند ہو گیا۔ سب لوگ اس ظرافت کو پسند کرتے ہیں۔ اکثر رسالے بھی ایسی مضمون
 کے تصنیف کئے۔ سعدی نے مناظرہ جنگ کے ہتیاروں کا لکھا تھا۔ اس نے
 کھانوں کو لڑایا ہے۔ سبب اس ایجاد کا یہ ہے کہ حکام میں سے ایک شخص کی بھوک
 بند ہو گئی تھی۔ اس صاحب طبع نے بھوک کھلنے کے لئے یہ ماضیہ کا نسخہ نکالا۔ ڈاڑھی
 اس کی ایسی دراز تھی کہ حد سے زیادہ۔ صورت دیکھنے سے سہمی آتی تھی اسکندر
 ابن عمر شیخ ابن تیمور کو اس کا کلام بہت پسند تھا اور اس پر بہت عنایت کرتا تھا۔
 ایک دفعہ کئی دن کے بعد دربار میں آیا۔ شہزادے نے پوچھا کہ بسحق کئی دن بعد آیا
 کس کام میں تھا۔ عرض کی ایک دن روٹی دھنکنا ہوں تین دن ڈاڑھی میں سے
 پھٹکیاں پھٹتا ہوں اور یہ شعر پڑھا ہے

منع گس از پشک قندی کردن	از ریش حلاج پنہ برداشتن است
-------------------------	-----------------------------

دولت شاہی

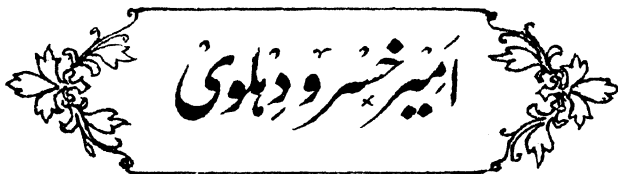
شہزادہ مذکور بہت جوانمرد و بہادر تھا۔ بعد تیمور کے فتوحات متواتر حاصل کیں اور
 چاہا کہ کل سلطنت زیر حکم کر کے حکومت شخصیت قائم کر لے۔ آخر شاہ رخ پسر تیمور نے
 شکست دے کر گرفتار کیا۔ گوہر شاد خاتون اپنی پھوپھی کے کہنے سے اندھا کر دیا کہ
 پھر فساد نہ کر سکے۔ دولت دنیا کی کیا بُری بلا ہے کہ آدمی کو اندھا کر دیتی ہے۔ نہ
 خدا کا خوف نہ بندوں کی شرم نہ خون کا جوش کچھ باقی نہیں رہتا۔ یہ حادثہ ۸۱۷ھ میں
 واقع ہوا ہے

اشعار منتخب

ہر آن ہر یہ کہ پیش از طلوع ٹہنا است کہے بجز ہر یک دانہ نخود برسد دگر گویے کہ ناں نوع و س سفری است نوشتہ است ز روغن بچہ پسرہ حبشی	ہو اٹھے آں بل ہر کہے وز و باد است کہ قفل حقہ گیپا یہ پاچہ بکشا است کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد است کہ ایں سیاہ ز مال مرغفر آرد است
---	--

من آن نیم که ز حلوا عسلان بگردانم بکار گاه قطایف که رشته می تابند	که ترک صحبت شیرین نگار فریاد است ز لفظ پسته شنیدم که روغن استاد است
حد چه میبری لے کا سه لیس برسحاق برنج زرد و غسل روز نئے خدا داد است	نیکو شش
به پیشیم گر سحر گاهان در آری صحن بفرار کباب آهوتے فریاد اگر داری غنیمت دال جمال تجرؤ بریان و حسن دُنبه فریاد چه آرائی بشک و زعفران رخسار پالوده	جوئے نیکو شش بخشم سحر قند و بخار را کنار آب رکنا باد گلگشت مصلی را چنان بردند صبر از دل که ترک کا خان بخار را برنگ و بو و خال خط چه حاجت سے زیارا
بگو بسحاق وصف خوشه انگور مشقالی که بر نظم تو افشاند فلک عقده شریارا	
میان ما و زعفر حجت ازلی است چو زمان و خرپزه بینی شهید کن خود را بدین قلیه شامی و ملت جشی	گواه شربت قند و عطاوت علی است که مرگهای چنین خوش دلیل دنده لی است نخود و کوفته کردن نشانه دلی است
نبود عالم و بسحاق این سخن می گفت کرمان گوشت قدیم است جمع لم یزلی است	
نئے گردم ز ذکر متلیه خالی سحر بر خیز از بهر هر رب درون دیگ داں خورشید شلغم	بفکر بو رستم در گل حالی و من طنب العلی سحر الیالی کان الشس فی جونت الیالی
چوازم سے درم مرغ سستن فما ادری بیینا عن شمالی	
ز بسکه فر نیم اندر ضمیر می آید بیار جوشن نان تنک که هر ساعت	ز مطبخ سخم بوس شیر می آید خیال رشته بدل بچونیر می آید

چو بوئے کلبہ برآید صباحِ عظم گفت	کہ برگزشت کہ بوئے عبیر سے آید
چہ خوردہ بسر سفرہ سخن بوسحاق	کہ گفتہ تو چنین دلپذیر سے آید
رگیا پڑاں سحر کہ سر کدہ واکند	آیا بود کہ گوشہ چشمتے باکند
چوں از درونِ خمر پڑہ واقف نشد کسے	ہر کس حکایتے بقصور چر اکند
مطبخ باز پیاز از جہت قیمہ خرید	تا دگر آب ز چشم کہ رواں خواہ بود
روزہ داری وقاعت ہوسم ہست ولے	چشمکے سے زنداں ترہ بربیاں کہ پیرس
کس بیالائے مزرعہ کند آتش ترش	کہ چنانم من ازیں کردہ شہماں کہ پیرس
ہر زمان کہ دریابی نانِ گرم و بورانی	وقت را غنیمت دال آں قدر کہ توانی
خورد و رواقِ اندق چوں نوند بزدی	یاد آیدم مزرعہ و چرخ لا جوردی



امیر خسرو دہلوی

نام اس بادشاہ ملک سخن کا یمن الدین اور ابو الحسین - امیر تیمور کا ہوطن تھا
 سیف الدین محمود باپ اس کا چنگیز خاں کے زمانے میں شہر کش سے بھاگ کر
 ہند میں آیا - چونکہ قبیلہ لاچین کے رؤسا میں سے تھا جو قرشی کے پاس رہتے ہیں -
 لہٰذا بیٹے کش کہ جس کو اب شہر بنز کہتے ہیں *

رسالہ خسرو
و مقلح التواریخ

اس واسطے ناصر الدین محمود ابن شمس الدین التمش بادشاہ دہلی نے ارکان دربار میں داخل کیا۔ غیاث الدین بلبن کی طرف سے چند روز سندھو بڑے پنجاب کی پائی۔ وہ قضاے الہی سے ایک لڑائی میں مارا گیا۔ خسرو اُس وقت ۹ یا ۷ برس کا تھا۔ خسرو کا بڑا بھائی یا نانا اُس کا بجائے اُس کے نوکری بادشاہی بجالاتا تھا اور اس کی پرورش بھی کرتا تھا۔ اہل تصوف کی کتابوں میں اُس خیال کے لوگوں نے بہت سی باتیں لکھی ہیں۔ پیدا ہوتے ہی باپ نے اسے قنذاق کیا۔ اور اُس زمانہ کے ایک ولی مشہور تھے اُن کے پاس لے گیا۔ اُنہوں نے دُور سے دیکھتے ہی کہا کہ تو صاحب کمال کو لئے آتا ہے کہ جو خاقانی سے کئی تیر آگے بڑھ کر قدم مارے گا۔ سلطان نظام الدین اولیا کے دل میں ان کی گرئی کلام کا ایسا اثر ہوتا تھا کہ اشعار سن کر مزے لیتے تھے اور کہتے تھے الہی اس ترک بچے کے سوز دل کا واسطہ میرے گناہ بخش دے۔ ان کے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب بچپن میں ان کے کپڑے بدلتے تھے تو بدن کے کپڑوں میں سینے کے مقام پر ایسا سیاہ داغ پڑ جاتا تھا جیسے جلے ہوئے کا نشان ہوتا ہے۔ خیر ان باتوں کو تصدیق کریں یا نہ کریں مگر ان تاثیروں پر کلام ان کا گواہی دیتا ہے جب بڑا ہوا اپنے باپ کے عہدے پر قائم ہوا۔ اُس کا نانا ۱۳۰ برس کی عمر میں مرا۔ اسپر نگر صاحب کہتے ہیں کہ حسن اپنے ایک دوست کی معرفت خسرو شاہزادہ محمد سلطان ابن غیاث الدین بلبن کے دربار میں ملازم ہوا۔ حسن کو دوات داری کی اور خسرو کو قرآن داری کی خدمت تھی۔ اگرچہ خسرو علم فاضلانہ یا طبع حکیمانہ نہ رکھتا تھا لیکن نیکو کاری اور بے آزاری کو اپنا دستور العمل کیا تھا۔ عبادت اور ریاضت کے ساتھ مذہب صوفیانہ اور بے تنصب رکھتا تھا۔ شاعری میں ایک نازک خیال اور صاحب اختراع کم پیدا ہوا ہے۔ بہت سے صنائع و بدائع میں خود لے قصبہ پٹیالی میں کہ آب گنگ کے کنارہ ہے وہاں پیدا ہوئے۔

صاحبِ ایجاد ہے۔ شاہِ نظام الدین اولیا کا مرید خاص تھا۔ وہ بھی اس سے محبت بے حد رکھتے تھے۔ اپنی ہر تصنیف میں کچھ نہ کچھ اُن کی تعریف ضرور کرتا ہے۔ قصاید اس کے خاقانی و انوری سے مرتبہ میں کم نہیں بلکہ صنائع و بدائع تجنیس و ابہام وغیرہ میں متقدمین پر فائق ہے *

مثال قصیدہ

دایم آرزو کہ حکایت کنیم بات	لالہ غلام روے تو صد برگ زیر بات
چوں برہمن بدیدِ بخِ خوبت لے صنم	ز تارِ راگست لکد ز دبرِ ولات

غزل نہایت شیریں کہتا ہے ۵

خسرو سرت اندر ساغر معنی برنجیت	شیرہ از خجانیہ مستی کہ در شیراز بود
--------------------------------	-------------------------------------

دیوان اُس کا ایک لاکھ تیس ہزار بیت ہے۔ وہ خود کہتا ہے کہ اشعار میرے ۴ لاکھ سے زیادہ اور ۵ لاکھ سے کم ہیں۔ اعجازِ خسروی شریں ایسی کتاب لکھی ہے کہ اسمِ بامستے ہے۔ خمسۂ نظامی پر خمسہ لکھا ہے اور ایسا کہا ہے کہ دولتِ شاہ وغیرہ تمام سخندان اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ بایسفر امیر تیمور کے پوتے کی بھی یہی رائے تھی۔ دیباچہ سلطان علاؤ الدین کے نام پر ہے اور کل دو برس میں لکھا ہے۔ خوبی اُس کی کیا بیان کی جاوے خسرو خود کہتا ہے ۵

و بد بے خسرو ہمیشہ بلند	زلزلہ در گورِ نظامی فگند
-------------------------	--------------------------

خمسہ میں اول مطلع الانوار ہے۔ مطلع اُس کا یہ ہے ۵

خطبۂ قدس است بکلمۂ قدیم	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
-------------------------	--

اور سنہ تصنیف اور تعدادِ ابیات ان اشعار سے معلوم ہوتی ہے ۵

در ہمہ بیت آوری اندر شمار	سی صد و دہ ہر شمر و سہ ہزار
سال کہ از چرخِ کهن گشتہ بود	از بیس شصت و نو دہ ہشت بود
صنع کہ خورشیدِ جنابش فوٹ	مطلع انوار خطا بشش نوشت

شد بدو ہفتہ مر کامل تمام	از اثر اختر گرد و خسر ام
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو ہفتہ میں یہ کتاب لکھی ہے * ۲۔ شیرین خسرو کا آغاز ۵	
بمعراج یقینم راہ بنما	خداوند ادم را چشم بکشا
بعد ازاں ایک جگہ دیباچہ میں کہتا ہے ۵	
کہ نامش کردہ ام شیرین خسرو ز ہجرت ششصد و ہشت و سال ۶۹۸ چهار لک و چہارست و صد و بیست ۴۱۲۴	پس از کلکم چکیدہ شہرت نو در آغاز زجب فرخ شداں فال و گر پرسی کہ بیش را عدد چیست
۳۔ یلی مجنوں (آغاز) ۵	
عقل از تو شدہ خرنیہ پرداز یلی مجنوں بعکس اول سالش نو داشت و شصد و ہشت ۶۹۸ جملہ دو ہزار صد و شصت	اے دادہ بدل خرنیہ راز نامش کہ زغیب شد سچل تا یرخ ز ہجرت انچہ بگذشت بیش بشمار راستی ہست
۴۔ آئینہ سکندری (آغاز) ۵	
ازل تا ابد بادشاہی تراست	جہاں بادشاہ خدائی تراست
۱۹۴ صفحہ فی ۳۸ بیت *	
۵۔ ہشت بہشت ۵	
سہ صد و پنچہ و دو و سہ ہزار ۳۳۵۲ کیں بنا بر دوسرہ چرخ کبود ۷۰۱	ہمہ بیش بعرض گاہ شمار سال ہجرت یکے و مہصد بود
کہتے ہیں کہ گلستان پر بھی شکستگان کی تھی لیکن اُسے رواج نہ دیا۔ دیوان اپنا بلحاظ اپنی تمام عمر کے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ تحفۃ الصغر۔ وسط الجوۃ۔ غرۃ الکمال۔ بقیۃ نقیۃ۔ اس کے علاوہ اعجاز خسروی۔ نقد الفتوح وغیرہ۔	

خوشگو کہتا ہے کہ ۹۹ کتابیں اُس کی تصنیف ہیں اُن میں سے نہ سپہرِ تباہِ دہلی سافَتِ ہند خزانِ الفتوح چند رسالے علمِ موسیقی میں ہیں۔ بعض خالقِ باری کو بھی اُسی کی تصنیف سمجھتے ہیں۔ تباہِ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ ہزار چار شعر اُس کے ایک جگہ پائے گئے اُس میں تخلص اُس کا سلطانی ہے۔ سلطان محمد عرب قانِ ملک جسے خانِ شہید بھی کہتے ہیں۔ غیاث الدین بلبن بادشاہِ دہلی و پنجاب وغیرہ کا بیٹا تھا اور باپ کی طرف سے لاہور و ملتان سے لیکر ٹھٹہ تک اور کنارہ دریاے شوز تک ملک اُس کے زیرِ حکم تھا۔ نانار ترک کہ جن میں اُس وقت تک بھی اسلام نہیں پہنچا تھا۔ اور کفارِ مغول مشہور تھے اپنی قدیمی عادت کے بموجب اکثر ہندوستان میں لوٹ مار کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایتمِ مغول ۳۰ ہزار آدمی کی جمعیت لے کر آیا اور راوی سے اتر کر قندہء عظیم ملک میں ڈال دیا۔ لاہور کے حاکم نے قانِ ملک کو عرضی لکھی۔ اتفاقاً دربار میں پڑھنے والے نے ۳۰ ہزار کو ۳ ہزار پڑھا۔ شاہزادہ اسی سامان سے فوج لے کر آیا اور راوی کے پار اتر کر باغِ سریر کے پاس ایک بڑے گاؤں کو پشت پر رکھ کر لڑائی شروع کی۔ خلاصہ یہ کہ انجام کو خود مارا گیا اور نامِ فوج تباہ ہو گئی۔ اس موقع پر کہ امیر خسرو بھی ندیوں میں داخل تھا۔ اور شاہزادہ کے ساتھ جنگ میں شریک تھا خود لکھتا ہے کہ ایک ترک کے نوکر کی بیگار میں پکڑا گیا۔ چنانچہ لشکر کے ساتھ گھوڑوں کے تو بڑے اور جھول اٹھا کر چلنا پڑتا تھا جان بچ گئی یہی غنیمت ہے۔ اس حال کو اور اُس وقت کی مصیبت کو نعرۃ الکمال کے دیباچہ میں اُس نے عجب لطف سے لکھا ہے چنانچہ کہتا ہے

من کہ بر سرِ نہادِ گل	بار بر سرِ نہادِ گل
-----------------------	---------------------

(دریاے جہلم کے پار کے ملک میں چل یعنی برو کی جگہ محل کہتے ہیں)۔ فی الحقیقت بادشاہ کا مارا جانا اور قتل عام اور شہروں کی بربادی خلقت کی تباہی عجب قیامت کا وقت ہوگا۔ اکثر لوگوں نے نظم اور شعر میں مرثیے کہے۔ امیر خسرو نے بھی ترکیبِ بند

کے طور پر دو مرثیے لکھے ہیں کہ جن کے دیکھنے سے اب تک بدن پر رو نگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ دہلی میں جب یہ مرثیے پہنچے تو مہینوں تک انہیں کوچہ و بازار میں لوگ پڑھتے تھے اور اپنے مردوں کے حال پر روتے تھے۔ یہ واقعہ ۸۴۴ھ ہجری میں ہوا۔ اسی شاہزادہ نے شیخ سعدی کو بھی بلایا تھا (دیکھو ذکر سعدی کا) اور خسرو کا یہ شعر بھی لکھ کر بھیجا تھا ۵

دوبادام سیہر سو میفکن در نظر بازی | نگہداشت کہ روزے برتر تا یونہم اندازی

غرض کہ وہ خسرو ملک کمال - شاہزادہ ناصر الدین محمود التمش - غیاث الدین بلبن - معز الدین کیفباد - جلال الدین خلجی - علاؤ الدین خلجی - قطب الدین مبارک شاہ - تغلق کے دربار میں رہا اور ہر جگہ معزز رہا۔ ایک دفعہ تغلق اُسے اپنے ساتھ لکھنؤ کی تخت گاہ بنگال میں لے گیا جب وہاں سے پھر کر آیا تو سلطان نظام الدین کا انتقال ہو گیا تھا کپڑے پھاڑ ڈالے اور اُن کی قبر پر جا کر خوب رویا اور خاک پر لوٹا اور فقیر ہو کر وہیں بیٹھ رہا۔ آخر بعد چھ مہینے کے ۸۵۲ھ ہجری میں فوت ہوا۔ چونکہ اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے کہ ۸۵۶ھ ہجری میں عمر اُس کی ۵۴ برس کی تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۸۵۱ھ ہجری میں ناصر الدین محمود کے عہد میں پیدا ہوا۔ اور ۵۴ برس کی عمر میں مر گیا۔ عدیم المثال اور طوطی شکر مقال تاریخ فوت اُسکی ہے۔ تذکرہ دولت شاہی میں ۸۵۱ھ ہجری لکھتے ہیں اور یہ غلط ہے۔ ۸۹۷ھ ہجری عہد بابر میں مہدی خواجہ نام ایک شخص کہ بابر کا داماد تھا بلکہ پہلے پہلے وزیر مملکت کا یہی ارادہ تھا کہ بجائے ہمایوں کے اس کو تخت نشین کرے مگر جب اُسے معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ میرا ہی دشمن ہے تب اس ارادے سے باز رہا۔ غرض مہدی خواجہ نے قبر پر جالی دار دیواریں پتھر کی بنوائیں کہ اب تک موجود ہیں۔ اور بابر نے اشعار تاریخ وغیرہ کندہ کرائے۔ ۸۵۶ھ ہجری عہد جہانگیر میں ظہیر بیگ نام کسی امیر نے اُس پر عارت و گنبد سنگ مرمر کا بنوایا۔ مخفی نہ رہے کہ امیر خسرو

علم موسیقی میں مہارت کُلّی رکھتے تھے۔ کئی رسالے اس فن میں اُن کی تصنیف سے ہیں۔ نثرانہ انہیں کا ایجاد ہے۔ دکن کی طرف سے ایک بڑا کلاؤنت آیا کہ تمام راجاؤں اور بادشاہوں کے گوئیوں سے سرور بار مباحثہ کرایا تھا جب دربار شاہ دہلی میں پہنچا۔ پہلے دن خسرو سامنے نہ آیا اور تخت کے نیچے چھپ کر اُس کا گانا سنا۔ چونکہ راگ مذہب ہنود میں داخل عبادت ہے۔ اُس زمانہ تک دھڑپد اور خیال اور مضمون وحدانیت و معرفت کے راگ میں کہتے تھے ٹپہ ٹھمری غزل و ابیات عشق و محبت کی بات اس میں نہ تھی۔ پس امیر خسرو نے دوسرے دن قول ایجاد کر کے گایا۔ اُس میں مضمون عشق الہی کا اور ایک ٹکڑا آیت یاحدث کا بھی ہوتا ہے۔ چونکہ عشق کے نام کو تاثیر ہے اس واسطے خاص و عام کو پسند آیا۔ کلاؤنت نے ازراہ فخر ظاہر کیا کہ ہمارے راگ سے تم شاعروں کے کلام کی رونق اور تاثیر زیادہ ہوتی ہے اور بغیر راگ کے کلام ناتمام رہتا ہے۔ امیر خسرو نے کہا کہ اگر کلام ہمارا نہ ہو تو بے تلفظ کے تمہارا راگ بالکل چل نہیں سکتا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ کلام محتاج راگ کا نہیں اور برخلاف اس کے راگ محتاج کلام کا ہے۔ بہار کے موسم میں بسنت کا میلہ جو دہلی میں ہوتا ہے وہ بھی درحقیقت انہیں سے نکلا ہے۔ کہتے ہیں کہ سلطان نظام الدین اولیا کا ایک بھانجا تھا اُسے وہ بہت چاہتے تھے اتفاقاً مر گیا۔ اُس کا انہیں اس قدر رنج ہوا کہ گانا سنا اور لطف خوشی کی ساری باتیں چھوڑ دیں۔ اس میں موسم بہار آیا۔ ایک دن امیر خسرو دربار کی برخاست کے بعد معمول کے بموجب ان کی طرف چلے۔ اُس دن ابر تھا۔ رستہ میں لالہ و گل کے چمن کھلے ہوئے کھیتوں میں سرسوں پھولی ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک ایک پھول رنگ برنگ کا لینا شروع کیا کہ ایک گلہ سنبہ بن گیا۔ اس میں جہاں اور سب پھول تھے ایک گچھا سرسوں کے پھولوں کا بھی تھا بلکہ ایک گیہوں کی بال بھی تھی۔ غرض اس کیفیت کے عالم میں کچھ گاتے ہوئے چلے۔ جب پاس پہنچے

تو انہیں بھی آواز گئی اور یہ اندر جا کر چپ ہو گئے۔ مگر وقت کا سماں ایسا بندھا تھا کہ انہیں یہ آواز سن کر وجد کا عالم طاری ہوا اور خود فرمایا کہ خسرو کیا گانا تھا۔ انہوں نے پھر شروع کر دیا اور اُس دن سے وہ جو بندش کی آن بھی ٹوٹ گئی۔ پھر لوگوں نے معمول باندھ لیا کہ جب بہار آتی تو ایک دن سب کلاؤنت اور گوئیے جمع ہو کر ہجر کرتے تھے۔ بعد اس کے یہ سیلا مقرر ہو گیا۔ اور بہار راگ کو بھی دیکھو تو جس طرح اس گلدستہ میں گلہائے رنگا رنگ یہاں تک کہ سرسوں کے پھول اور گیہوں کی بال تک موجود تھی اسی طرح اس میں ہر وقت اور ہر موسم کے راگوں کے سر موجود ہیں۔ چنانچہ وہ رسم اب تک چلی آتی ہے کہ دلی میں ہر برس جب بہار کی آمد ہوتی ہے تو سب کلاؤنت اور گوئیے ڈوم پنچایت کر کے ایک دن مقرر کرتے ہیں اور اس کی خاص عام کو بھی خبر کر دیتے ہیں اُس دن سب بن سنور کر اپنے اپنے ساز و سامان لئے پھولوں کے گلدستے ماتھوں میں اور شیرینی وغیرہ لے کر گاتے بجاتے ہوئے جس درگاہ پر جانے کا دن مقرر ہوتا ہے وہاں جاتے ہیں۔ گلدستے شیرینی چڑھا دیتے ہیں۔ پہلے خود کلاؤنت ڈوم تھوڑی دیر تک کھڑے ہوئے گاتے ہیں پھر بیٹھ جاتے ہیں۔ بعد ان کے طوائف جو حاضر ہوتی ہیں وہ ناچتی گاتی ہیں۔ ہزاروں آدمیوں کا انبوه ہو جاتا ہے۔ شام کو سب اپنے اپنے گھر چلے آتے ہیں۔ اگرچہ یہ سیلا ڈوم ڈھاڑیوں نے مقرر کیا ہے مگر اسکے دن بھی ایک سلسلہ سے مقرر کئے ہیں۔ یعنی پہلے دن خدا کے ہاں بسنت جاتی ہے اور پہاڑوں پر بولی بھٹاری کے محل ایک جلے مقرر تھی وہاں سب جاتے ہیں۔ دوسرے دن حضرت نبی کریم یعنی قدم شریف تیسرے دن حضرت شاہ مردان۔ چوتھے دن سلطان نظام الدین اولیا۔ بعد ان کے اور مزار جو نامی گرامی تھے وہاں جاتے ہیں۔ اس کے لطائف ظرائف اگر لکھے جائیں تو ایک ٹی کتاب بنتی ہے لطیفہ۔ ایک دن سلطان نظام الدین کے ہاں کوئی عقل کے دلی ہمان آئے بعد طعام رات کو بیٹھے اور باتیں شروع ہوئیں۔ امیر خسرو بھی دربار سے وہیں آئے

تھے آکر شامل جلسہ ہوئے۔ مہمان مذکور نے جو ان با اخلاق مہماں نوازوں کو منوجہ دیکھا تو ایسا باتوں کا بھاڑ باندھا کہ تارکیں ٹوٹے ہی نہیں۔ سلطان نظام الدین بار بار تقریر کو خاتمہ پر لائے اور قصہ مختصر کیا۔ مگر وہ شخص مطلق نہ سمجھا۔ رات بہت گئی وق ہو گئے انگڑائیاں بھی آئیں جائیاں بھی دکھائیں پر اُس اللہ کے ولی نے ذرا خیال نہ کیا۔ یہاں تک کہ آدھی رات کی نوبت نہ بچنے لگی۔ سلطان نظام الدین نے امیر خسرو سے ہنس کر کہا کہ خسرو! نوبت میں کیا آواز آتی ہے۔ یہ بھی سمجھ گئے۔ کہا پیر و مرشد۔ یہی آواز آتی ہے :-

نان کہ خوردی خانہ برو
نان کہ خوردی خانہ برو

نان کہ خوردی خانہ برو
نہ کہ بدست تو کردم خانہ گرو

نقل۔ ایک دن امیر خسرو شاہ نظام الدین اپنے مرشد کے ساتھ بازار میں چلے جاتے تھے۔ دُھنیا روٹی دُھنک رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ خسرو! یہ دُھنکی میں کیا کتنا ہے۔ عرض کی حضرت یہی کتنا ہے :-

در پئے جاناں جاں ہم رفت۔ در پئے جاناں جاں ہم رفت
ایہم رفت و آن ہم رفت۔ رفت او رفت او رفتن وہ -
رفت او رفت او رفتن وہ ♣

نقل۔ امیر خسرو جس محلہ میں رہتے تھے وہاں بازار کے سرے پر ایک بھنگیڑن بیٹھتی تھی۔ ان کے لئے بھی اکثر سر راہ حقہ لے کر کھڑی ہو جاتی تھی۔ ایک دن اُس نے کہا کہ قربان جاؤں سب کے لئے شعر کہتے ہو میرے نام کا بھی تو کوئی شعر کہو۔ انہوں نے کہا کہ اچھا کمد ونگا۔ وہ اسی طرح روز تقاضا کیا کرتی۔ ایک دن ان کا گزر ہوا تو وہ حقہ لیکر دوڑی اور حقہ پلاتے میں پھر کہا۔ انہوں نے کہا :-

اوروں کی چوہری باجے چتو کی اٹھ پہری
چھان چھون صاف کرے اور کھے حمیر تو سَل
باہر کا کوئی آتا ناہیں آتے ہیں سارے شہری
اور دیکھی میں سینک سارے چتو کی میں موہل

لطیفہ - ایک دفعہ امیر خسرو سفر میں تھے - جنگل میں چلتے چلتے پیاس لگی - سامنے سے ایک گاؤں نظر آیا - اُس میں چلے گئے - دیکھیں تو کوئیں پر چار پنہاریاں پانی بھر رہی ہیں - اتفاقاً چاروں چھل باز اور ہنس مکھ تھیں پوچھا کہ میاں مسافر تمہارا نام کیا ہے - انہوں نے کہا کہ خسرو - نام کے سنتے ہی سب اچھل پڑیں کیونکہ ہندوستان میں ایسی عورت کون ہوگی جسے دو چار گیت خسرو کے یاد نہ ہوں - اب تک ”جو پیا آؤں کہہ گئے“ برسات کا گیت مشہور ہے - غرض کہ ایک ایک نے شعر کی فرمائش کی اور کہا کہ پہلے شعر سناؤ جیسی پانی پلائی گئے - یہ مارے پیاس کے گھبرائے ہوئے تھے - ہر چند سمجھا یا مگر اُن بلیوں نے ایک نہ مانی - آخر ہر ایک سے پوچھا کہ کس کس مضمون کا شعر کہو اتنی ہر ایک نے کہا کھیر کا - دوسری نے کہا چرنے کا - تیسری نے کہا گتے کا - چوتھی نے کہا - ڈھول کا - امیر خسرو نے اُسی وقت کہا اور ان کی ہی سمجھوں کے بموجب کیا خوب کہا کہ :-

لاؤ پانی	کھیر پکاٹی جتن سے اور چرخا دیا جلا آیا گتہا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا	
غرض قول اور نثر ان کے بنائے ہوئے آج تک مشہور ہیں اور نظم شعر میں ایسے ایسے لطافت اور رنگینیاں نکالی ہیں کہ خاص عام پسند کرتے ہیں رباعی		
دیم بلب آب زن ہندوئے فریاد برآورد کہ دُر دُر موئے	رفتم تماشاے کنارِ جوئے گفتم ضما بہاے ہر مویت چیت	
چیتا نین فارسی میں اور پہیلیاں اُردو میں ان کا ایجاد ہے - چیتا نین :-		
بریاں چو جان عاشقاں جاناں بگو ایں چیتاں	رنگش چو رنگ زعفران پا دارد و پر ہم بداں	یعنی پا پڑ
	پہیلی ہندی	

بڑا ہوا تو کام نہ آیا بوجھو ارتھ یا چھاڈو گاؤں	بالا تھا تو سب کو بھایا میں لے دیا اُس کا ناؤں
دیگر	
ساون بھادوں بہت ہی اور ماہ پوس میں فھوری امیر خسرو یوں کہیں کہ بوجھ پہ پہیلی موری	
مکرنی خاص ایجاد ان کا ہے شرح اُس کی اس مثال سے واضح ہوگی۔ مکرنی	
باٹ چلت مورا انچرا گئے اب موہے اُسکے جھگڑا جھٹا	سیری مٹنے نہ اپنی کسے اے سکھی ساجن نا سکھی کاٹا
نصیحت	
بیانِ بخشش و اسراف ہست تفرقہ اگر بطبعِ کرم مے کنی بداندک سخاست	بگویم ارشنوی لیک از سر انصاف وگر نہ بہر نکو گفت مرداں اسراف
گر ت بگفتن بد جا لے کشاد زبانی گر آہنچنائی کو گیدت ز راست چرخش	
تو زان حدیث بدو گفت بے فروغ چرخ در آں نہ تو کہ ادگفتہ از دروغ چرخ	مرد را تا بلا و رنج ندید تا نشد سفتہ گوہر از الماس
غزل	
تا جدار آنے کہ فتح قلعہ دیں کردہ اند پاک بازان سر کوٹے خراباں فنا جلوہ فرما دیں کہ غیرت آن خسرواں آہوٹے چیں را جگر در نافہ سودا بخشت	اتماس ہمت از دلہائے سکیں کردہ اند در مقام سرفرازی سنگ بالیں کردہ اند نام خود نقش نگین لعل شیریں کردہ اند تا حدیثِ سنبل زلف تو در چیں کردہ اند

زادہاں تسبیح میگویند خسرو نام دوست
ذکر ہر کس آچنناں باشد کہ تلقین کردہ اند

مولانا شہاب الدین معانی نے اس کی تالیف کی اور خود کھدوا کر لگائی ہے

میر خسرو خسرو ملک سخن نشر او دلکش تر از ماءِ بین بلبل دشتاں سراپے بے قرین از پئے تالیخ سالِ فوتِ او	آن محیط فضل و دریائے کمال نظم اوصافی تر از آبِ زلال طوطی شکر مقالِ بے مثال چوں نہادم سر برانوسے خیال
--	---

شد عیدم التل یک تالیخ آن
دیگرے شد طوطی شکر مقال

بد اوئی کہتا ہے کہ امیر خسرو کا بیٹا بھی شاعر ہوا۔ مگر دیوان دیکھنے میں نہیں آیا۔
سنتے ہیں کہ ۹ ۱۰ ہزار شعر کا دیوان ہے۔ بلکہ کچھ شعر زبانی بھی سُنتے
میں نہیں آئے۔ البتہ ظہیر کے شعروں پر جو اعتراض کئے اور اصلاحیں
دی ہیں وہ مشہور ہیں۔ سچ ہے صاحب کمال کا بیٹا صاحب کمال نہیں ہوتا۔

نور الدین نجم الدین جامی عرف مولوی جامی

اصلی نام عماد الدین اور نسب خاندانی امام محمد شاگرد امام ابو حنیفہ سے
ملتا ہے۔ ۲۴ شعبان ۷۷۱ ہجری میں موضع جرمد علاقہ جام میں پیدا ہوئے
اس واسطے جامی تخلص کیا اور ہرات میں پرورش پائی۔ ابتدائے سن میں تحصیل علم
میں مشغول ہوئے اور اُس زمانہ کے علوم مروجہ میں کامل ہوئے۔ شاعری کا شوق
کیا اور زور علم سے اُسے بھی انتہا کو پہنچایا۔ قصیدہ و مثنوی و رباعی و غزل وغیرہ

مرات الخصال و
دولت شاہی

نظم و شرب طح کا کلام ان کا موجود ہے۔ جب فقیری پر مائل ہوئے۔ شیخ سعد الدین کا شعری کے مرید ہوئے۔ ریاضت و عبادت سخت اختیار کی۔ زہد و پرہیزگاری نیک اخلاقی و خوش اطواری سے عظمت اور کرامت حاصل کی۔ حج کو گئے۔ اور آداب المحرمین اس حال میں تصنیف کی۔ کلام ان کا اکثر مقبول خلافت ہوا چنانچہ یوسف زلیخا سے ظاہر ہے۔ ناظم ہروی ایک شاعر نامی نے بھی ایک زلیخا لکھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی کتاب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے لیکن یہ خدا کی قدرت کہ اس نے رواج پایا اس کی کتاب کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ مگر بہ نسبت یہاں کے ترکستان میں اس کا رواج زیادہ ہے۔ سلطان حسین بایقر اور سلطان ابوسعید گورگانی کا عہد سلطنت انہوں نے پایا اور ہمیشہ شاہ اور شاہزادوں کی مجلسوں میں عزت و احترام سے طلب ہوتے تھے۔

فوائد ضیائیہ یعنی شرح مآل علم نحو میں نہایت مشہور اور مروج کتاب ہے۔ فن متا میں ان کے برابر کوئی صاحب کمال نہیں ہوا چنانچہ اس میں بھی چند رسالے موجود ہیں۔ آیہ یا حدیث یا عربی فقرہ کو اپنے فارسی شعروں میں بہت فصاحت سے تصنیف کرتے ہیں ۵

شد برق ہوئے چہ نمت زلف شب آسا	سبحان قدیراً جعل اللیل لباساً
-------------------------------	-------------------------------

دیگر

گس بیک جانید نطن و ہما	جزدو زلف تو دامن ظلمنا
------------------------	------------------------

اور اشعار آئندہ سے مفصل معلوم ہوگا۔ ان کے تین دیوان ہیں :-

اول - فاتحۃ الشباب - جس میں ۲۷۰ صفحہ غزلیں۔ ۹۰ صفحہ قصاید۔

اور ۷۰ رباعیاں اور کچھ ترجیع بند ہیں۔ سر دیوان پر جو دیا جا رہے ابتدا اس کی یہ ہے ۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم	اعظم اسماءے علیم و حکیم
------------------------	-------------------------

۲۔ واسطۃ العقد کی ۱۰ ہزار بیت جن میں قریب ۷۰۰ کے ربا عیات اور کچھ ترجیع بند۔ اُس وقت ۷۰ برس کی عمر تھی اور یہ ۸۸۵ میں مرتب ہوا۔
 ۳۔ خاتمۃ الحیوة - ۱۳۴ صفحہ ۱۹ سطر - آخر میں کچھ ربا عیات۔
 یہ ۹۹۷ء میں ترتیب ہوا *

خمسۃ نظامی پر سبحة الاحرار زلیخا لیلی مجنوں تحفة الاحرار
 خردنامہ اسکندر می کو یکجا کر کے خمسہ لکھا۔ سلسلۃ الذہب حدیقۃ سنائی
 کے جواب میں اور سلیمان و ابسال کو اُن پر زیادہ کر کے ہفت اور نگ نام
 رکھا۔ شاعر مذکور اپنی ہر ایک کتاب منظوم کے بلکہ دیوان کے اول میں بھی
 دیباچہ نشر کا ضرور لکھتا ہے۔ گلستان پر بہارستان لکھی عبارت فصیح اور مضامین
 عالی ہیں۔ لیکن اس عالم متبحر کے نظم سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زورِ علم اور چہیز ہے
 اور طبیعتِ خدا داد اور چہیز ہے۔ نفحات الانس صوفیانِ بزرگ کے احوال میں
 ایک تاریخ مفصل لکھی ہے۔ غرض اسی طرح نفحات الانس۔ نقد الفصوص۔ اشۃ اللعنا
 شرح فصوص الحکم۔ شرح لما۔ رسالہ عروض۔ شرح قصیدہ ابن فارض۔ شرح بیت امیر خسرو۔
 ترجمہ چہل حدیث۔ شواہد النبوة۔ مناقب مولوی خواجہ انصار۔ شرح رسالہ مناسک حج۔
 فتوح الحرمین۔ آداب الحرمین جو حالت حج اور زیارت مدینہ میں لکھی۔ نظم اس رسالہ
 کی فصیح و بلیغ ہے۔ اُس میں دونو مقاموں کے حالات تاریخی ضمناً بیان کئے ہیں۔
 رسالہ عروض۔ رسالہ نافیہ۔ رسالہ موسیقی۔ رسالہ معنیٰ مستے بہ کبیر و متوسط و صغیر۔
 رسالہ منظومہ و اصغر در معنیٰ۔ منشآت و مکاتبات۔ نقد النفوس۔ رسالہ طریق صوفیان۔
 شرح ربا عیات۔ شرح بیتین از شہنوی مولوی روم۔ لوائح۔ شرح حدیث ابی ذر غفلی۔
 سخنان خواجہ پارسا۔ رسالہ تحقیق مذہب صوفی و متکلم و حکیم۔ رسالہ فی تحقیق الوجود۔
 رسالہ سوال و جواب ہندوستان۔ رسالہ لا الہ الا اللہ۔ شرح بعضے از مفتاح النیب
 منشور و منظوم۔ تفسیر ناتمام۔ رسالہ صرف و منطق۔ حلیۃ الحلل۔ شرح قصیدہ بردہ منظوم

از آتشکدہ

وغیرہ ۹۹ کتاب ان کی تصنیفات ہے۔ نصائح اور تہذیب اخلاق ان کے تصوف اور اکثر حدیث کے پیرایہ میں ہوتے ہیں۔ ان کی کثرت تصانیف کو دیکھ کر خیال آتا ہے کہ کیا نیت نیک اور قابل مادہ تھا کہ جس پر اثر علم کا پورا ہوا۔ تمام عمر تصنیف اور تالیف میں مصروف رہے۔ کمال سے اصل مقصد یہی سمجھا کہ خیر خواہیِ خلافت اور نام نیک حاصل ہو۔ نہ حرص و طمع غالب ہوئی نہ طبیعتِ عالی دنیا کے منصبوں کی طالب ہوئی۔ باوجود اس علم و کمال کے اور خوبی حال و مقال کے خوش طبع بھی تھے۔ ساغری مختص ایک شخص ایک شاعر ان کے زمانہ میں تھا اور کہتا تھا کہ سب شاعر میرے مضمون چڑا چڑا کر باندھتے ہیں۔ یہ سن کر مولوی جامی نے بھی یہ کہا۔ قطعہ:-

ساغری میگفت دزدان معانی بردہ اند	ہر کجا در شعر من یک معنی خوش دیدہ اند
دیدم اکثر شعر بایش رایکے معنی نداشت	راست میگفت ایکہ معنی ہاش دیدہ اند

ساغری نے یہ سن کر ان سے شکایت کی کہ آپ میرے شعروں کو بے معنی کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے تو ایک شاعر کی حکایت بیان کی ہے۔ کسی نے غلطی سے تمہارے سامنے شاعر کو ساغر پڑھ دیا ہو گا۔ اس قسم کے لطائف و ظرائف ان کے بہت ہیں۔ امیر خسرو کا ایک شعر ہے :-

گر مر شود بڑا و ستارہ شود بڑی	باخوان نعمت تو کند کے برابری
-------------------------------	------------------------------

چونکہ بڑا اور بڑی ہندوستان کے گھانوں میں سے ہیں۔ جب یہ شعر وہاں پہنچا تو جامی نے جانا کہ یہ کوئی معما ہے اس کی شرح میں ۹ جزو کا رسالہ لکھا۔ بہت سی صورتیں قیاسی اور معانی وہی لکھے ہیں کہ جن کے دیکھنے سے تعجب آتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح سے غیر زبان میں جب ہم مداخلت کرتے ہونگے تو اصل زبان دانوں کے آگے ٹھوکریں کھاتے ہونگے لیکن بعد تمام تقریرات کے لکھا ہے کہ عجیب نہیں ہندوستان میں شاید بڑا بڑی کسی کھانے کا نام بھی ہو۔ اس جگہ سے رسائی ذہن اور سلامتی طبع مصنف کی معلوم ہو سکتی ہے۔ غرض سلطان ابوسعید اور شاہ سلطان حسین

ہفت اعلیٰ

کا زمانہ سلطنتِ عزت اور قدر و منزلت سے بسر کیا آخر ۸۱ برس کی عمر میں فوت ہوئے کاپس کے عدد سے اُن کی عمر کے برس معلوم ہوتے ہیں کہ زبانِ عربی میں بمعنی جام ہے - ہجرتِ روزِ ماہِ عاشورہ - اور - وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا تاریخِ وفات ہے - چند اشعار اُن کے نمونہ کے طور پر لکھے جاتے ہیں :-

حمد

اے صفاتِ تو نماں در ترق و حدت ذات ماگز تبارِ جہات از تو نشاں چوں یابیم اے ندائے تو در افتاد و صدائے بھرم مشرَبِ عشق کجا چاشنیِ در و کجا	جلوہِ گزوات تو در پردہِ اسما و صفات اے سراپردہِ اجلالِ تو بیرونِ زہات خاست صد نعرۂ لبیک ز اہلِ عرفات آں یکے تلخ اُجاج آمدہ دایں عذب فرات
--	---

مردِ جامی بسرِ تربت او بنویسد
ہذہ مرند من حل بہ العشق فمات

بکعبہ رفتم و زانجا ہوائے کوئے تو کردم شعارِ کعبہ چو دیدم سیاہ دستِ تمنا چو حلقہ در کعبہ بصد نیازِ گرفتار نہادہ خلقِ حرم سوئے کعبہ روئے ارادت	جمالِ کعبہ تماشا بیا دروئے تو کردم دراز جانبِ شعر سیاہ موئے تو کردم دُعائے حلقہ گیسوئے شکبُوئے تو کردم من از میانِ ہمہ روئے دل سوئے تو کردم
---	--

فتادہ اہلِ مینا در پئے مینا و مقاصد
چو جامی از ہمہ فارغ من آرزوئے تو کردم



عرفی شیرازی

نام اس شاعر رنگین کا محمد جمال الدین اور وطن شیراز تھا۔ آغاز شباب میں ہندوستان ملک دکن میں آیا۔ وہاں کامیاب نہ ہوا اس واسطے اگر وہیں آکر حکیم ابوالفتح گیلانی رکن دربار اکبری سے ملا۔ وہ صاحب نظر جو ہر قابل دیکھ کر رعایت و سلوک سے پیش آیا۔ اُس کی تعریف میں عرفی نے قصاید و اشعار کہہ کر شہرت حاصل کی۔ جب وہ مر گیا تو عبدالرحیم خانخاناں سپہ سالار اکبر کی قدردانی سے فارغ البال رہا۔ اُس کی تعریف میں جو ساقی نامہ اور قصائد غزل لکھے اُس سے زیادہ تر شہرت ہوئی۔ بادشاہ کے دربار میں طلب ہوا۔ لیکن ابوالفضل اور فیضی دربار شاہی کے ایسے دو خیل تھے کہ کسی صاحب کمال کا گزارہ نہ ہو سکتا تھا۔ اس واسطے خاطر خواہ رشد نہ پاسکا۔ وہ سر دربار اس پر طعن و تعریفیں کرتے تھے۔ اور یہ بھی ایسے جواب ملتے دندان شکن دیتا تھا کہ تمام اہل دربار محظوظ ہوتے تھے۔ چونکہ مذہب اُس کا شیعہ تھا پہلے دن جب باریاب دربار ہوا۔ ایک بھائی نے پوچھا کہ آقا در مذہب شما سگ حلال است۔ عرفی نے عمداً ٹال دیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے بھائی نے پھر پوچھا کہ در مذہب شما زناغ حلال است۔ اُس نے پھر کچھ جواب نہ دیا۔ چونکہ اکبر بھی ان کی بلفضولیوں کو پسند کرتا تھا۔ اُس نے خود کہا کہ سوال اینہارا جواب نہ اید۔ اُس نے کہا قبلۂ عالم چہ عرض کنم حاجت جواب نیست ظاہر است کہ ہر دو گوہ میخورند۔ ایک دن عرفی فیضی کی ملاقات کو گیا۔ فیضی کو گتوں کا بہت شوق تھا اور ہر وقت چند گتے اُس کے گرد پیش بیٹھے رہتے تھے۔ جیسے کہ رسم ہندوستان کی ہے۔ اُس نے پیار سے لیک گتے کو مٹا کر کہے

خطاب کیا۔ عربی نے کہا کہ اس صاحب زادہ چہ نام دارد۔ فیضی نے کہا کہ برائے سگ نام چہ باشد خود عربی است۔ عربی نے ہنس کر کہا مبارک باشد۔ کیونکہ شیخ مبارک باپ فیضی کا تھا۔ غرض کہ دیوان غزلیات اس کا مختصر اور کم مشہور ہے۔ دیوان قصاید تحصیل زبان فارسی کے لئے داخل تعلیم ہے اور خاص عام میں مشہور ہے۔ بعض قصاید مثل ترجمۃ الشوق وغیرہ ایسے عالی درجہ پر واقع ہوئے ہیں کہ ظہوری وغیرہ اکثر شعراے نامی نے ان پر طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن نہیں پہنچ سکے۔ شاہزادہ سلیم یعنی جہانگیر سے بہت محبت رکھتا تھا۔ ایک قصیدہ جو اکبر کی تعریف میں کہا ہے اس میں بھی اس کی تعریف پر رجوع کی ہے۔ آخر حاسدوں نے اسے زہر دلوادیا۔ لشکر شاہی کے ساتھ پیشاور کے قریب ۹۹۹ ہجری میں ۲۴ یا ۲۵ برس کی عمر میں مرض اسہال سے وفات پائی۔ فیضی جس وقت کہ عیادت کو گیا وقت اخیر یعنی قریب الموت تھا۔ پس اس نظر سے کہ دیکھے ہوش و حواس عربی کے قائم ہیں یا نہیں اس سے پوچھا کہ مالکیانیم یعنی تم پہچانتے ہو ہم کون ہیں۔ عربی نے اسی وقت مسکرا کر کہا کہ حالامریخ روحم شوق پرواز دارد رُو بہ مالکیان نے آرد +

نقل التواریخ

اکثر اہل تاریخ کہتے ہیں کہ عربی خود پسند اور دعویٰ کمال کا بہت ظاہر کرتا تھا یہی سبب ہوا کہ جیسا کمال تھا ویسا مرتبہ نہ پایا۔ اور ابوالفضل بھی آئین اکبری میں شعرا کے ذکر میں اس کا اشارہ کرتا ہے +

اس کی تصنیف کے باب میں ایک امر واجب الاظہار ہے کہ اہل ہند اس کے نہایت مداح و ثنا خواں ہیں اور قصاید اس کے درس میں داخل ہیں لیکن اہل ولایت سے جو تحقیق کیا گیا تو انہوں نے بیان کیا کہ اس میں شک نہیں کہ کلام اس کا رنگین ہے اور استعارات باریک ہیں۔ لیکن قصیدہ میں یہ طرز جو اس نے اختیار کی ہے خلاف اصول ہے۔ اس میں پیروی خاقانی و انوری کی لازم ہے۔

یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ عرفی اُس سے عاجز تھا۔ لیکن اُس نے ہند میں آکر اہل ہند کی طبیعت کو اس طرف راعب دیکھا اس واسطے یہی طرز اختیار کی۔ وہ کہتے ہیں کہ تمام قصاید میں دو قصیدے اس کے خوب ہیں۔ اول قصیدہ ترجمۃ الشوق جبکہ مطلع ہے

جہاں بگشتم و دروایہج شہر و دیار	نیافتم کہ فروشنده بخت در بازار
---------------------------------	--------------------------------

اور دوسرے قصیدہ کا مطلع ہے ۵

ایں بارگاہ کیست کہ گویند بے ہرکس	کائے اوج عرش سطح حقیض تمام اس
----------------------------------	-------------------------------

صاحب آتش کہہ صاف اُس کے کلام کو برا کہتا ہے اور ناپسند کرتا ہے۔ اور اس پر سنا چند شعر شنوی کے درج کئے ہیں +
سید قریش نے اس قصیدہ کا جواب بطریق طعن کے لکھا ہے اور سلسلہ سخن کو ہزل میں ڈال دیا ہے چنانچہ اُس کا مطلع ہے ۵

ز مخلصی چونباشد بدست یک دینار	چہ سود اگر بفروشنده بخت در بازار
-------------------------------	----------------------------------

یہ صاف اثر حسد اور رشک کا ہے +

چونکہ قصاید اُس کے خاص و عام میں حد سے زیادہ مشہور ہیں اس واسطے ایک رباعی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ رباعی :-

عرفی دم نزع است وہاں سستی تو	آخر بچہ مایہ بار بر بستی تو
فردا ست کہ دوست نقد فردوس کعب	جو یائے شناع است و تہید سستی تو

قصیدہ ترجمۃ الشوق میں اُس نے اپنے حسن اعتقاد سے کہا تھا ۵

بکاوش مرثہ از گورتا بخت بروم	اگر بہ ہند ہلاکم کنی و گر بہ تار
------------------------------	----------------------------------

جب مر گیا تو لاہور میں مدفون ہوا۔ ایک شخص کا باپ عرفی کے پہلو میں مدفون تھا وہ اُس کے دھوکے میں عرفی کے استخوان بوسیدہ نکال کر بخت اشرف کو لے گیا۔ رونقی شاعر نے شعر مذکورہ بالا سے وہاں تاریخ نکالی ۵

رقم زدا پئے تاریخ رونقی کلکم	بکاوش مرثہ از گورتا بخت آمد
------------------------------	-----------------------------

اور اُس کے دشمنوں نے اشعث طاع تاریخ نکالی ہے۔ اُس کی غزلوں کے اشعار کے لکھنے کو دفتر چاہتے ہیں مگر ایک شعر جسے سرخوش کہتا ہے کہ میاں ناہر کو عرفی کا یہ شعر پسند تھا وہ بھی درج ہوتا ہے ۵

من ازیں در و گران یہ چلنت یام	کہ باندازہ آں صبر و ثباتم داوند
-------------------------------	---------------------------------

ملک الشعر ابو الفیض فیضی فیاضی

یہ صاحب کمال ابو الفضل کا بڑا بھائی تھا۔ ۵۵۴ ہجری میں پیدا ہوا۔ علوم عقلی و نقلی میں مرتبہ اعلیٰ کو پہنچا۔ بارہ ہزار کتاب اُس کے کتب خانہ میں موجود تھیں۔ سالہا سال تک برہمن بن کر کاشی میں علم شائستری حاصل کیا۔ جب استاد پر حال کھل تو اُس نے نصیحت کی کہ کاشتری منتر اور چار بید کا فارسی میں ترجمہ نہ کرے۔ چنانچہ فیضی نے اُس پر عمل کیا۔ اگرچہ ہر علم میں دستگاہ کامل تھی۔ لیکن زبان عربی اور علم حکمت کا بہت شوق تھا۔ ۵۹۹ ہجری میں سواطع اللہ نام تفسیر قرآن تمام و کمال بے نقط لکھی۔ میر حیدر معانی نے تاریخ اُس کی سورۃ قل ھو اللہ سے نکالی اور دس ہزار روپیہ انعام ملے۔ علم اخلاق میں بزبان عربی ایک کتاب موارد الکلم لکھی وہ بھی بے نقط ہے۔ مہابھارت اور بھگوت تاریخ مغبرۃ ہنود اور یللاوتی حساب کا ترجمہ کیا۔ یللاوتی کے اول میں جو رباعی لکھی چونکہ طرز جدید ہے لہذا شعر اول لکھا جاتا ہے ۵

اول ز ثنائے بادشاہی گویم	ونگہ ز ستایشش الہی گویم
ایں عقدہ سر بستہ ز ہم کبشایم	ایں نکتہ بر جستنہ کماہی گویم

باوجود اس علم اور فضیلت کے نہایت طبع رنگین اور فکر موزوں رکھتا تھا کہ نہ

ہفت اعلیٰ

اُس وقت میں ایسا شاعر بے مثل تھا نہ آج تک ایسا جامع الکمالات پیدا ہوا طبیعت اُس کی شگفتگی میں بے مثل تھی ہمیشہ حاضر اور ہر وقت شگفتہ خاطر۔ شعر اُس کا نہایت صاف اور فصیح ہوتا ہے۔ فیضی کو اوّل روز جب اکبر کے سامنے لائے۔ بادشاہ جس جگہ بیٹھا تھا گرد کٹھرا جا لیدار چاندی کا تھا۔ فیضی کو باہر کھڑا کیا۔ اُس نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھا۔

پادشاہ درون پنجرہ ام	از سر لطف خود مرا جاوہ
زانکہ من طوطی شکر خایم	جائے طوطی درون پنجرہ بہ

بادشاہ کو یہ اشعار بہر محل اُس کے پسند آئے۔ روز بروز ترقی ہونے لگی۔ سلاطین تیموریہ میں عہد اکبر میں اوّل غزالی مشہدی کو خطاب ملک الشعرائی ملا۔ مگر جب وہ مر گیا تو ۲۳ سالہ طوسی میں فیضی ملک الشعرا ہوا۔ آخر عمر میں فیاضی تخلص کرتا تھا۔ اُس کی قوتِ حافظہ اور ذہن کے باب میں لوگ ایسی باتیں کہتے ہیں کہ عقل میں نہیں آتی۔ جو شاعر کوئی قصیدہ یا کتاب تصنیف کر کے دربار شاہی میں سنا تا فیضی اُسی وقت کہتا تھا کہ اس شخص نے سرقہ کیا ہے یہ تصنیف میری ہے اور اکثر اشعار اور مقامات اُس کے ایک دفعہ کے سُننے میں حفظ پڑھ کر سنا دیتا تھا۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ بسبب ان کے کمال ذاتی کے اور تقرب شاہی کے کوئی عالم فاضل شاعر دربار میں ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ ابو الفضل کے ساتھ فیضی کی طبعِ حکمت پسند کو بھی پابندیِ مذہب کی گوارا نہ تھی۔ البتہ دنیا کی مصلحت سے دونو بھائی جو مناسب وقت دیکھتے تھے سو کہہ دیتے تھے اور ساتھ اپنے اکبر کو بھی سرگردان کرتے تھے۔ چنانچہ جب علمائے نصارا ممالکِ فرنگ سے آئے تو انجیل اور توریت کا ترجمہ پایا۔ اکبر شروع کیا۔ مصرعِ اول اسکے آغاز کا ابو الفضل نے یہ کہا۔

یہ کہا۔	اے نامے تو ٹرٹو کر شتو	فیضی نے
---------	------------------------	---------

لے بدادنی ظن سے کہتا ہے کہ اس تخلص کا اختیار کرنا مبارک نہ ہوا کیونکہ دوسرے ہی جیسے مر گیا۔

سُبْحَانَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ هُوَ	فی البدیہہ یہ کہا:-
ایک جگہ اپنے قصیدے میں کہتا ہے ۵	
آئینہ باسکندر و باکبر آفتاب اِس مے کند مشاہدہ حق در آفتاب	قسمت نگر کہ در غور ہر جوہرے عطاست او مے کند معائنہ خود در آئینہ
رباعی	
از جہت شائشہ و الاپداست اِس نکتہ ز بیتا اساپداست	نوریکہ ز مہر عالم آراپداست اکبر کہ بافتاب دار و نسبت
اس کے علاوہ جہاں اکبر کی تعریف کرتا ہے پیغمبر سے بھی بالاتر لے جاتا ہے چنانچہ اشعار اکبر نامہ منظومہ ناتمام و دیگر تصنیفات سے ظاہر ہے۔ ایک قصیدہ میں کہتا ہے ۵	
شاعر خاص جلال الدین محمد اکبر حالیا من در سخن گوئی از شیریں تر ام من بداحی اکبر شاہ جاں می پرورم گر دریں مئے دروغے گفتہ باشم کا فرم	شکر ایزد را کہ مداح شہ مجرورم بود اگر در ہند خسر و طوطی شکر شکن او اگر پروردہ لطیف محمد شاہ بود بود اکبر را محمد بندہ فرماں پذیر
کشمیر کے قلعہ کے دروازے پر جو تاریخ قلعہ کی کندہ ہے اُس کا پہلا شعر ہے ۵	
تَعَالٰی شَانُهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ	شہ شایان عالم شاہ اکبر
اہل دربار میں بجائے سلام علیک اللہ اکبر اور بجائے علیکم السلام جل جلالہ قرار پایا تھا۔ اس میں لطیفہ یہ تھا کہ نام بادشاہ کا جلال الدین اکبر شاہ تھا۔ بعض روپیوں میں بجائے سک کے دو نو طرف یہی مسکوک ہے۔ ابو الفضل اپنی ہر تصنیف کے عنوان پر بجائے بسم اللہ کے اللہ اکبر لکھتا تھا۔ ان لغویات کی اگر تفصیل لکھی جائے تو انتہا نہیں۔ عبدالقادر بدایونی (مسلمان عالم دیندار مترجم اور مولف اکبر شاہی تھا) نے اپنی خلاصۃ التواریخ میں بہت کچھ	

لکھا ہے اور اس پر کہتا ہے کہ ان لوگوں کی بے دینی اور بد مذہبی کا حال میں
 لکھ نہیں سکتا۔ اس کے نظم کو کہتا ہے کہ الفاظ کی استخوان بندی اچھی ہے۔ درد
 اور اثر سے خالی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ان کی حسن لیاقت اور ترقی اقبال کا رشک
 لوگوں کو جلاتا تھا اور بہانہ سے بُرا کہوتا تھا۔ ورنہ وہ زمانہ اس قسم کا تھا کہ لوگ عجیب
 غریب حرکتیں کرتے تھے۔ قاضی خاں بدخشی قاضی القضاۃ نے سجدہ بادشاہ کے
 لئے نکالا اور اس کا جائز ہونا ثابت کیا۔ اور ملا عالم کا بلی ہمیشہ اس امر کی حسرت
 ظاہر کیا کرتا تھا کہ کاش یہ مضمون مجھے سوچھتا۔ علیٰ ہذا القیاس سینکڑوں باتیں
 ہیں کہ جن کی تفصیل کو دفتر کار ہیں۔ پھر ان غریبوں سے اتنی سخت گیری سے
 کیا حاصل۔ فیضی کی ایک انشائے مختصر دیکھی گئی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ
 تعلیم و تربیت شاہزادوں کی بھی اس کے سپرد رہی تھی اور خاتمہ مرکز ادوار سے
 بھی (جو کہ ابوالفضل نے لکھا ہے) یہ اشارہ پایا جاتا ہے۔ بحسب حکم بادشاہ
 کے خمسہ نظامی پر خمسہ لکھنا شروع کیا۔ مخزن اسرار پر۔ مرکز ادوار۔ شیریں خسرو
 پر۔ بلقیس سلیمان۔ لیلیٰ مجنوں پر۔ نمدن۔ ہفت پیکر پر۔ ہفت کشور۔
 سکندر نامہ پر۔ اکبر نامہ۔ قرار پایا۔ ۹۹۱ ہجری میں حسب الحکم لاہور میں حاضر
 ہوا۔ پہلے نمدن کو تمام کیا۔ یہ کتاب نزاکت مضامین اور فصاحت کلام میں
 بے مثل ہے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ راجہ بکر ماجیت کے زمانہ میں کالید اس
 نام ایک شاعر ہوا ہے۔ اگرچہ بے علم تھا لیکن نہایت فصیح تھا۔ اُس نے نوکتابیں
 بطور افسانہ نظم میں لکھی ہیں۔ ایک اُن میں سے نل دونتی ہے۔ اگرچہ فیضی صاف
 نہیں کہتا کہ اُسی کا ترجمہ میں نے کیا۔ لیکن بعض مقاموں میں سے اشارہ پایا جاتا ہے۔
 نمدن اور مرکز ادوار تمام و کمال رائج ہے باقی نا تمام رہیں۔ چند جزو اکبر نامہ کے
 بھی دیکھے گئے۔ نہایت پاکیزہ کلام ہے۔ چنانچہ جب اکبر نے آگرہ سے احمد آباد
 گجرات پر یلغار کی ہے اُس مقام کے دو شعر زبانی یاد ہیں بطریق نمونہ لکھے

جاتے ہیں۔

بیک ہفتہ تا احمد آباد رفت	تو گوئی کہ بر مرکب باد رفت
یلاں بر شتر ز کُش اندر کمر	شتر چوں شتر مرغ در زیر پر

بیماری ضیق النفس سے جب فیضی قریب الموت ہوا تو بادشاہ مع شاہزادوں کے خود عیادت کو آیا۔ اُس وقت فیضی نے یہ رباعی پڑھی۔ رباعی

دیدم کہ فلک بن چہ نیزنگی کرد	مرغ دلم از نفس شب آہنگی کرد
آں سینہ کہ عالمے دروے گنجید	تا نیم نفس بر آورم تنگی کرد

۶۔ صفر ۷۰۷ھ ہجری میں بحر بچاہ سالہ فیضی مر گیا +

عبدالقادر بدائونی منتخب التواریخ میں لکھتا ہے کہ فیضی چھ مہینے تک بیمار رہا۔ امراض متضادہ میں مبتلا ہو گیا تھا ضیق النفس۔ استسقا۔ ورم دست و پا خون کا استفراغ۔ جس وقت مرنے لگا تو آدھی رات کا وقت تھا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ اُسی وقت آیا۔ اُس کا سر گودیں لے کر بیٹھا اور تین دفعہ پکارا کہ شیخ جی شیخ جی ہم حکیم علی کو لے کر آئے ہیں بات کیوں نہیں کرتے۔ کچھ جواب نہ دیا۔ بہت پکارا اور بیقرار ہو کر دشنا رزین پر پھینک دی۔ مگر وہ آپ میں کہاں تھا کہ جواب دینا۔ آخر بادشاہ ابو الفضل کو تسلی دے کر گیا اور فیضی مر گیا۔ یہ رباعی

حقیقت میں اُسی کے حسب حال ہے۔ رباعی

افسوس کہ گلِ خاکن پوش شدند	وز خاطر ہمدگر فراموش شدند
آنانکہ بصد زباں سخن سے گفتند	آما چہ شنیدند کہ خاموش شدند

ابو الفضل نے اُس کے کلام کو ترتیب دینا چاہا۔ معلوم ہوا کہ اُس عالی دماغ نے پچاس ہزار شعر اپنے خود ناپسند کر کے دیر بآورد کر دئے باقی جو کچھ دستیاب ہوئے۔

کلیات غزلیات مع قصاید ۲۰ ہزار شعر ہیں۔ مجموعہ نظم و نثر قصاید و غزلیات پچاس ہزار سبب شمار میں آئے۔ مرکز ادوار کے مسودات پریشان نہیں کاغذات

خانہ مرکز ادوار

حرر کر صاحب

میں سے نکلے جو کہ بیماری میں اُس کے زیر دست رہتے تھے۔ ابو الفضل نے اُسے مرتب کیا ہے۔ تاثیر سخن و کیفیت کلام اور مضامین دنیا و فناء دنیا و دل و روح و قلم و حکم و تمیز و غیرہ کے باب میں خیالات نہایت لطیف اور دلچسپ سوزوں کے ہیں۔ فی الحقیقت خزن اسرار کا جواب باصواب ہے۔ اکبر نے اُس کا نام مرآت القلوب رکھا تھا۔ باقی تین کتابیں مذکورہ بالا نام تمام رہیں۔ قصاید اُس کے اعلیٰ پایۂ بلاغت پر ہیں۔ غزلیات وغیرہ اول درجہ فصاحت پر نہایت صاف اور عام فہم۔ دیوان مروج ۱۵ ہزار بیت کا ہے۔ چند حکایتیں کتاب گلستان و بوستان پر لکھی تھیں مگر نام تمام رہیں۔ بعض اشعار بطریق شستہ نمونہ از خرد وار لکھے جاتے ہیں :-

غزل

تا چند دل بعشۂ خواہاں گرو کنم	این دل بسوزم و دل دیگر ز نو کنم
سر بر نزد زباغ وجودم گل نشاط	تا کہے ہوں بکارم حسرت درو کنم

فیضی کفم تہی ورہ عاشقی پریش
دیوان خود مگر بدو عالم گرو کنم

بودہ گر این چنیں سیہ چشم تو بر ہلاک ما
از پس مرگ عاشقاں سرمہ کنند خاک ما

غزل

ساقی جاں خیز کہ شد صبح عید	صبحا کہ اللہ بصبح جدید
رقص کناں کعبہ بہ پہلوئے من	از چہ کنم بیہدہ منزل بعید
جان من و سلسلہ زلف تو	عُلقتِ الروح بحبِ الورد
چشم تو بس کردہ زخویرِ خلق	غمرہ بفسر یاد کہ بل من عزیز
گر تو نداری سیرِ قربان من	میکنم از دست تو خود را شہید
بر دم تیغ تو قضا کردہ نقش	اَنَتِ حَدِیدُ کَلِّ بَاسُ شَدِیدُ

فیضی آزادہ اسیر توشہ
اَسْعَدَكَ اللهُ بِعَبْدِ بَعِيدِ

چیتان فیضی

چوں صدف یکتا درنا سفته دارد دریاں
افکند آن گوہرنا سفته از کف راں گال
پوشش بر موی پدید آورد و موبراستخاں

چیت آن فرج زمر و زنگ ناپیدا ہاں
جیرتے دارم کہ چوں آن برج بنگا گد کے
بدیع صورت چو ترکیب و جو دش نقش بست

ابو الفضل ابن شیخ مبارک

ابو الفضل اگرچہ فیضی سے عمر میں چھوٹا تھا۔ لیکن اقبال اور لیاقت میں اپنے بڑے بھائی بلکہ تمام اہل زمانہ سے افضل تھا۔ ایسے عالم فاضل مدبر اقبال منہ جامع الکملات بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ باوجود اس کمال اور رتبہ عالی کے خوش مزاج اور لطیفہ گو تھا۔ خود ہندی تھا مگر زبان فارسی میں دستگاہ عالی رکھتا تھا۔ علم کامل ذہن رسا۔ طبع رنگین و موزوں تھی۔ شعر بہت پڑھتا تھا مگر آپ کم کہتا تھا۔ لیکن یہ بھی اُس کی عقل صائب کی دلیل ہے کہ شاعری مروجہ پر متوجہ نہ ہوا۔ چنانچہ شاعری کو مرض روحانی لکھتا ہے۔ سب اہل تصنیف کہتے ہیں کہ فن انشا میں بے شل تھا اور تکلفات مروجہ سے بالکل احتراز رکھتا تھا۔ اس کی تصنیفات خصوصاً خطوط اور مراسلات کے دیکھنے سے حال اس کی پنخنگی تدبیر اور معاملہ فہمی اور دقیقہ شناسی کا معلوم ہوتا ہے۔ عبد اللہ ظاہر ابابک والی ترکستان اکبر کے مراسلات کو دیکھ کر کہتا تھا کہ اکبر کی تلوار سے تو میں نہیں ڈرتا۔ لیکن ابو الفضل کا قلم ہوش کھوئے دیتا ہے۔ اگرچہ اُس نے سیاحی

ہفت اقلیم

نہیں کی لیکن ساتھ لشکر شاہی کے تمام ملک دکن - اضلاع بنگال - وسط ہند - پنجاب - کشمیر - کابل - ٹھٹھہ یعنی علاقہ سندھ میں پھرا ہے - طبعیت اس کی بالکل حکیمانہ تھی اور خیالات مناسب موقع زمانہ کبھی اُن کو بہت شوکت و شان سے حکما کے طور پر ظاہر کرتا ہے اور کبھی لباس عرفان میں - وجہ اس کی یہ ہے کہ اہل حسد کی عداوت سے یہ دونو بھائی اور ان کا باپ سالہا سال خجوف جان آوارہ وطن رہے - جب اس کو بادشاہ کے مزاج میں دخل ہوا - تو اُسے ایسی راہ میں لا ڈالا کہ کسی مذہب کا پابند نہ رہا - اظہار یہ تھا کہ گروشتہ باتوں کی پیروی کرنی نارسائی عقل کی دلیل ہے - اس واسطے چاہئے کہ مذہب مذہب صلح کل قرار دیا جائے اور ہر امر کی خود تحقیقات کی جائے جب ہر شخص کو اپنا مذہب ثابت کرنا پڑا تو پھر کسی کو ان پر مجال اعتراض نہ رہی اکبر بھی ان کی صحبت کے سبب سے بے قید محض ہو گیا اور طبعیت میں استقلال نہ رہا - چنانچہ جب پادری لوگ کتب مقدسہ اور تصاویر حضرت عیسیٰؑ اور دیگر بزرگان سلف کی اس کے دربار میں لائے - اکبر اُن سے اس طرح پیش آیا کہ اُن کو یقین ہوا کہ عنقریب دین عیسوی اختیار کر لگا - لیکن جب ماں اکبر کی مرگئی تو اُس نے بھدرہ بھی کروایا - اس کے علاوہ صدہا رسمیں مذہب ہندو کی بھی جاری تھیں - اسی طرح جشن کرتے تھے - راکھی باندھتے تھے - دسہرہ کو باز ناتھ پر بٹھاتے تھے - اب تک بھی دہلی کے شہزادوں میں کسی کے ختنہ نہ ہوتے تھے - ۱۵

ہر ایک کلام ابوالفضل کا جب علیحدہ دیکھا جاتا ہے تو اُس جگہ پر اُس مذہب خاص میں نہایت صادق العمیدہ معلوم ہوتا ہے - لیکن حقیقت میں جو دیکھا جاتا ہے تو کہیں بھی نہیں - اسی واسطے اکثر مصنف اس کو دہریہ کہتے ہیں خصوصاً عبدالغادر بدایونی اور صاحب مرآۃ النجیال نہایت بُری طرح ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایسے لوگوں کا علاج سوا اے اس کے اور کچھ نہیں کہ تلوار سے

۱۵ ممکن ہے کہ اپنے سمدھیانے کو خوش کرنے کے لئے ایسا آئین بھی آئینی کتابوں میں لکھوا دیا ہو - ظاہر

ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ اصل اس کی یہ ہے کہ ایک شخص جو پانچویں پشت میں اس کا دادا تھا بن سے سیوستان میں آیا اور شیخ خضر اسکے دادا نے ہند میں آکر ناگور میں سکونت اختیار کی۔ ۹۱۱ھ میں شیخ مبارک بن ابوالفضل کا باپ پیدا ہوا۔ اُس نے ۱۴ برس کی عمر میں تحصیل سے فراغت پائی اور دریایک راہ سے دکن میں گیا۔ وہاں خطیب ابوالفضل کا زرائی شاگرد ملاجلال دوانی نے اُس کو بیٹا کیا اور شفا اور اشارات اور تذکرہ اور محیطی وغیرہ کتابیں پڑھائیں۔ وہاں سے آکر وہیں آیا اور دریائے جن کے کنارے پر سکونت اختیار کی۔ درس و تدریس کرتا تھا اور توکل پیشہ تھا۔ شیر شاہ - سلیم شاہ نے جاگیر دینی چاہی مگر اس نے منظور نہ کی۔ ۹۶۲ھ میں اکبر کے پہلے سال جلوس میں ایک سخت فحط پڑا اور ہیمو ڈھوسر نے بلوہ کیا۔ ۷ آدمی زن و مرد گھر میں تھے لیکن اس خوشی سے گزان کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کو تعجب ہوتا تھا۔ لوگ جانتے تھے یہ کیمیا گر ہیں۔ ابوالفضل اُس وقت پانچ برس کا تھا۔ بعض دن فقط سیر بھرانا جاتے آتا تھا۔ مٹی کی بانڈی میں اُسے اُباتے تھے اور وہی آب جوش اور دانے آپس میں بانٹ کھاتے تھے گویا روزی کا غم اُس گھر میں بالکل نہ تھا۔ سوائے عبادت اور سیر کتاب کے کچھ شغل نہ تھا۔ جب عالم بنی ہو۔ شیخ مبارک کا مدرسہ خوب گرم ہوا۔ علمائے مسجد نشین کو حسد نے زور کیا۔ اور دربار رس اہل علم کو اپنا فکر ہوا۔ مگر اسے بھی خیال کرنا چاہئے کہ شیخ مبارک آخر ابوالفضل کا باپ تھا۔ بعض مسائل بر خلاف علمائے وقت و کتب قدیم کے ظاہر کئے۔ اہل حسد تعصب پرستوں کو بہانہ ملے آیا۔ بادشاہ تک نوبت پہنچائی۔ مگر کبھی خود شیخ مبارک اور کبھی تحریرات مدلل اُس کی جب اکبر کے سامنے گئیں۔ سب لاجواب ہو گئے۔ ایک دن شیخ اپنے کسی دوست کے ہاں گیا۔ ابوالفضل بھی ساتھ تھا۔ وہاں کسی مسئلہ اختلافی میں تکرار ہوئی۔ اس کے دماغ میں تازہ

تحصیل کا زور بھرا تھا۔ دلائل زبردست سے ایسا سب کو بند کیا کہ لوگ اس کی کم سنی اور حسن تقریر پر دنگ رہ گئے۔ لیکن افسوس کہ بنیاد عداوت کی مستحکم ہوئی۔ شیخ اپنے بڑھاپے میں اور ابوالفضل جوش علم میں بے خبر تھے۔ دشمنوں کے ہکمانے سے ایک شاگرد رشید شیخ کا آدھی رات کو روتی صورت بنا کر آیا۔ فیضی سے کہا کہ سب عالم یہاں کے دشمن آپ کے ہیں اور انہیں کو دربار میں آج کل اختیار ہے۔ پس اُن کا ارادہ ہے کہ کل شیخ کو گرفتار کرا لیں۔ فیضی اُسی وقت باپ کے پاس آیا۔ باپ نے بڑے استقلال سے بیٹے کو تسلی دی۔ اور ابوالفضل کی رائے بھی یہی تھی۔ لیکن فیضی نے تلوار پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ دُنیا کے معاملات اور ہیں اور توکل اور فقری اور چیز ہے۔ اگر آپ نہیں چلتے تو میں اپنے تئیں ہلاک کرتا ہوں۔ اُسی وقت گھر سے بھاگے۔ ایک دست کے ہاں آئے مگر وہ بہت بے وفائی سے پیش آیا۔ ابوالفضل نے کہا کہ پھر گھر چلو۔ اگر ایسا موقع ہوا تو تقریر اور مباحثہ میرا ذمہ ہے۔ باپ کی رائے بھی یہی تھی لیکن فیضی نے نہ مانا اور کہا کہ تو ان معاملات کو نہیں جانتا۔ یہاں پیچھے گھر کی ضبطی ہوئی۔ چھوٹا بھائی گرفتار ہو کر دربار میں گیا۔ لیکن اکبر کی منصفی اور حرم ذاتی کے سبب سے رہا ہو گیا۔ تینوں باپ بیٹے برسوں حیران سرگردان رہے اور شہر بھر گاؤں گاؤں پھپھتے پھرے کہیں ٹھکانا نہ ملا۔ وہ تباہی اور دوستوں کی بے وفائی زمانہ کے انقلاب سے عبرت دلاتی ہے۔ اور اُس کم سنی میں ابوالفضل کی دانائی اور دور اندیشی اقبال کے آثار ظاہر کرتی ہے۔ اُس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود عمومی جمالت زمانہ کے اقبال خداداد نے اکبر کو کس قدر ملک کے جزو کل حالات سے آگاہ کر رکھا تھا۔ اُسی حال میں ان کے کسی دوست نے انہیں نہایت احتیاط سے چھپا رکھا تھا اور فیضی بھیس بدل کر فتح پور میں دربار شاہی کی خبر لینے آیا تھا۔ وہاں سنا کہ ارکان دربار میں سے کسی شخص نے بادشاہ کو

لے اگرچہ ابوالفضل نے نہیں لکھا مگر اور تاریخ میں ہے کہ وہ تین خاں کو کہ بادشاہ کا تھا۔

سمجھایا کہ یہ کیا قرب قیامت اور آخری دور ہے کہ ایسے ایسے عالم فاضل نفس بدستِ حسد مشربوں کی عداوت سے اس طح خانہ برباد اور تباہ پھرتے ہیں اور آپ خبر نہیں لیتے۔ آپ کی سرکار سے ہلاک خزانہ سے وظیفہ اُس نے نہیں کھایا پھر اُس کو عذاب میں کیوں گرفتار کر رکھا ہے۔ بادشاہ نے کہا میں کیا کروں سب نے اُن کے کفر پر فتوے لکھے ہیں اور میں یہاں تک جانتا ہوں کہ غلامی جگہ اب وہ موجود ہیں لیکن جان بوجھ کر نفاذ کرتا ہوں اور ہر ایک کو جواب دے دیتا ہوں۔ بہتر ہے کہ آج شیخ کو بھی بلاؤ اور سب عالم جمع ہوں تاکہ اس بات کا فیصلہ ہو جائے۔ فیضی کو بھی یہ خبر لگی۔ مٹنتے ہی بھاگا اور اُن کر باپ کو خبر دی۔ مثل ہے کہ مار گزیدہ رسی سے بھی ڈرتا ہے۔ یہ وہاں سے بھی فرار ہوئے۔ چند روز پریشان رہے۔ آخر جان سے سیر ہو کر آگرہ میں آئے ایک دوست کے گھر میں چھپ کر بیٹھے اور ادھر ادھر کا غذ کے گھوڑے دوڑانے لگے۔ غرض دوست آشنا تدبیرات مناسب سے دربار میں لے گئے اور وہ بلا سر سے ٹل گئی۔ شیخ مبارک چونکہ ابوالفضل سے ایک خاص ہوا نقت طبعیت کی رکھتا تھا اس لئے اُسے ساتھ لے کر دلی گیا۔ اس عرصہ میں تقدیر نے یاوری کی۔ پہلے فیضی پھر ابوالفضل ۲۴ برس کی عمر ۹۱ جلوسی میں دربار میں پہنچا۔ اول میرٹھی بعد ازاں وزیر اعظم ہو کر بادشاہ کے مزاج میں ایسا دخل پیدا کیا کہ تمام ارکانِ دولت اور شاہزادے رشک کرتے تھے۔ اُس نے عہد کیا تھا کہ جن لوگوں نے شیر شاہ اور ہمایوں اور ابتدا سے عہد اکبری میں خبثِ طینت حضورِ رسی کے سبب سے اُسے ایذا میں پہنچائی تھیں اور جان اور مال سے لیکر ننگ و ناموس اور خانہ بربادی تک کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا تھا اُن سے بدلہ لے لے گا۔ لیکن شیخ نے واسطے سزا دہانی بدخواہوں کے بہت نصیحتیں کیں۔ اس واسطے بادشاہ کے سامنے اُن کے غبن اور فساد اور بے لیاقتی کے سب حالات اصلِ اصل بیان

کئے کہ دشمن خود بخود سزا کو پہنچے ۝

عبدالنبی صدر اور مخدوم الملک جو بہشت اور دوزخ تک کے قبضے کے دعوے باندھے بیٹھے تھے غبن اور رشوتوں میں ایسے ذلیل ہوئے کہ سوائے حج کے دوسرا رستہ نہ ملا ان کے گھروں میں بڑی بڑی قبریں بنی ہوئی تھیں۔ کہتے تھے کہ بزرگوں کے مزار ہیں مگر جب انہیں کھدوایا تو فقط سونے کی انیٹیں اُس میں سے نکلیں۔ آخر عمر میں شیخ مبارک نے درس تدریس چھوڑ دی تھی مگر علم الہیات میں تصنیفات جاری تھیں۔ آخر سلسلہ ہجری میں لاہور میں مر گیا۔ عبدالقادر بدایونی اس کا شاگرد تھا۔ لکھتا ہے کہ شیخ ہر علم میں فضیلت کا مرتبہ رکھتا تھا اور عالمِ مہرِ داں جس کو کہتے ہیں شیخ مبارک کے سوا دیکھنے میں نہیں آیا۔ مگر اس کے خیالات سے رنجیدہ معلوم ہوتا ہے۔ ہاں کچھ الفاظ بد نہیں کہتا۔ غالباً شاگردی کی رعایت سے ہو گا ۝

ابوالفضل لکھتا ہے کہ میں ۵۸۹ھ ہجری میں پیدا ہوا۔ ۱۲ - ۱۳ مہینے کا تھا جو باتیں کرنے لگا۔ پانچ برس کا تھا کہ پڑھنے بیٹھا۔ ۱۵ برس کی عمر میں تحصیل سے فارغ ہوا۔ علومِ درسی سے اکثر دل اُچاٹ رہتا تھا۔ باپ نے ہر علم میں ایک ایک رسالہ مختصر تصنیف کر کے یاد کروایا۔ لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ دل ہی دل میں اعتراض سوچتے تھے مگر ادا نہ کر سکتا تھا۔ چند روز کے بعد ایک شخص سے دوستی ہوئی اُس کے سبب سے خود بخود طبیعت بدل گئی اور پڑھنے کا شوق ہوا۔ جس کتاب کو دیکھتا تھا اُستاد سے بھی زیادہ باریکیاں سمجھ میں آتی تھیں۔ دس برس تک طالبِ علموں کی تعلیم میں ایسا مصروف رہا کہ دن رات اور بھوک پیاس کی خبر نہ تھی۔ لوگ تعجب کرتے تھے اور اکثر معتقد ہوتے تھے۔ ابوالفضل کہتا ہے کہ اس کا کچھ تعجب نہیں۔ بیماری میں طبیعت انسان کی مرض کے دفع پر توجہ ہوتی ہے تو کھانے پینے سے دل بیزار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر دل بالکل علم کی طرف متوجہ ہو جائے تو بھوک پیاس کے بند ہو جانے کا تعجب نہیں تکمیلِ علم

سے پہلے اس کا یہ حال تھا کہ جو جو نئے مطالب بیان کرتا بسبب اسکی کم سنی کے عالم فاضل مانتے نہ تھے لیکن میر سید شریف اور علامہ تفتازانی کی گفتگو میں جو اکثر تقریریں اس نے کی تھیں شاگرد لکھتے گئے تھے۔ جب ملا قاسم کی تصنیف سے ایک کتاب آئی اور اُس میں وہی تقریریں درج دیکھیں تو قائل ہوئے۔ ایک دفعہ کتاب حاشیہ اصفہانی ایک شخص لایا کہ آدھے آدھے ورق اُس کے دیکھ کھا گئی تھی اور کامل کتاب نہ ملتی تھی۔ اس نے سفید کاغذ کے پیوند لگائے اور انداز سے خود کتاب کو مکمل کیا۔ چند روز بعد پورا نسخہ ہاتھ آیا مقابلہ کیا تو بالکل مطابق تھی صرف پانچ چار جگہ مترادف لفظوں کا فرق تھا۔ جو جو نعمتیں قابل شکر کے خدا نے اسے عطا کیں۔ اکبر نامہ کے آخر میں لکھتا ہے۔ ۳۱ فقرہ ہیں اکثر معمولی مضمون ہیں لیکن بعض دفات جن سے اس کی طبیعت اصلی کا حال بھی معلوم ہو سکے جاتے ہیں :-

(دفعہ ۲) پچھلے بزرگ اپنے زمانہ کے غیر بادشاہوں کے عدل پر فخر کرتے ہیں میں اگر اس بات پر شکر کروں کہ بادشاہ ظاہر و باطن کے وقت میں پیدا ہوا تو عین بجا ہے۔ (یہ اشارہ ہے اُس حدیث پر کہ آنحضرت فخر یہ کہا کرتے تھے کہ میں بادشاہ عادل یعنی نوشیرواں کے وقت میں پیدا ہوا ہوں ابو الفضل در حقیقت اُس کے غیر مذہب ہونے پر طعن کرتا ہے) *
(دفعہ ۱۶) اگرچہ باپ مجھے ایک خاص راہ پر لگاتا تھا لیکن میری طبیعت سب طرف نظر دوڑاتی تھی *

(دفعہ ۱۸) جو عشق کہ خاندان تباہ کرتا ہے مجھے اُس نے منزل کو پہنچا یا *
(۲۱) بادشاہ کی برکت خدمت سے خدا نے نعمت صلح کل عطا کی چنانچہ اول خاموشی اور بعد اُس کے ہر فرقہ کی ملاقات سے دل میں سب کی موافقت پیدا ہوئی۔ خدا عقل کی روشنی سے دل کی بدی دور کرے *

(۲۴) خدا نے سعادتمند بھائی عطا کئے۔ بڑا بھائی فیضی باوجود کمالات ظاہری و باطنی کے میری بے اجازت کے ایک قدم نہیں اٹھاتا تھا چنانچہ اپنے ایک قصیدہ میں بھی خود میرے باب میں کہتا ہے ۵

صد ساندہ میان من اوست در کمال | در عمر اگر از دودہ سالے فزون تر ام

چھوٹا بھائی شیخ ابوالبرکات سلمہ ہجری میں اور شیخ ابوالخیر سلمہ میں۔ ابوالکلام سلمہ میں پیدا ہوا۔ اس نے علوم درسی باپ سے اور میر فتح اللہ شیرازی سے پڑھے۔ شیخ ابوتراب سلمہ میں پیدا ہوا اگرچہ اُس کی طبیعت اور ہے مگر سعادتمند وہی ہے۔ شیخ ابوراشد اور ابوحامد سلمہ میں پیدا ہوئے۔ وہ ابھی حل میں تھے کہ باپ اُن کے نام رکھ کر فوت ہوا ۶

(۲۵) شرم دجیا اور عقل و دانش کے خاندان سے جو رومی کہ گھر کو رونق اور نفس کو بندش حاصل ہوئی اور ایک ایک بی بی ہند و شانی اور ایرانی اور کشمیرین سے دل کو خوشی حاصل ہوئی۔ (یہ کثرت ابوالفضل کی طبع حکیمانہ کے خلاف ہے البتہ ہند کی ہوائے عیش انگیز اور جاہ و دولت کی تاثیر کمی جائے تو عجب نہیں) ۷

(۲۶) سلمہ میں عبد الرحمن نام ایک بیٹا عطا کیا۔ اگرچہ ہند و شانی ہے لیکن طریق بوبانی رکھتا ہے۔ بادشاہ نے اُسے بھائی کیا ہے۔ اور پشتون کہتے ہیں۔ پشتون کیا نیوں کے خاندان میں ایک شاہزادہ ہوا۔ ہے کہ اس نے عمر جاوید پائی ہے۔ بعض لوگ اسے کاؤس کا بیٹا کہتے ہیں ۸

(۲۹) نفس ناطقہ کے باب میں سالہا سال تک سوچتا رہا اور ہر فرقہ کے عالموں سے گفتگو رہی۔ منطق اور اشراق وغیرہ سب کی دیلوں کو دیکھا کہیں تشفی نہ ہوئی۔ آخر یہی ثابت ہوا کہ اس صورت ظاہری سے علاوہ کوئی لطیفہ ربانی ہے کہ اُس کو اس جسم سے تعلق ہو گیا ہے ۹

دفعات مذکورہ بالا اور اس کی تصنیفات متفرقہ سے اس کی بلندی ہمت اور

آزادی طبع ظاہر ہوتی ہے جس کو کسی دین اور آئین کے تحت میں رہنا گوارا نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے کلام میں کوئی حکیم یا عالم فاضل سلامت نہیں نکلا جسے جو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ جس مقام میں اس کے کلام کو دیکھا جاتا ہے کہیں مرتبہ سے گزرتا نہیں۔ ایسی شان و شکوہ سے تحریر کرتا ہے کہ اس کے آگے طرف ثانی کی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ جب اس کی ماں کا انتقال ہوا۔ شیخ مبارک نے سفر کعبہ کا قصد کیا۔ ابو الفضل نے صبر و تسلی اور اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے ایک خط لکھا۔ اس طرح نصیحت اور فہمائش کرتا ہے کہ یقین ہے شیخ بھی دیکھ کر بہت شرمایا ہوگا۔ ایک جگہ کہتا ہے کہ جن کے دل نور حقیقت میں ہیں اُن کو خاک تودہ اور مٹی کے ڈھیروں کا دیکھنا کس نے واجب کیا ہے۔ مراد اُس سے کعبہ اور صفا و مروہ ہے۔ بڑے بڑے نامی علما و حکماء متقدمین کی کتابوں پر خاتمہ لکھے اپنی رائے اس طرح لکھتا ہے جیسے کوئی مدرس ایک طالب علم کی رپورٹ کرتا ہے ۛ

آئین اکبری

اس کی تصنیفات میں ایک مفصل و مطول کتاب آئین اکبری ہے جو کہ ایک دستور العمل کل امورات سلطنت خصوص بند و بست و مالگزاری کا ہے اُسکے دیکھنے سے آئین ہندی اور قانون تراشی اس کی طبیعت کی واضح ہوتی ہے۔ اُس زمانہ جاہلیت میں جبکہ کسی بات کے لئے کوئی قاعدہ نہ تھا ایسے خیالات کا ہونا نہایت عجب ہے۔ عبارت اُس کی بہت مختصر چھوٹے چھوٹے فقرے اور سب طرزوں سے جدا ہے۔ اگرچہ اُس کی ہر تحقیق قابل یاد رکھنے کے ہے لیکن جغرافیہ کے باب میں لکھتا ہے کہ دانایان فرنگ نے ایک نیا جزیرہ فی الحال دریافت کیا ہے۔ وہاں کے آدمی ایسے نادان و احمق ہیں کہ جہاز سے جو لوگ وہاں اترے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر پھرنے لگے تو وہاں کے لوگوں نے جانا کہ گھوڑا مع سوار ایک مخلوق ہے۔ اور اُس کو نئی دُنیا کہتے ہیں (مراد اس سے

امریکا ہے) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس عہد میں بھی سراغ تحقیقات کا یہاں کچھ نہ کچھ پہنچنے لگا تھا۔ اکبر نامہ ایک نہایت مطول تاریخ آغاز ترک سے مجملہ اور حال بابر و ہمایوں و اکبر میں ۴۲۰ جلدوں تک مفصل ہے۔ اسکی عبارت میں بھی کہیں کہیں طرز آئین اکبری کی ملتی ہے۔ ۳۔ تجکول جس میں مختلف کتابوں کے چیدہ اور پسندیدہ مضمون اور دھچپ عبارتیں انتخاب کر کے لکھی ہیں۔ یہ کتاب راقم نے خاص ابوالفضل کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی ہے۔ خط اس کا مولویانہ تھا یعنی خوش خط نہ تھا۔ عیار دانش یعنی کلیلہ دمنہ زبان عربی سے فارسی میں بفرمایش اکبر لکھی۔ اس کی عبارت اُس مرتبہ عالی پر نہیں جو اُس کا اصلی طریقہ ہے۔ انشاے ابوالفضل مروج اور نہایت کا راہ کتاب ہے اُسے فارسی کی عبارات اور دنیا کے معاملات کا دستور العمل کہنا چاہئے۔ خصوصاً دوسرا دفتر جس میں اکثر اراکین دولت اور صاحب کمالوں کو اپنی طرف سے خطوط لکھے ہیں۔ اور تیسرا دفتر جس میں دیباچہ اور غاتمہ وغیرہ۔ اکثر عبارتیں بعض کتب متقدمین پر لکھی ہیں حقیقت سائل حکمت اور الہیات کا ایک گلزار ہے۔ بروقت ملازمت کے ابوالفضل نے تفسیر آیۃ الکرسی کی نذر گزرائی۔ علاوہ اُس کے سورہ فتح کی تفسیر زبان عربی میں لکھی اور نام اُس کا تفسیر اکبری رکھا کہ یہی تاریخ تفسیف ہے۔ ہداؤنی کہتا ہے کہ حقیقت میں شیخ مبارک کی ہمتی ۶

اس حکیمانہ طبیعت اور علم و فضل پر شجاعت اور بہادری اُس کی قابل تعجب جب جب حکم بادشاہ کے احمد نگر پر چڑھا تو اُس کا قلعہ ایسے عمودی پہاڑ پر واقع تھا کہ پہنچنا فوج کا وہاں نہایت دشوار تھا۔ مگر ابوالفضل نے لوہے کی میخیں گرڈا کر اور کمندیں اور طنابیں ڈال کر خود سو آدمیوں سے چڑھ گیا اور اپنی ہمت مردانہ سے قلعہ فتح کیا اور ایک بار نہیں بلکہ بہت دفعہ اسیر وغیرہ میں ایسے ایسے عجیب و غریب معرکے اُس نے کئے اور کامیاب ہوا اور پنجرا رہی اور

اکبر نامہ

تجکول

عیار دانش

انشاے ابوالفضل

ہمت اقلیم

بیل صاحب کی
مفتاح التواریخ
رضاعہ تالیف
و اقبال نامہ

سپہ سالاری کا منصب عالی حاصل کیا۔ چونکہ اکثر تالیفی و تربیتی شاہزادوں کی اس حکیم وانا کے سپرد ہوتی تھی۔ اس لئے سلسلہ ہجری میں شاہزادہ مراد کے ساتھ احمد نگر ملک دکن پر فوج کشی کی۔ جب وہ مرگیا تو شاہزادہ دانیال کے ساتھ تھا۔ سلسلہ میں اس ہم سے فراغت پائی۔ اصل حال یہ ہے کہ شیخ کو بادشاہ کے مزاج میں دخل بہت تھا اور وہ دخل حقیقت میں بھی بجا تھا کیونکہ جامع علوم اور مجمع فضائل و کمالات تھا۔ خواہ علمی خواہ مذہبی کوئی رشتہ ہو اصل حقیقت سے غرض رکھتا تھا۔ جرنیات ظاہری کی پروا نہ کرتا تھا۔ ساتھ اس کے علم کا دریا سینہ میں تھا۔ مدرسہ کے مولوی اور سب کے ملانے سامنے آتے تو دم نہ مار سکتے۔ نظم نثر زور تحریر کا یہ حال کہ اکبر نامہ۔ آئین اکبری وغیرہ موجود ہیں۔ عبدالمدھاں جیسا بادشاہ اور اللہ نور میں بیٹھا کا پتا تھا۔ شمشیر کے میدان میں جاں باز سپاہیوں سے پیش قدم تھا۔ تدبیر ملک۔ حساب کتاب میں ادنیٰ مصدئی سے لے کر دیوان اعلیٰ تک کام آپ کر سکتا تھا۔ باوجود اس کے جو گرگ سیرت عالم قدیم سے رکن سلطنت بنے ہوئے تھے اور ان کے ماتھوں باپ نے اور اس نے مصیبتیں بھری تھیں ان کا اور ان کے آوروں کا استیصال کر کے ان کے طرفداروں کے بند و بست میں بھی نہ رہتا تھا۔ ان سب باتوں پر نظر کرو تو کسی سرشتہ کا اور کسی فن کا صاحب کمال ایسا نہ تھا کہ جو اس سے کھٹکتا نہ ہو۔ ابتدا میں جب تک زمانہ کی برگشتگی نے جان سے عاجز کر رکھا تھا تو یہ رباعی کہی تھی اسی کو پڑھا کرتا تھا۔ رباعی

لمرود صفت چو پیشہ پیلے بفرست

موسے و عصاؤ رود نیلے بفرست

یارب بجانیاں دلیلے بفرست

فرعون دشانست بر آور دستند

پھر جبکہ زمانہ نے پلٹا کھایا اور یکایک ستارا چمکا تو اگرچہ اکبر کی عقل کی کبھی تھا اور قدیمی دشمن گورستان اوبار میں پیوند ہو گئے تھے۔ لیکن مشکل یہ ہوئی کہ پہلے تو فقط گنتی کے تھے اب ہزاروں مخالف دکھائی دینے لگے کیونکہ کاروبار اور تعلق سلطنت

کی کچھ حد نہ تھی۔ اُس وقت میں گھبرا کر یہ رباعی پڑھا کرتا تھا۔ رباعی

چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
لے دے من و دست من دامن خویش

آتش بد و دست خویش و زخمین خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش

چونکہ شاہزادے تک بھی اُس کے دشمن تھے اسی واسطے وہ ہمیشہ بادشاہ سے کہا کرتا تھا کہ فدوی کو سوائے حضور کے اور کسی سے غرض نہیں ہے۔ غرض کہ سنہ ہجری میں احمد نگر کی مہم سے فراغت کر کے انتظام اضلاع دکن میں مصروف تھا کہ سنہ ۱۱۷۱ھ میں دفعۃً بادشاہ نے جریہ طلب کیا۔ اپنے بیٹے عبدالرحمن کو اپنی جگہ چھوڑا اور آپ فوراً روانہ ہوا۔ اور ضرورت یہ تھی کہ اتفاقاً جہانگیر یعنی ولیعہد اکبر اپنے باپ سے برگشتہ ہو گیا تھا۔ اور وہ بلکہ ہر شخص یہ جانتا تھا کہ اکبر جو کچھ کرتا ہے ابوالفضل کی صلاح سے کرتا ہے۔ جہانگیر کو بھی خیال تھا کہ یہ کدورت ابوالفضل کے اغوا سے ہوئی ہے۔ پس اس خیال سے کہ اگر یہ بھی اکبر کے پاس آ پہنچا تو تدابیر مخالفہ کو زیادہ قوت حاصل ہوگی۔ راجہ نرسنگھ دیوبندیلہ کو کہ وہ بھی شریک بغاوت تھا حکم دیا کہ رستہ میں شیخ کو مار ڈالے۔ جبکہ شیخ اس کے قریب مقام انتری میں پہنچا اپنی جمعیت قلیل سے آگے آگے مع ایک سردار افغان و دو تین سو اوروں کے چلا جاتا تھا۔ فوج دشمن کی سیاہی اس طرف معلوم ہوئی۔ افغان فوج کو رنے کہا کہ یہاں سے چند کوس پر ایک گروہ فوج شاہی کا اُترا ہے۔ تم بھاگ کر اُن میں جاملو۔ پچھلے آدمی ہمارے بھی آتے ہیں۔ میں اس عرصے میں اُن کو مصروف جنگ رکھوں گا۔ اگرچہ سبب کمی کے ہم سب مائے جائینگے لیکن آپ کی جان بچ جائیگی۔ ابوالفضل نے نہایت بہادری سے جواب دیا کہ اے خان میں ایک مسجد کے ملائے کا بیٹا ہوں۔ بادشاہ نے مجھ کو اس مرتبے کو پہنچایا اور اُسے مجھ پر بڑے بڑے بھروسے میں۔

اس رہزن کے آگے سے جان کا ڈر کر کے بھاگنا اور بادشاہ کے اُن سب خیالوں کو باطل کر دینا شرم و حیا سے بعید ہے۔ تلوار لے کر ڈٹ گیا اور نہایت مردانگی سے جان دی۔ سچ ہے ۵

رستم یہاں رہا ہے نہ یہاں سام رہ گیا	مردوں کا آساں کے تیلے نام رہ گیا
-------------------------------------	----------------------------------

باغی مذکور سر کاٹ کر سلیم کے پاس لے گیا اُس نے ایک مقام مخزن ناشایستہ میں ڈلوادیا۔ جب اکبر نے یہ خبر سنی ایسا غم و افسوس کیا کہ بیان نہیں ہو سکتا بیقرار ہو کر کئی دفعہ ہاتھ سینے پر مارا اور کہا کہ افسوس ہے یار محمد گسار اور رونق دربار ہمارا اس حال سے مارا گیا۔ دودن اور دو رات کھانا نہ کھایا۔ عبد الرحمن پسر ابو الفضل کو مع بعض امراءے مدبر واسطے قتل راجہ نرسنگھ دیو کے روانہ کیا اور کہا کہ جب تک اُس کا سر نہ لو تب تک پھر کر نہ آنا۔ پھر کہا کہ شیخ کے عوض میں اُس راہزن کا سر کیا حقیقت رکھتا ہے خیر اُس کے تمام بال بچوں کو کوٹھو میں پیل دو اور ملک کو شہنشاہ ناس کر دو +

چونکہ درپردہ سب لوگ ابو الفضل سے رشک رکھتے تھے اور عقیدے کا حال بھی مشہور تھا۔ اعظم خاں کو کلتاش نے یہ تاریخ کہی ۵

یفعل اللہ ما یشاء حکم اللہ ما یرید	تینخ اعجاز بنی اللہ سر باغی برید
------------------------------------	----------------------------------

اکبر آباد میں اکبر کے مقبرے سے کوس بھر جانب شرق ایک عمارت عالی لاڈلی کا مقبرہ مشہور ہے۔ لاڈلی بیگم ابو الفضل کی بہن تھی اُس کا شوہر اسلام خاں تھا۔ اُس مقبرہ پر نام شیخ مبارک اور ابو الفضل کا لکھا ہے عجب نہیں کہ یہ بھی وہیں مدفون ہو +

اکبر نامہ میں ابو الفضل نے کئی جگہ لکھا ہے کہ گیتی خداوند دریاے راوی کے پار آہو خانہ کے دیکھنے کو یا شکار کو گئے اور پھرتے ہوئے فضل آباد میں میرے مکان پر آئے۔ مگر دریافت کیا گیا اس نام کا نشان بھی نہیں +

کمال سبیلِ اصفہانی خلاقِ معانی

یہ صاحبِ فضل و کمال بیٹا عبدالرزاق اصفہانی کا تھا کہ وہ بھی اپنے وقت میں شاعر نامی تھا۔ مرزا الغ بیگ ابن تیمور باپ بیٹوں کے اشعار کو سنا کرتا تھا اور خوش ہو کر کہتا کہ لوگ باپ کو بیٹے کا بزرگ کہا کرتے ہیں۔ دیکھو تو یہ بیٹا باپ کا فخر ہے یا نہیں۔ علاوہ خوبی زبان کے مضامین اس قدر عالی پیدا کرتا تھا کہ شاعروں میں اس کا خطاب خلاقِ معانی مشہور ہے نام لینے کی کچھ ضرورت نہیں۔ اکثر قصیدے اس زور شور کے لکھے ہیں کہ ان کا جواب نہیں ایک جگہ کہتا ہے

اگر سُو دہ شعر من بشاری بلے کشند غریباں ہر آئینہ خواری	بخاک پائے نوکِ چاتِ ازاں بچکد سزد کہ خواری و حرماں کشد معانی من
---	--

بادشاہوں اور حاکموں کی بارگاہ میں نہایت معزز تھا اور انعام و اکرام حاصل کرتا تھا اس لئے امیرانہ گزران کرتا تھا۔ اہل ضرورت کو دستگیری کے طور پر بھی اور قرض بھی دیتا رہتا تھا۔ لطیفہ۔ ایک دفعہ اکثر لوگوں نے اس سے خلاف وعدہ اور بد معاملگی کی جب بہت ناچار ہوا تو جل کر یہ قطعہ کہا۔

اے خداوندِ ہفت ستارہ تادیرِ دشت را چو دشت کند عددِ مردماں بسیم ز لید	ظالمے رافرست خوشخوارہ جوے خوں آورد ز جو بارہ ہر یکے را کند دوصد بارہ
--	--

اُس کی مالداری کے ساتھ مرنے کا حال عجب حسرت ناک ہے کہ آلِ چنگیز میں سے اکتائی قاآن نے اصفہان پر لشکر کشی کی اور فتحیاب ہوا۔ منغل گھر گھر لوٹتے پھرتے تھے اور لوگوں کو قتل کرتے تھے۔ کمال نے اور اس کے ہمایوں نے تمام

مال اسباب اپنا اسی کے مدرسہ کے کوئٹس میں ڈال دیا تھا کہ جب امن امن ہوگا تو نکال لینگے۔ اتفاقاً ایک مغل اس کے گھر میں بھی ٹوٹتا ہوا آیا۔ گھر میں مال اسباب کچھ نظر نہ آیا۔ صحن میں درخت پر کوئی جانور بیٹھا تھا مغل نے اُس کے تیر مارا جانور تڑپھکڑ کوئٹس میں جا پڑا۔ مغل نے کوئٹس میں جھانک کر دیکھا تو پانی نہ معلوم ہوا اور نہ نزدیک نظر آئی۔ جھٹ کو دپڑا۔ اندر معلوم ہوا کہ اس میں اسباب دبا ہوا ہے۔ اُسی وقت اور مغلوں کو لایا۔ نکالا تو گنج قارون نکلا۔ مگر اُن وحشی ظالموں نے اُس پر قناعت نہ کی۔ کمال کو پکڑ کر اور روپیہ مانگا اُس نے انکار کیا۔ اُن لوگوں نے نہایت سختی کی۔ شکنجہ میں کس دیا اور انواع و اقسام کی تکلیفیں دیں یہاں تک کہ اُسی حالت میں مر گیا۔ کہتے ہیں کہ مرتے ہوئے یہ رباعی کہی۔ رباعی

در حضرت او کمینہ بازی امنیت
شاید کہ مگر بستہ نوازی امنیت

دل خوں شدہ شرط جانگدازی نیست
با اینہم من بیچ نے آرم گفت

اور یہ واقعہ ۱۳۳۰ ہجری میں ہوا۔ اس شاعر کا کلام قابل دیکھنے کے ہے۔ زبان نہایت صاف اور با محاورہ اور اس پر مضمون نیا اور ترکیب لفظوں کی نہایت چست اور بندش درست۔ یہی سبب ہے کہ بہت سامعین تھوڑے سے الفاظ میں اس طرح آگے پیچھے کر کے بٹھاتا ہے کہ دوسرے سے ملن نہیں۔ چونکہ صاحب علم تھا اس لئے اس کے کلام میں فقط مضامین شاعرانہ ہی نہیں بلکہ مطالب حکمت نصیحت آئینہ بھی ہوتے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیمانہ مزاج رکھتا تھا۔ باوجود اس کے خوش طبع اور شگفتہ مزاج بھی تھا۔ کیونکہ جو بھی خوب کہتا ہے۔ چند اشعار اُس کے بطریق شتہ نمونہ از خردارے لکھے جاتے ہیں جس سے اُس کا اور اُسکی طبیعت کا حال بھی کچھ بظاہر ہوگا

مبادا کسے کالت آں ندارد
کہ غیر ہجا ایچ در ماں ندارد

ہجا گفتن ارچہ پسندیدہ بود
خداوند اسماک را بہت در دے

مرا ہجو گفتن پشیمان ندارد
بود ہجو شیرے کہ دندان ندارد

چو نفرس بود بولب راز ایزد
ہر آں شاعرے کو نباشد ہجا گو

رباعی

ہرگز نخوری تو از پئے شادی غم
چوں تو نہ شناسی غم و شادی انہم

گر چاشنی غمش بیابی یکدم
شادی غم اوست خود و لیکن چہ کنم

رباعی

باریک گنی ہمہ تن خود چو میاں
چنداں بالی کہ در نہ گنجی بجاں

نزدیک من از شرم و جفا ہے نہاں
وز شادی و عیش در کنار و گراں

لطیفہ - ایک دفعہ خط پڑا خواجہ ابو العلا شہر خوارزم کے صدر کی تعریف میں
یہ قطعہ کہہ کر بھیجا - کہتے ہیں کہ خواجہ مذکور نے بہت انعام دیا اور بعد اس کے
بھی سلوک کرتا رہا - قطعہ مذکور یہ ہے - قطعہ :-

پختہ شد از آب انعام تو نان گرسنہ
سر بدر گاہت نہادہ است آسمان گرسنہ
آں چناں افتد کہ آتش بر روان گرسنہ
بوے آں ناں خود بگرداند عنان گرسنہ
اردہندت زان سوئے مغرب نشان گرسنہ
آرے از ناں نیست خالی داستان گرسنہ
روے ماہ و قرص خورشید از فغان گرسنہ
ناں ہے آرنہ بیروں از دہان گرسنہ
کرد ناں را دیگ چرب از گردان گرسنہ
ور زماں بینی بد و باران سنان گرسنہ
نتیجہ داراں ہجو آتش خویشان گرسنہ

اے خداوند اگر اندر خشک سالِ قحط وجود
زا نکتہ تو مشہور آفتابی ناں دادن چو صبح
بیل انعام تو ہر دم بروثاق سائلاں
شکل اخلاقِ صودت گر کشم بروے ناں
ہجو مشرقِ قرص گر کش مے فرستد جو تو
نیست بے یاد سخایت داستانِ اہل فضل
اندریں دوراں کہ میگردد سیہ از دود فقر
گشتہ بے رماں بخون یکدگر گشتہ چنانکہ
پُر دلاں را ناں سیر از لقمہاے پیوہ زن
ہر کجا دیدی دوناں پیدا بدست عاجزے
بر گذار ناں دہنہا باز کردہ چوں تنور

ترسم آید از زبان من خطائے در وجود خواجگانے را کہ باشد معدہ انبار سیر زانکہ از آتش نباشد پنبہ را چندان خطر میزبان لطف را گویا کہ باشد تازہ رو دفع کن ز انبار خود عین الکمال از بہر آنکہ کرد مستغنی ز تعریف این ردیف شعر زانکہ	زانکہ دارد رنگ دیوانہ جوان گرسنہ احترازے کرد باید از زبان گرسنہ کاہل نعمت را کنوں از شاعران گرسنہ زانکہ ناخواندہ رسیدش میہمان گرسنہ چشم را تاثیر باشد خاصہ زان گرسنہ بر سر اس گفتم بنوشتم فلان گرسنہ
باد در چنگ حوادث خصم پر آہوئے تو ہیچو آہو در کعب شیر زبان گرسنہ	
ایک سال جو اس کے ہاں سے غلہ آیا تو اس میں خاک بہت تھی کمال الدین نے یہ قطعہ کہا - قطعہ :-	
غلہ کا نسال خواجہ داد مرا اندر انبار من بدولت تو خاک مردم خوردند انستم	گرسنہ بدجستہ بود اکثر خاک ہست از باد یہ فروں تر خاک کہ خورد مردم اے برادر خاک
باچنین بخشش و چنین نسام بر سر شعر و کلک و دفتر خاک	
	

خواجہ سلمان سیاوجی

خود صاحب کمال اور با اعزاز تھا اور خاندان اس کا بھی صاحب کمال اور بادشاہوں کے دربار میں معزز اور مکرم تھا۔ باپ اس کا خواجہ علاؤ الدین فن سیاق میں یگانہ زمانہ اور دربار شاہی میں پیش دست تھا۔ چونکہ اچھوں کے اچھے ہوتے ہیں اور سامان بھی سب طرح کا موجود تھا۔ اس لئے سلمان نے بھی سب علموں میں مداخلت پیدا کی اور شعر میں کمال حاصل کر کے سلطان اویں لیکھانی کے دربار میں مصاحبت کا مرتبہ حاصل کیا۔ شاعروں میں جو عزت سلمان نے پائی اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی اور خوبی کلام کا بھی یہ حال ہے کہ علاؤ الدولہ سمنانی کہتا ہے کہ دو چیزیں دنیا میں بے نظیر ہیں۔ ایک انار سمنان۔ دوسرے شعر سلمان کیونکہ ساوہ جو وطن اس کا ہے سمنان ہی کا علاقہ ہے۔ امیر شیخ حسن نوبان حاکم بغداد و آذربائیجان کا اور دلشاد خانوں بھی اس کی بڑی مرتبی تھی۔ اور خواجہ اویس بادشاہ کا بڑا بیٹا کہ حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھا اور کتب توارنخ میں ضرب الثل کے طور پر اس کا ذکر لاتے ہیں۔ وہ خواجہ سلمان سے شعر کی اصلاح لیتا تھا۔ اس سبب سے زیادہ تر اشعار کو شہرت ہوئی۔ اپنے اس یوسف جمال شاگرد کو اصلاح دیتے ہوئے ایک دفعہ یہ غزل کہی۔ غزل :-

خلقے بہ حبت و جوت سرور جہاں نہادہ
شوریدگانِ موت در ہمہ گر گرفتارہ
آں لب بجنہدہ بکشا تا دل شود کشادہ
رحم آوری چہ باشد بر نشنہ پیادہ

آوازہٗ جمالت نادر جہاں نقادہ
سودائیانِ زلفت گرد تو حلقہ بستند
مائیم بستہ دل را در لعل دلکشایت
لے شہسوارِ خواباں مے عین آبِ جواں

	سلمان رخصت بازی شہادت عافیت کرد بازی مگر کہ دادت بازیں حریت سادہ	
اُس نے اس خاندان کی تعریف میں بہت کچھ کہا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے :-		
من ازین اقبال این خاندان من از خاوراں تا دریاختہ	گر قلم جہاں را بہ تیغ زباں ز خورشید امروز مشہور تر	
اس تقریب کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ :- نقل۔ ایک دن سلطان اویس شق تیر اندازی کی کر رہا تھا۔ اور سعادت اُس کا غلام تیر اٹھا اٹھا کر لاتا تھا۔ سلمان نے اُس وقت بدیہ یہ شعر پڑھا :-		
شہا تیر در بند تیر تست	سعادت رواں در پئے تیر تست	
چو دربار چاچی کماں فت شاہ دو زارغ کماں با عقاب سہ پر نہا د سر بر سر دوش شاہ چو از شست بکشاد خسر و گرہ شہا تیر در بند تیر تست بعہدت ز کس نالہ بر نخاست	نوگوئی کہ در بچ قوس است ماہ بدیدم بیک گوشہ آوردہ سر ندانم چہ گفتند در گوش شاہ بر آمد ز ہر گوشہ آواز زہ سعادت رواں در پئے تیر تست بتیر از کماں گر بنالہ رواست	
	کہ در عمد سلطان صاحبقران نہ کردہ است کس زور جز بر کماں	
بادشاہ سن کر بہت خوش ہوا اور رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ دن رات میں کسی وقت اُس کی جدائی گوارا نہ تھی + نقل۔ ایک دفعہ رات کو سلمان بادشاہ کے پاس سے رخصت ہو کر چلا		

اندھیرا بہت تھا۔ سونے کی لالٹین مَرّض کا مَحفل میں رکھی تھی بادشاہ نے وہ ساتھ کر دی۔ دوسرے دن منگارشاہی لالٹین لینے گیا۔ سلمان نے یہ شعر لکھ کر بھیجے :-

من و شمع دو دل سوختہ و خانہ سیاہ	کہ شب او گرید و سن از غم خود افروزم
شمع خود سوخت بشب و شب و بزاری امروز	گر لگن میطلبد شاہ ز من مے سوزم

بادشاہ سن کر ہنسنا اور لالٹین اُسی کو دے دی ۔

نقل - ایک دن سلمان دجلہ بغداد کے کنارے پر تیرا اندانی کر رہا تھا۔ اتفاقاً درویش ناصر بخاری اپنے وطن سے حج کو جاتا تھا۔ چونکہ سلمان کا نام اور شہرہ شاعری سُنا ہوا تھا اس لئے مشتاق ہو کر ملاقات کو آیا۔ سلمان نے وطن پوچھا اور کہا کہ کچھ شعر کا بھی شوق ہے۔ درویش نے کہا کہ یہی شوق یہاں تک لایا ہے۔ اُس وقت دریائے دجلہ بڑے زور شور سے بہ رہا تھا سلمان نے کہا :-

دجلہ را امروز رفتارے عجب متناہیست

درویش ناصر نے کہا کہ :-

پائے در زنجیر کف برب مگر دیوانہ ایست

سلمان بہت خوش ہوا اور کچھ اور اشعار کی فرمائش کی۔ درویش نے یہ غزل پڑھی :-

غزل درویش ناصر بخاری

مارا ہوس صحبت جاں پر دیار است	ور نہ غرض از بادہ پرستی نہ خمار است
در مدرستہ کس را نہ رسد دعوے توحید	منزل گداز مردانِ موحد سرِ دار است

ناصر اگر از ہجر بنالد عجبے نیست
مہجور زیار است پیرِ یتاں ز دیار است

سلمان نے بہت تعریف اور تعظیم کی اور اپنے گھر لے جا کر چند روز مہمان رکھا۔

اور سامان کے ساتھ رخصت کیا۔ عبید زاکانی سے جو اس کا معرکہ ہوا۔ وہ اُس کے حال میں لکھا جائیگا ۛ
 لطیفہ۔ آخر عمر میں دنیا سے سیر ہو کر گوشہ نشین ہو گیا۔ بادشاہ نے بہت سا انعام اکرام دیا اور زمین جاگیر کے طور پر مقرر کر دی۔ رے کے علاقہ میں ایک گاؤں ایرین نام تھا کہ بہت سرسبز اور شاداب تھا۔ اور چشے آب رواں کے اُس میں جاری تھے اُس کے لئے درخواست کی شاہ نے عرضی پر یہ شعر لکھا ہے

دہ ایرین کہ از حدودِ رے است بدہیش کہ التماسِ وے است

مولانا جامی بہارستان میں اس کی بہت تعریف لکھتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ سرقزنا تھا اور خصوصاً کمال اسمعیل کی چوری بہت کرتا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ سلمان کے کلام میں چند باتیں خاص ہیں۔ اول یہ کہ فصیح اور صاف ہے۔ دوسرے اُس میں صنائع و بدائع اس طرح سہل متنوع ہو کر بے تکلف آتے ہیں کہ ہرگز معلوم نہیں ہوتا۔ تیسرے کلام عاشقانہ و رنگین زیادہ تر کہتا ہے۔ مگر کلیات اُس کا ایسا ہے کہ طلبگار شایق کو اُس سے ہر قسم کا لطف حاصل ہو سکتا ہے۔ ششم ہجری میں جہان فانی سے طرف عالم جاودانی کے کوچ کیا۔ زور کلام اُس کا اس قصیدہ سے واضح ہوتا ہے جس کے چند شعر انتخابی یہ ہیں :-

قصیدہ

شبے عنبریں خال و شکیں ذوائب
 زمیں را بعنبرِ مستر جوانب
 رواں در رکاب از کوکب اکب

سقی اللہ لیل اکصدغی الکوعب
 ہو اراہگوہِ مرصع حواشی
 درفشِ بنفسِ سیاہِ جش را

بر آراستہ گردن و گوش گردوں
 شب از گوہرِ شب چراغ کو اکب

ایک مقام پر دلشاد خاتون کی تعریف کے قصیدے میں کہتا ہے ۷

ہزار بار زخوت شکستہ از سرتنگیں | شکوہ مقنعہ او کلاہ گوشہ سنجر

متفرق اشعار اس کے نظر اختصاراً انتخاباً لکھے جاتے ہیں ۷

معنی نیک بود شاہد پاکیزہ بدن | کہ بہر چند در و جامہ و گرگوں پوشند
کسوت عار بود باز پسین خلعت او | گر نہ در خویش از بیشتر افزوں کوشند

ہنرش آنکہ کمن خرقہ پیشین ز برش
بدر آرنش و در اطلس و اکسویچ شند

بادِ سحر گئی بہوائے تو جاں دہد
در بوستان بیاد دامن تو غنچہ را
ز انسا آنکہ عکس بادہ دہد حسن روئے گل
از حلقہ دو زلف تو عطار بادِ صبح
گلگونہ از جمال تو خواہد بعاریت
تا چند در ہوا سے جمالت بآب چشم
ما بید لیم و راہ غمت پر خطر بکوے
ہر ناوک بلا کہ شاید قضا ز چرخ
گر دو بعینہ لب من چشمہ حیات
دریا سے جو شاہ او پس آنکہ دوش
بر قامت بزرگی او اطللس فلک
یکروزہ دجہ خرچ دل و دست او بود
بر روی رانِ آہو اگر داغ او نہند
اے سرور سے کہ رائے تو در ضبط ملک
چوں پیر حنچ طلعتِ نجات ترا بید

آب حیات را لب لعلت نشان دہد
ہر دم ہزار بوسہ صبا بردہاں دہد
رویت بکس حسن سہ آسماں دہد
بوئے بعالمی و ہمد رانگاں دہد
بادِ صبا چو عرض گل و گلستاں دہد
بر چہرہ لالہ کارم و بزر عسراں دہد
بازلف پر دلت کہ دل بیدلاں دہد
چشم راستش ہدف بدل نشان دہد
ہر گہ کہ شرح آں لب شکر نشان دہد
نوش رواں بقالب نوشیرواں دہد
میز بید از بزرگی او تن دراں دہد
ہر در کہ بحر بخشد و ہرزہ کہ کاں دہد
بس بوسہا کہ شیر ز رحمت براں دہد
ہر دم خجالتِ خرد خوردہ داں دہد
گفت ارماد و دہاں نوجواں دہد

ہست آستان حضرت اقبال راحم روح ظہیر اگر بشنود این قصیدہ را تا صبح نوعروس ز مرد حجاب را	مقبل کیلکہ بوسہ برآں آستان دہد صد بار پیش بوسہ مرا بردہاں دہد ہر روز جلوہ از تتیق خادراں دہد
باداعروس بخت ترا زینتے کہ چرخ ہر ساعتش بروے نما صد جہاں دہد	
ابیات در وصف دارالسلام	
اے قبلۂ سعادت و وے کبۂ صفا ہر طاق از رواق تو چرخ زمیں ثبات در ساحت تو مروۂ جنباں بود شمال چوں روضۂ بہشت زمیں تو روح بخش بازار خورچو سایۂ او سرد در نمود بنداد سایہ بر سر آفاق ازاں فلکند از چرخ دوخت بر قد قدرش قباے قدر	جاے خوشی و نیست نظیر تو بیچ جا ہر خشت از اساس تو جام جہاں نما در مجلس تو مجمرہ گرداں بود صبا چوں چشمۂ حیات ہوائے تو جان فرا پشت زمیں بہشتی او گرم در شتا کا فلکند سایہ بر سر او سایۂ خدا لیکن ندا دہمت او تن در اں قبا
طاس زمانہ را ہمہ صیتش بود طنین کاخ زمانہ را ہمہ شکمش بود صدا	
تا برنجیزی از ہر دنیا دہر چہ ہست خواہی کہ ستر بند شوی در ہوا چو گرد	با یار خویش تن نتوانی دے نشست سماں چو خاک در قدم دوست کردنت
سرکوش ہوس داری ہوس پائے زن مرا تیر تو سخت آمد کہ بر بیگانگان آمد	دیں اندیشہ بیکو شو دو عالم را قلعے زن چو زخمے میزنی بارے بیا بر آشنائے زن
فراق بے تو از شرح و بست بیرون است	ز ما پیرس کہ حال درون او چون است

نئے کتم سخن اشتیاق کا قفس تیر | ز طرف حد و ز حد عبارت افزون ست

دل دیدخواست تابہر و خوں گرفتہ بود | جاں خواست خواستم بدیم غم ستانده بود

رباعی

بر زلف تو چوں باد وزیدن گیرد | از ہر طرف مشک و میدن گیرد
چوں در لب اندیشہ باریک کتم | خوں از لب اندیشہ چکیدن گیرد

رباعی

از بسکہ شکست باز بستم توبہ | فریاد ہمیکند ز دستم توبہ
دیروز توبہ شکستم ساغر | امروز با غم شکستم توبہ

بر عارض گلرنگ تو اے بدرنیر | چو کاں گویم زلفت ترا یازنجیر

رباعی

آمد سحرے ند از میخانہ ما | کاے رند خرابائی دیوانہ ما
بر خیز کہ پر کتم پیانہ زے | زان پیش کہ پُر کند پیانہ ما

رباعی

اے آنکہ تو طالبِ خدائی بخدا | از خود بطلب کز تو جدانیت خدا
اول بخود آچوں بخود آئی بخدا | اقرار نمائی بحسنائی خدا

صنما مرثوہ آغم کہ تو جانم باشی | بید ہم جاں کہ مگر جانِ جہانم باشی
روزِ عمر من سبکین شب آمد تا تو | روشنائیِ دل و شمعِ روئم باشی
بارگودون و غم ہر دو جهانِ دل من | نگراں باشد اگر تو نگراںم باشی
تو سراپا ہر آنی و ہمہ آن تو اند | غرض من بگویی آن کہ تو آغم باشی

غزل

بردم کہاں خانہ ابرو سے توش پے من سوختہ آنکھ بمن کے رسد آں کے لے دوست بکام ہرماں یکدم ازاں نے ساقی بدہ آں جام دل افروز پیایے شرط آویست آنکہ من میں نامہ کنم طے صد بار کند چشم من از شرم رخت خوے	مکیں دل من گم شد و من دطلب وے خامد کسانیکہ بداعت نرسیدند صد بار مٹے لعل تو ام جاں لبب آورد مطرب بزن آں ساز جگر سوز دمام در شرح فراق تو سخن راچہ دهم بسط بے رویت اگر دیدہ بخورشید کنم باز
---	---

سلمان رہ سو دے تو میرفت غمت گفت
کیس راہ بیای چو توئی نیست مرو ہے



رشید الدین محمد نام رشید تخلص۔ لمبھی تھا مگر خوارزم میں رہتا تھا۔ باپ اس کا عبد الجلیل کاتب تھا اور دربار شاہی میں صاحب خدمت اور باعزت تھا۔ نسب کا سلسلہ خلیفہ ثانی حضرت عمر ابن الخطاب سے ملتا ہے۔ اس شاعر کا کلام دیکھنے سے نہایت تعجب آتا ہے کہ خاقانی و انوری و سعدی وغیرہ کیونکر مشہور ہو گئے اور یہ شخص کیونکر گنام رہ گیا۔ شعراے متقدمین میں سے ہے اور کمال فن شاعری کا اس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ تذکروں کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فقط شاعر ہی نہ تھا بلکہ فن شعر میں اور جو فنون کہ شعر سے متعلق ہیں ان میں صاحب تصنیف تھا اور مہارت بھی کامل رکھتا تھا چنانچہ حدائق السحر نام ایک کتاب اس کی تصنیف ہے کہ اگرچہ اب نہیں پائی جاتی مگر

ہر کتاب میں سنداً اور فخریہً اُس کا ذکر دیکھا جاتا ہے۔ خصوصاً ابتدا میں ایسی کتاب کا تصنیف ہونا نہایت قابل لحاظ کے ہے۔ باوجود اس کے خیالات اُس کے سیدھے سیدھے بلکہ اکثر حکیمانہ ہیں اور طرز کلام بھی صاف اور قدیمانہ۔ طبیعت اس کی نہایت تیز طرار تھی اور ذہن شوخ اور چالاک۔ ہمیشہ شعرا و علما کو دھمکاتا رہتا تھا اور تقریر کا یہ عالم تھا کہ کوئی اس کے آگے دم نہ مار سکتا تھا۔ اس سبب سے لوگ اس سے جلتے تھے اور ایسی ایسی فاحش اور غلیظ ہجوئیں کہتے تھے کہ جن کا لکھنا بھی یہاں مناسب نہیں۔ اور چونکہ چھوٹا سا آدمی تھا اور ساتھ اس کے صورت بھی کالی کلوٹی بد شکل تھی اس لئے لوگوں نے اس کا نام وطواط رکھ دیا تھا۔ وطواط ابابیل کو کہتے ہیں +

لطیفہ۔ ایک دن خوارزم شاہ کے دربار میں پہنچا اور علمائے دربار سے گفتگو شروع کر کے اس زور شور سے اور طمطراق سے تقریریں کیں کہ سب کے سب دنگ رہ گئے اور بادشاہ بھی حیران ہو گیا۔ کچھ تو یہ شوخی اور بے باکی اس کی ناگوار بھی گزری اور کچھ طبیعت میں ظرافت آئی کہ ایسا چھوٹا سا آدمی اور یہ زباں درازی۔ غرض رشید سامنے بیٹھا تھا اور بیچ میں ایک دوات رکھی تھی۔ بادشاہ نے کہا کہ ذرا اس دوات کو ہٹاؤ تا کہ دکھائی دے کہ اس کے پیچھے یہ کون بول رہا ہے۔ رشید کو برا معلوم ہوا اور اٹھ کر دربار سے چلا گیا۔ لیکن چونکہ اس کے کلام اور کمال میں بادشاہ کو بھی کچھ کلام نہ تھا اس لئے پھر بلایا اور بہت سا انعام و اکرام دیکر دربار میں رکھا۔ سالہا سال تک صاحب دیوان رہا اور خدمتِ عالی سر انجام کرتا رہا۔ سبب اس کے کمال کے دور دور کے لوگ اپنا کلام اسے دکھانے لاتے تھے اور اصلاح لیتے تھے +

رشید ایک زمانہ میں اتھنر کے دربار میں تھا اور وہ اس کی بہت

خاطر کرتا تھا۔ مگر اتسز مذکور سلطان سنجر کی طرف سے قلعہ ہزار اسپ وغیرہ کا حاکم تھا۔ لوگوں نے سنجر کو اتسز کی طرف سے بدگمان کر دیا۔ سنجر خود فوج لے کر چڑھ آیا اور اتسز کو قلعہ میں محصور ہونا پڑا۔ سنجر کے ساتھ انوری شاعر بھی تھا۔ انوری نے یہ رباعی کہی اور سنجر کے سپاہیوں نے اُسے لکھ کر ایک تیر میں باندھا اور قلعہ میں پھینک دیا ۛ

رباعی انوری

اے شاہ ہم ملک جہاں حسبِ نراست دازد دولت و اقبال جہاں کسبِ نراست
امروز بیک حملہ ہزار اسپ بگیری فردا خوار زم و صد ہزار اسپ نراست
یہ رباعی اتسز کے پاس آئی۔ رشید بھی موجود تھا اُس نے اُس کے جواب میں رباعی کہی جس کا ایک شعر یہ ہے :-

رشید

اگر خصم تو اے شاہ بود رستم گرد ایک خرز ہزار اسپ نتواند برد
اور اس شعر کو لکھ کر تیر میں باندھا اور پھینک دیا۔ لوگ سنجر کے پاس لے پہنچے سنجر دیکھ کر بہت خفا ہوا اور عہد کیا کہ جب قلعہ فتح ہو تو رشید کو پکڑ کر بات ٹکڑے کر دوں گا۔ اتفاقاً قلعہ فتح ہوا اور رشید گرفتار ہوا۔ مگر منتخب الدین کاتب مالک دیوان شاہی صاحب علم اور صاحب کمال تھا اور سنجر کی سرکار میں بڑا صاحب اختیار تھا۔ رشید نے اُس کے پاس پیغام بھیجا کہ زمانہ کے اتفاق سے یہ واقعہ پیش آیا ہے اور ہم تم ہم پیشہ بھائی ہیں۔ یہ موقع رفاقت کا ہے۔ وقت نکل جائیگا اور بات رہ جائیگی۔ غرض جب سنجر کا حکم منتخب الدین کے نام پہنچا کہ بموجب ہمارے عہد کے وطواط کے سات ٹکڑے کرو۔ تو وہ خود حاضر ہوا اور عرض کی کہ قبلہ عالم حضور جانتے ہیں کہ وطواط بہت چھوٹا سا جانور ہے اس کے سات ٹکڑے ہو نہیں سکتے غلام مجبور ہے۔

بادشاہ ہنسنے لگا اور کہا کہ اس کجنت مرغ کے اگر دو ٹکڑے ہونگے تو کیا ہونگے۔ بعد اس کے اُس نے عرض کی کہ صاحب کمال ہے اور شاہانِ وقت اُس کی آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارے دربار میں ہو۔ حضور کی تلوار اس کے خون سے آلودہ ہو نہایت شرم اور بدننامی کی بات ہے۔ اس وقت تباہ ہے اور خانہ برباد ہے۔ لازمہ بادشاہی اور موقعِ وقت یہ ہے کہ حضور اُسے خود ساز و سامان لائق دے کر رخصت فرمادیں۔ بادشاہ کا دل بھی پہلے ارادہ سے پھر گیا اور رشید کی جان بخشی ہو گئی۔

رشید کو خوارزم شاہ بہت اعزاز و اکرام سے رکھتا تھا اور نہایت محبت کرتا تھا۔ چنانچہ لطیفہ۔ رشید کی صورت شکل تو جو چھتھی سو تھی ساتھ اُسکے گنجہ بھی تھا اور وہ بھی ایسا کہ سربالکل صفا چٹ تھا۔ بال کا نام نہ تھا لوگ اس لئے اُس کو اقرع کہتے تھے۔ سلطان نے بھی سنا اور سن کر یہ باعی کوئی

رباعی خوارزم شاہ کی رشید کی دلداری میں

زماں بر سر تو موے ہے برناید
بر دیدہ اگر موے نباشد شاید

از فضل سرت بہ آسماں مے ساید
مارا سر تو چو دیدہ در مے باید

رشید نے خوارزم شاہ کی شان میں بڑے بڑے قصیدے لکھے ہیں۔ اور اُس کی تعریف میں اپنا ذکر اس خوبصورتی سے کرتا ہے کہ نہایت لطف حاصل ہوتا ہے چنانچہ اُسی کی تعریف میں یہ قصیدہ ہے :-

قصیدہ

در ساحت تو گنبد گرداں میرسد
کا بنجا بجمہد فکر تہ انساناں میرسد
جز حکم تو بتاری و دہقان میرسد
کا بنجا ز بارگاہ تو فرماں میرسد

شاہ با ننگہ تو کیواں میرسد
جائے رسیدہ بمعالی و منقبت
جز امر تو بمشرق و مغرب میرود
یک خطہ نیست در مہ آفاق و خاقین

فریادِ نریں جہاں کہ خردمند را از نو جاہل بسند اندر و عالم برون در آزودہ شد بحرِ صدم جانِ عالماں دردِ او حسرتا کہ بپایاں رسید عمر منتِ خداے را کہ مرادِ پناہ تو تا دامنِ جلال تو بگرفتہ ام مرا یک روز نیست کہ تو ہزاراں ہزارِ نفع آئم کہ چون بر اسبِ فصاحتِ شوم سوار از نظمِ من بجا کہ خراساں خرابا ست	بہرہ بجزِ نواہب و حرماں نہیں جوید بحبیبہ راہ و ہدایاں نہیں وہں خواری از گزاف بدیشاں نہیں وہں حرصِ مردہ ریگِ بپایاں نہیں آسیبِ حادثہ بدل و جاں نہیں دستِ بلا بریش و گریباں نہیں در حقِ من کرامت و احساں نہیں در گردنِ فصاحتِ سبحاں نہیں گر شخصِ من بجا کہ خراساں نہیں
---	--

بگزار ماہ و روزہ بطاعت کہ دشمنت
چون بگزر دز روزہ بفرباں نہیں

نقل۔ جب خاقانی کا شہر بہت عالمگیر ہوا تو رشید نے بھی اُس کے شمار
کئے اور خوش ہوا چنانچہ ایک قطعہ اُس کی تعریف میں کہہ کر بھیجا ہے

اے سپہِ قدر را خوشید و ماہ افضل الدین بوالفضائل آنکہ بود	وے سپہِ فضل را دستور و شاہ فیلسوفے دین فزائے کفر کاہ
---	---

خاقانی نے اُس کے جواب میں لکھ کر بھیجا ہے

مگر بساحتِ گیتی نماند بوئے وفا فسر دگاں را ہدمِ چگونہ بر سازم مرا بفرقتِ پیوستگان چنانِ وزیت اگر مرا زندہ ارجی رسد امرو صغیرِ صلصل و لحنِ چکا و کلا رازی نوازشِ لبِ جانا بشعرِ خاقانی	کہ بیچِ انہں نیاید ز بیچِ جنسِ مرا فسر دگاں ز کجا و دمِ صفاز کجا کہ بس نماند کہ نامم ز سایہ نیز جدا وگر بشارتِ لا تقطو رسد فردا نفیرِ فاختہ و غمِ ہزارِ آدا گذارش دمِ قمری ز پردہٗ عنقا
--	--

کہ از دیار غزنی سے رسد سلام وفا رسید نامہ صدر جہاں بدست صبا کہ نظم و نثرش عیدِ نوید است مرا زہے رشید جواب آوری بجایہ صدا جوارشنے زنجیت مفر سے ز زینا	مرا ازیں ہمہ اصوات آں خوشی نرسد چنانچہ دوشم بنے رحمت کبوتر و پیک سزو کہ عیدِ کتم در جہاں بفر رشید اگر کبوتر رسید سے روایت سخن برائے رخ دل و عیش بدگوار ساخت
طوبیہ سخن سی و یک جواہر داشت	لیک یک مردم فراغ روزی افتد
کہتے ہیں کہ قرنِ معامیں اُس سے پہلے کوئی کتاب مرتب نہیں ہوئی تھی۔ پہلی کتاب اس فن میں اُسی نے لکھی ہے۔ اُس سے پہلے کسی نے قصیدہ ایسا نہیں کہا کہ جس کے سب اشعار مرصع ہوں مگر رشید نے اکثر قصیدے ایسے لکھے ہیں کہ ہر ایک مطلع سے مقطع تک مرصع ہے بلکہ اکثر قصیدے عربی میں بھی ہیں۔ اس کا کل دیوان پندرہ ہزار بیت کا ہے۔ صنعت مرصع میں ایک	
قصیدہ ہے :-	قصیدہ
وے مُقَرَّب بتو رسومِ کمال ساحتِ تو مُقَبَّل اقبال	اے مُنَوَّر بتو نجومِ جمال حضرتِ تو مُعَوَّل دولت
رشید نے بڑی عمر پائی اسی واسطے بہت سی سلطنتوں کے آثار چرھاؤ دیکھے۔ آتسنر کے وقت سے سلطان شاہ اس کے پوتے کی تخت نشینی تک زندہ تھا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو اپنے خاندان کے اس قدیمی مدارج کو بلایا۔ رشید بہت ضعیف ہو گیا تھا اور چلنا کیا کہ اٹھ بیٹھ بھی نہ سکتا تھا۔ ایک چوپہلے میں بٹھا کر اسے لائے اور بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ شاہ اور تمام اہل دربار کو اور اپنی اس بے طاقتی کو دیکھ کر وہ اپنے زور شور طبیعت کے اور دربار کے مناظرے اور مباحثے یاد آگئے کچھ دیر	

تک خاموش رہا بعد اس کے یہ رباعی پڑھی :-

رباعی

جدت ورق زمانہ از ظلم بشت	عدل پدرت شکستگی کرد درست
اے بر ققباے سلطنت آمدہ چشت	ہاں تا چہ کئی کہ نوبت دولت نشت

جب اتسفر مرا ہے تو رشید لباس ماتم پہنے ہوئے اور نیلا حمامہ باندھے ہوئے زار زار روتا تھا اور تابوت کے آگے آگے یہ رباعی

رباعی

پڑھتا جاتا تھا :-

شاہ فلک از سیاستت میلر زید	پیش تو بطبع بندگی سے ورزید
صاحب نظرے کجاست تا در زگرد	تا آں ہمہ سلطنت بدیں سے ارزید

آخر ۹۷۷ برس کی عمر میں ۷۷۷ ہجری میں دنیا سے انتقال کیا +
تفصیل اُس کی تصنیف کی یہ ہے - حقائق السحر معانی و بیان
وغیرہ صنائع شعری میں - رسالہ علم معانی - حضرت امیر المومنین علی
ابن ابی طالبؑ کے سوا کلموں کا ترجمہ نظم میں +



عبیدزاکانی

عبیدزاکانی ہجو اور ہزل میں نہایت مشہور شاعر ہے۔ ایسا فحش و اہیات کتا ہے کہ جسے کوئی اشراف لکھ سکتا ہے نہ پڑھ سکتا ہے۔ مگر باوجود اس کے جو کلام کہ اس رو سیاہی سے پاک ہے وہ ایسا صاف اور زکیں ہے کہ شربت خضر کی لذت رکھتا ہے۔ زاکان ایک قصبہ کا نام ہے کہ قزوین کے علاقہ میں ہے۔ یہ اصل میں وہیں کا رہنے والا تھا اس لئے زاکانی مشہور تھا۔ ابتدا سے حال میں علوم و رسم کو بڑے شوق سے حاصل کیا اور اس میں کمال کو پہنچا۔ گذران اچھی طرح نہ ہوتی تھی اس لئے چند روز تک بہت محنت کی اور مصیبت سختی و سنگدستی کی اٹھا کہ علم معانی و بیان میں کتاب تصنیف کی۔ قدر دانی اور صلہ کی اُمید پر خوشی خوشی بادشاہ کے پاس لے چلا۔ جب دروازہ پر پہنچا تو وہاں دعا بھی قبول نہ ہوئی اور معلوم ہوا کہ اس وقت بادشاہ کے پاس کوئی مسخرہ ہے اس کے ساتھ گرم اختلاط ہیں کسی کو بار نہیں ہے۔ عبید کو بہت بُرا معلوم ہوا اور خیال کیا کہ جب جاہ و دولت اور بادشاہوں کی قربت میں کمال کا کام نہیں۔ پھر راتوں کو جاگتا اور خون جگر کھا کر عیش و آرام کو اپنی جان پر حرام کرنے سے کیا حاصل؟ وہیں سے اٹھا پھر اور یہ رباعی کہی۔ رباعی :-

تا نزد عزیزیاں نہ شوی خوار چمن
کنگ آؤد کنگری کن و کنگرہ زن

در علم و ہنر مشو چمن صاحب فن
خواہی کہ شوی قبول ارباب زمن

اور اسی وقت سے ہزل اور ہجو میں پڑ کر ایسا و اہیات بکنا شروع کیا کہ جس کی کچھ حد نہ رہی چونکہ اہل زمانہ صاحب فہم اور صلاحیت اور نیکی کے قدر دان کم

میں اور میں تو خاص خاص لوگ ہیں۔ برخلاف ہزل اور مسخر کے کہ ایسی باتوں کو جاہل و عالم سب سمجھتے ہیں اور قدردان بھی بہت ہیں اس لئے تھوڑے ہی دنوں میں چرچا ہو کر عالم میں مشہور ہو گیا اور یار لوگ ہاتھوں ہاتھ بادشاہ تک لے پہنچے۔ ایک مرد عقول نے اسے سمجھایا اور کہا کہ فضل و کمال کو حاصل کر کے پھر اسے ہاتھ سے کھونا اور فضائل و کمالات سے رذائل و خرابات میں پڑنا کیا مناسب ہے۔ اس سے باز آؤ۔ اُس نے اپنی ساری سرگزشتِ اول سے آخر تک بیان کی اور کہا کہ بھائی بادشاہوں کی خدمت امیروں کی صحبت۔ دنیا کی عیش و عشرت جب اس میں میسر ہو تو کس کی بلا کو غرض ہے کہ کتاب میں جان کھپائے اور خون جگر کھا کر لطیف دماغ کو مدرسہ کے کثیف چراغ سے دھواں دھار کرے اور یہ قطعہ پڑھا ہے

کاند طلب راتب ہر روزہ بانی
ناداد خود از کمتر و مہترستانی

اے خواجہ کن ناتوانی طلبِ علم
رو مسخر کی پیش کن و مطرانی آموز

تتمتہ

مگر پھر کتنا ہے

بہتر زود و صد ملکیت کام روانی
اے عقل نخل نیستم از تو کہ تو دانی
موسیٰ و کلیم اللہ و چوبی و شبانی

نے نے کہ کتابے دواتے بر عقل
گر بے خردان رتبت یاب ملک دانند
فرعون عذاب ابد و ریش مصع

لوگوں کی ہجوؤں اور واہیات ہزلیات میں رسالے اور شنوایاں اور قصیدے ایسے ایسے لکھے ہیں کہ انسان پڑھتے ہوئے بھی شرماتا ہے باوجود اسکے فصاحتِ لفظی اور الفاظ کی خوبی اور صفائیِ نظم کی اور چستی بندش اور ترکیب کی ایسی ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی زمانہ میں جہان خاتون ایک عورت موزوں طبع اور لطیف گو اور بذلہ بیخ تھی چنانچہ اُس کا شعر ہے

ز ذرہ ذرہ خاک آفتاب مے سازد

مصبوریت کہ صورت ز آب میا سازد

عبید کے اور اُس کے بہت جواب سوال ہیں مگر ایسے ہیں کہ کتابوں میں لکھنے کے قابل نہیں تو بھی کچھ نہ کچھ نمک چٹنی کے لئے لکھنا ضرور ہے کہ مذاق اہل ذوق کا محروم نہ رہے *

حکایت

جہان خاتون کے حسن و جمال اور طبیعت کے کمال کا جب شہرہ ہوا تو شاہ ابواسحاق بادشاہ وقت تھا اُس کے وزیر امین الدین نے اُس سے نکاح کر لیا۔ پس اس موقع پر جس طرح شاعر لوگ جہان کی بے وفائی اور زمانہ کی تنہا برائی میں شاعر کہتے ہیں اسی طرح عبید بھی کہتا ہے مگر چونکہ جہان خاتون اُس کا نام ہے اس لئے اشارہ وہی ہے ۵

ترا از چنیں قجہ ننگ نیست
خدائے جہاں را جہاں ننگ نیست

وزیر اجماع قجہ بے وفاست
.....

خواجہ سلمان ساوجی نے مختلف لوگوں کی ہجو میں اس کے شعر سن کر کہا ۵

مقر راست بہ بید و لبتی و بیدینی
ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

جنم ہی ہجا گو عبید زاکانی
اگرچہ نیست ز قزوینی روتازاد است

قزوینی اصطلاح میں جھوٹے مقری کو کہتے ہیں *

عبید نے جب یہ قطعہ سنا تو بہت خفا ہوا اور سفر کر کے گیا۔ سلمان شان و شوکت امیرانہ سے دریاے دجلہ کے کنارے پر خیمے ڈالے پڑا تھا۔ اتفاقاً اُس وقت دریا کی سیر کر رہا تھا کہ عبید پیادہ پا پہنچا۔ سلمان نے اُس کی وضع اور انداز سے معلوم کیا کہ کوئی آدمی صاحب کمال ہے مگر گردش زمانہ کا مارا ہوا ہے۔ پوچھا کہ بھائی کہاں سے آنا ہوا؟ اُس نے کہا کہ قزوین سے۔ سلمان نے کہا کہ قزوین میں سلمان کا نام تم نے سنا تھا۔ عبید نے کہا کہ ہاں شاعر ہے۔ سلمان نے کہا کہ کوئی شعر اُس کا بھی وہاں پہنچا۔ عبید

نے کہا کہ ہاں اکثر شعر اُس کے مشہور ہیں۔ ایک قطعہ مجھے بھی یاد ہے
اور یہ پڑھا ہے

من خرابا بتیم و بادہ پرست	در خرابات مغاں عاشق مست
مے کشدم چو سبو و دوش بدوش	مے برندم چو قلیح دست بدست

بعد اس کے کہا کہ سلمان تو بڑا صاحب کمال اور بزرگ مشہور ہے۔ اس
کلام کا مضمون اُس کا نہیں معلوم ہوتا اُس کی جو روکا ہوگا کہ یہ واردات اُسی
کی معلوم ہوتی ہے۔ خواجہ کو بہت بُرا معلوم ہوا اور سمجھ گیا کہ ہونہ جو یہ
عبید زاکانی ہے۔ غرض بہت تکرار اور قسموں کے بعد عبید نے بھی
اقرار کیا۔ مگر بہت خفا ہوا اور کہا کہ بے واسطہ اور بے خبر اور بے سبب
کسی کی جو کرنی نہایت بُری بات ہے۔ تم نے وہ قطعہ جو میرے باب
میں کہا کیا سمجھ کر کہا۔ میں بغداد میں خاص تمہاری ہی نیت کر کے آیا تھا۔
قسمت تمہاری اچھی تھی جو تم میری تیغ زبان سے بچ گئے۔ نہیں تو
ایسی سزا دیتا کہ قیامت تک یادگار رہتی۔ خواجہ نے بہت عذر معذرت
کی۔ گھر میں لا کر چند روز مہمان رکھا اور نقد جس تحفہ تجاہل سے رضا مند و
خورسند کر کے رخصت کیا۔ اشعار اُس کے کہ اکثر ہزل اور مخمض سے
آلودہ ہیں۔ بہت احتیاط سے انتخاب کر کے لکھے جاتے ہیں :-

رسمیت عشق را کہ بحسن ملاطفت	در قید حکم خویش تن آرد عبید را
وانگاہ بزم را بطراز قبض شال	چوں حاجیاں بکشتن اضحیہ عید را

سب سے زیادہ دلنشین غزل یہ ہے :-

افتاد بازم در سر ہوائے	دل باز دار و میلے بجائے
اوشہر یارے من خاکسارے	او پادشاہے من بے نوائے
بالا بلندے گیسو کندے	سلطان حسین فرماں رواںے

ابرو کمانے نازک میانے زیں دلو ازے زیں سروازے دار دشکایت ہر کس زد دشمن	نامہربانے شنگے دغاٹے زیں جو فرو شے گندم نماٹے مارا شکایت از آشناٹے
چشم عبیدہ اسیرش نبیند دیگر نبیند چشمش بلاٹے	
اُس کی سنجیدہ نظموں میں شیراز کی تعریف نمایاں ہے مثلاً :-	
بہ بین معدلت پادشاہ بندہ فواز دیگر (جس وقت شیراز سے رخصت ہوتا ہے) :-	بہشت روے زمین است خطہ شیراز
رفتم از خطہ شیراز و بجاں در خطرم وہ سنی المذہب تھا جیسا کہ نبی کریم اور چاروں خلفاء کی تعریف سے پتہ لگتا ہے۔ لیکن ”ہزلیات“ کے علاوہ بھی اُس کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب کی اتنی خواہش یا محبت اُس کے دل میں موجود نہیں تھی۔ مثلاً :-	وہ کزیں رفتن ناچار چہ خونیں جگریم
خدا یاد ارم از لطیف تو امید بگردانی قضاٹے زہد از من	کہ ملک عیش من معمور داری بلاٹے توبہ از من دور داری
قرض اور مفلسی عبیدہ کی قسمت میں ہمیشہ موجود رہتی تھی۔ مثلاً :-	
مردم بعیش خوش دل و من مبتلاٹے قرض قرض خدا و قرض حلائق بگردم	ہر کس بکار و بارے من در بلاٹے قرض آیا ادا اے قرض کم یا ادا اے قرض
اگر خواجہ تربیت نمکد پیش پادشاہ مسکین عبیدہ چوں کند آخر ادا اے قرض	



نور الدین ظہوری ترشیزی

وطن اس شاعر نازک خیال کا ترشیز ہے۔ ملک دکن میں آیا اور وہیں ہا۔ اُس کی رنگیں بیانی اور نازک خیالی پر تمام اہل سخن کا اتفاق ہے کہ نظم و نثر میں لاثانی ہے۔ طرز اُس کی سب سے علیحدہ ہے اور وہ اسی کا ایجاد ہے۔ نہ کسی نے پہلے اس ڈھنگ میں کہا۔ نہ بعد اُس کے کوئی قدم پر چل سکا۔ چھوٹے چھوٹے فقرے مفقاً لکھتا ہے۔ لیکن جس فقرے کو جس سے پیوند دیدیا ہے۔ وہ ایسا ہے کہ تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اُس کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے جاہ و حشمت کی ہوس کم تھی۔ اپنی آزاد مزاجی کو بڑی نعمت سمجھتا تھا۔ اس واسطے کتابت سے گزران کرتا تھا اور اسی میں خوش ہوتا تھا۔ تاریخِ روضۃ الصفا تمام و کمال کئی مرتبہ اپنے ہاتھ سے لکھی۔ اس کے جوہر کمال کے سبب سے ملک قحی نے (جو ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں ملک الشعراء تھا) اپنی بیٹی سے شادی کر دی تھی۔ اُس کی سفارش سے عادل شاہ مذکور والی بیجا پور کے دربار میں نوکر ہوا۔ سہ نظر ظہوری اُسی کے نام پر لکھی ہے کہ خاص و عام میں رائج ہے۔

تادریں مہمان سراخوانِ خلیل آید بیاد | مینر بان خلقِ ابراہیم عادل شاہ باد
جبکہ فیضی بحکمِ اکبر برہان الملک حاکم احمد نگر کے دربار میں گیا۔ وہاں سے اکبر کو لکھتا ہے (در احمد نگر دو شاعر حاکی نناد صافی مشرب اند و در شعر رتبہ عالی دارند یکے ملک قحی دیگرے ملاظہوری) ایک خطِ ظہوری کا جو فیضی کے

لاد و فتح ہو کہ ملک قحی نے فغاناں کی سخاوت سے بھی فیض پایا ہوا ہے اور ۲۵ھ میں فوت ہوا ہے

نفع التواریخ

نام تھا میں نے دیکھا اُس میں اپنے افلاس کی شکایت کرتا ہے۔ کیا خدا کی قدرت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کمال کی اور اقبال کی بالکل دشمنی ہے بہت مشکل سے دونو جمع ہوتے ہیں۔ ایک قصیدہ مدحیہ حکیم ابوالفتح کے نام پر لکھا اُس میں بھی یہی شکایت ہے۔ عرفی شاعر نے اُسے ایک دو سالہ تحفہ بھیجا۔ شاید وہ پُرانا تھا۔ ظہوری نے یہ رباعی لکھ کر بھیجی۔ رباعی

آیاتِ رعونتِ مراتبِ است
صدرِ خنہ بکارِ مردمِ کشمیر است

ایں شال کہ وصفش نہ حدِ تقریر است
نامش نہ کنی تماشِ کشمیرِ کز و

نظام الملک والی احمد نگر کے نام پر ساقی نام لکھا۔ گو کہ مدوح استغداد سخن فہمی کی نہ رکھتا تھا مگر کئی ہاتھی نقد و جنس سے پُر بار بھیجے۔ ظہوری اُس وقت قومہ خانہ میں بیٹھا حقہ پیتا تھا۔ جو لوگ انعام لے کر آئے تھے اُنہوں نے رسید مانگی۔ کاغذ کے پرچے پر فقط یہ الفاظ لکھ دیے ”تسلیم کردہ تسلیم کردم“ سبحان اللہ کمال اور تناعت اگر دونو خدا دیوے تو عجب نعمت ہے + دیوان اس کا قصاید اور غزلیات وغیرہ انواع سخن اور مضامین بلند و باریک اور مطالب عالی سے مالا مال ہے۔ اہل ذوق کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ نہایت مشکل شمار کیا جاتا ہے۔ درس میں اسی واسطے داخل نہ ہوا ہو گا کہ بہت بڑا ہے اور کیا ب ہے۔ مبالغہ اس کے کلام میں بہت ہے۔ جو فقرہ ہے اثبات محال بلکہ محال در محال سے خالی نہیں فقط خیالات فرضی اور وہمی ہیں۔ سوائے تفسیفات مذکورہ کے کوئی کتاب اس کی نہیں سنی گئی۔ بعض پتھر قہہ کو بھی اس کا کہتے ہیں مگر اکثر انکار کرتے ہیں۔ لیکن اگر اُس کا نہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کس کا ہے۔ مینا بازار کو بھی ناواقف لوگ مشہور کرتے ہیں کہ ظہوری کا ہے۔ مگر اہل تحقیق سے سنا گیا کہ ارادت خاں واضح کا ہے۔ شاعری اس کی مفید خاص و عام نہیں۔ زبان فارسی کے محاورات

البتہ اُس سے بہت خوب حاصل ہو سکتے ہیں۔ اُس میں بھی شکل یہ ہے کہ مضامین عام فہم نہیں۔ مصنف کی آزاد روی اور آسودہ مزاجی میں شک نہیں کلام ہجو ہائے فحش انگیز سے پاک ہے۔ البتہ مضامین عاشقانہ و بے غرضانہ جو کچھ دل میں آتے ہیں وہ کمدیتا ہے۔ فارسی کے شایق کما کرتے ہیں کہ اگر قرآن فارسی میں ہوتا تو ظوری کی زبان پر نازل ہوتا۔ ناصر علی سرہندی کی محفل میں ایک دن ظوری کا ذکر آیا۔ سب تعریف کر رہے تھے۔ ناصر علی نے کہا ایسا شاعر آج تک نہیں ہوا۔ ایک شخص نے کہا کہ مولوی نظامی کا کلام ایسا ہے کہ ظوری کی سمجھ میں بھی نہ آیا ہوگا۔ ناصر علی نے کہا کہ غلط ہے بلکہ ظوری نے اُسے قابل سمجھنے کے بھی نہ جانا ہوگا۔

نقل۔ ظوری کا ایک دوست کہ وہ بھی صاحب استعداد اور شناس تھا ایک دن اُس کے پاس گیا۔ ظوری بہت دیر سے کچھ تصنیف کر رہا تھا۔ اور اس وقت نوبت انتخاب اور نظر ثانی کی تھی۔ شخص مذکور نے دیکھا کہ جو اچھے اچھے شعر تھے انہیں تو کاٹا جاتا ہے۔ اور جو چنداں قابل تعریف نہ تھے انہیں رکھتا جاتا ہے۔ چنانچہ اس شخص نے آگاہ کیا تو ظوری نے اس کو بھی اُس وقت شریک مصلحت کیا۔ اس سے دو باتیں حاصل ہوئیں۔ اول یہ کہ شطرنج کھیلنے والے کی نسبت دیکھنے والے کو زیادہ چال سوچتی ہے۔ یعنی دیکھنے والے کو کام کا حسن و قبح زیادہ معلوم ہوتا ہے +

دوسرے یہ کہ بعض دفعہ صاحب تصنیف کی طبیعت لکھتے لکھتے ایسی قہ جاتی ہے کہ اپنے کلام کا حسن و قبح اسے خود نہیں معلوم ہوتا پس مصنف کو چاہئے کہ ایسے وقت پر تھوڑی دیر ٹھہر جائے۔ جب طبیعت حاضر ہو تو پھر مصروف ہو۔ غرض صاحب فضل و کمال ۱۲۵ھ میں فوت ہوا۔ اوسر اہل سخن بود مادۂ تاریخ اُس کا ہے۔ خوشگبو کہتا ہے کہ مشنوی منبع الانہار اور حدیقہ بھی اُس کی تصنیف ہے +

ملک الشعر اطالب آملی

اس شاعر موزوں طبع رنگین مزاج کا حال و دستگاہ علوم و فنون تفصیل کے ساتھ کسی کتاب میں نظر نہیں آتا۔ مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی رسم کے مطابق علوم مروجہ ابتدائی سن میں حاصل کر لئے تھے۔ مگر طبیعت ان کے قابل نہ تھی یا وہ علوم مادر زاد شاعر کے مزاج کے موافق نہ ہوئے۔ اس لئے شاعری ہی ذریعہ عزت ٹھہری۔ ورنہ اگر طالب کے قول پر اعتبار کر لیا جائے تو خود اپنے بچپن کے تحصیل علم کے متعلق ایک قصیدے میں لکھتا ہے ۷

پا بر دوین پایہ اوج عشر اتم بر بندسی و منطقی و ہیئت و حکمت وین جملہ چو طے شد کیس علم حقیقت در سلسلہ و صفت خطا پس کہ ز کلکم	واینک عدد د فہم از آفات زیاد است دستے است مراکش یدین ساز عباد است کا شاد علوم است بریں جلد مراد است ہر نقطہ سویدائے دل اہل سواد است
---	--

پوشم نسب شعر چو دانم کہ تو دانی
کایں پایہ مرا نامن این سبع شاد است

علاقہ ماژندران میں آملی ایک معمولی شہر ہے۔ طالب وہیں کا رہنے والا تھا۔ بزرگ بھی اس کے کچھ ایسے شہرہ آفاق نہ تھے کہ جن کے نام سے اپنی شاعری کا چہرہ چمکاتا ۸

الغرض پندرہ سولہ برس کے سن میں معمولی علوم کی تحصیل سے فارغ ہو کر دل کو شاعری پر لگایا کہ طبیعت خدا داد پائی تھی۔ علوم کے زور سے

گزر کر مذاق سلیم کے ذریعے شاعری کو انتہا پر پہنچایا۔ شاعری کی ابتدائی منزلوں ہی میں رباعی۔ غزل۔ مثنوی کو چھوڑ کر قصیدے لکھنا شروع کر دیا تھا ۛ

اول اول مازندران کے حاکم میر ابو القاسم کی مح میں چند قصاید لکھے۔ مگر وہاں ترقی اقبال کے راستے مسدود دیکھ کر کاشان میں چلا آیا۔ اس جگہ ہی اس کی شاعری نے پر پرزے نکالے۔ یہاں تک کہ جب زور کلام سے دل قوی دیکھا تو لدو میں آیا کہ ملکش خاں شاہ عباس صفوی کی طرف سے یہاں حکومت کرتا تھا اُس کی شان میں مدحیہ قصاید لکھے اور اپنے آپ کو اُس کے دربار میں پہنچایا ۛ

مگر یہاں بھی خاطر خواہ معاوضہ سخن نہ پا کر وطن کے بہانہ سے ہندوستان کا رخ کیا اور ایک رباعی لکھ کر روے ایران کو سیاہ کر کے ادھر آ گیا۔ کہ دوبارہ

نہ پھرا۔

رباعی

طالب! گل میں چین بستیاں بگزار	بگزار کرے شوی پریشاں بگزار
ہندو نہ بردخند خاکس جانب ہند	بخت سیاہ خویش بہ ایراں بگزار

ہندوستان میں اس وقت حسن و عشق کا متوالا شہزادہ جہانگیر کے نام سے سخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا جس کی مستانہ وار داد سخن نے دنیا بھر سے اہل کمال کو مہمان بلارکھا تھا۔ تمام دربار شاعروں سے پٹا پڑا تھا۔ اس نے بھی اپنے آپ کو وہاں تک پہنچانے میں بہتیرے ماتھے پاؤں مارے مگر کچھ پیش نہ چلی۔ اور بے سروسامان لاہور۔ دلی۔ آگرہ وغیرہ میں مارا مارا پھرتا تھا۔ آخر پریشان ہو کر ہندوستان سے واپس پھر جانا چاہا کہ پتہ لگا غازی خان تری جہانگیر کی طرف سے قندھار کا گورنر ہے اور قابلیت اور دیادلی اسکی ایران کے پیاسوں کو پہلے سیراب کر کے ادھر آنے دیتی ہے ۛ

اس کی قدر دانی نے طالب کو وہاں تک پہنچایا۔ اس نے بھی اس نونہال کو افسردہ خاطر اور گردش زمانہ سے پریشان دیکھ کر دل میں جگدی مگر افسوس یہ اطمینان کا زمانہ آنکھ کھولتے ہی کھولتے ختم ہو گیا۔ اور غازی خاں نے سندِ آخرت سے پروانہ صوبہ داری کو جلد تبدیل کر لیا۔ اس ناکام کو پھر ہندوستان کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہاں آکر پھر اسی چکر میں لگ گیا کہ دربار تک رسائی نکالے۔ بہت حیران و سرگردان ہوتا ہوا آخر کار اعتماد الدولہ کی سرکار میں گھس گیا۔ یہاں رہ کر اپنے زور کلام سے اعتماد الدولہ کے دل میں گھر کر لیا۔ کچھ ہم وطنی نے ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ اعتماد الدولہ نے جہانگیر کے دربار میں بڑی تعریفوں کے ساتھ پیش کر ہی دیا۔ جہانگیر نے بھی اس صاحب کمال کو زمرہ شعرا میں داخل کیا۔

لیکن اوتندکروں میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جہانگیر کے دربار میں اس کو دیانت خاں مصاحب خاص نے پیش کیا۔ اس سے پہلے اکثر غائبانہ جہانگیر کے سامنے طالب کی بہت تعریف کیا کرتا تھا۔ مگر اتفاق یہ ہوا کہ جس وقت دیانت خاں نے اس کو جہانگیر کے سامنے پیش کیا اس قسمت کے مدہوش نے مفرح استعمال کیا ہوا تھا۔

جہانگیر نے نہایت مہربانی کے ساتھ سلسلہ گفتگو چھیڑا۔ مگر طالب بت بنا سامنے کھڑا رہا۔ کوئی جواب معقول نہ دیا۔ آخر دیانت خاں نہایت شرمسار اس کو واپس لے آیا۔ اس کے بعد اس خجالت کے مارے عرصہ تک دربار

۱۔ اعتماد الدولہ - نور جہاں کا باپ - اول مرزا غیاث اور نور جہاں بیگم کی شادی کے بعد سے ہندوستان کی تاریخ میں اعتماد الدولہ مشہور ہے - یہ وزیر کل تھا +

۲۔ مفرح - منشی اشیا - شلا بھنگ - انبون - چرس وغیرہ میں قیمتی ادویات شک - عنبر - زعفران وغیرہ ملا کر اس کا جوہر اڑاتے ہیں جس کو آج بھی ملک میر کے نام سے ہندوستان کے راجے شہر کے ہتھال کرتے ہیں

کی خواہش نہ کی۔ یہاں تک کہ اعتماد الدولہ نے زمرہ شعرائیں داخل کرادیا۔
دربار میں اس کی شگفتہ بیانی نے جہانگیر کو پھر اس کی طرف مائل
کیا۔ اور واقعہ مذکور کے حال سے آگاہ ہو کر اس پر زیادہ شفقت کرنے
لگا۔ یہاں تک کہ بڑھاتے بڑھاتے ملک الشعرا کے دیا۔ چنانچہ تزک
میں خود بھی لکھا ہے :-

دیں تاریخ طالب آملی ب خطاب ملک الشعرائی خلعت امتیاز
پوشیدہ۔ اصل او از اہل است۔ یک چندے بہ اعتماد الدولہ
مے بود۔ چوں رتبہ سخنش از ہنگناں درگزشت در سلک
شعراے پایہ تخت منظم گشت۔ این چند بیت از دست ۵

لب از گفتن چیاں بتم کہ گوئی	دہن بر چہرہ زخمے بود و بہ شد
عشق در اول و آخر ہمہ بدست و سماع	ایں شرابے ست کہ ہم بچختہ دہم خام خوش است
دو لب خواہم یکے در مے پرستی	یکے در عذر خواہی ہائے مستی
ز غارت چہت بر بہار مت ہاست	کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

طالب اپنی فطرتی شاعری کے ذریعے بڑے پر زور قصاید جہانگیر کی
مدح میں لکھتا تھا اور ہمیشہ اس کو خوش رکھتا تھا۔ اور جس دن سے جہانگیر
نے اس کو ملک الشعرا کا خطاب دیا۔ اس کے ہمسر شاعر رشک و حسد کی
حدود سے آگے بڑھ کر اس کی اوائل کی سرگردانی اور علوم مروّجہ میں کمی کو
توڑ ملامت بنا کر ہجو کے تیر برساتے تھے۔ (دیکھو ملاحظہ کا حال)۔
مگر ان تمام باتوں کے باوجود وہ اپنے وقت کا استاد۔ وفا شعار۔
شگفتہ مزاج اور نیک نیت شاعر تھا۔ زمانہ کی ضرورتیں کس کس کو خاک
نہیں چھنوائیں۔ جہانگیر آخر عمر تک اس کے ساتھ نہایت عزت و احترام
کے ساتھ پیش آتا رہا۔ اس کے بعد طالب کو پھر کسی دروازہ کا منہ

نہ دیکھنا پڑا۔ یہاں تک جہانگیر کے عہد حکومت کے آخری سال میں عین شباب میں یہ بلبل بوستان سخن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ طالب کی شاعری کو اس کے ہم عصر بہت زیادہ وقت کی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ اول تو وہ نووارد۔ دوسرے کم سن۔ تیسرے اس کی زندگی کا ابتدائی حصہ جو ہندوستان میں گزرا وہ ناقابل بیان تھا۔ ان سب پر غضب یہ ہوا کہ آتے ہی ملک الشعرائی کی کرسی پر ہو بیٹھا۔ یہ سب باتیں تھیں کہ اور شعرا دیکھتے تھے اور جلتے تھے۔ اور طالب کے مقام پر ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے اس کی طرف سے داد سخن کا منہ پھیر پھیر لیتے تھے۔ اس کا کلام اپنے ہم عصروں سے زیادہ لطیف اور استعاروں سے بھرا ہوا ہوتا تھا۔ جو اس زمانے کی شاعری کا اوج سمجھنا چاہئے بعض اوقات جن کی حد طلسم کاری سے جا ملتی ہے۔



اس شاعر نے جہانگیر کے اخیر زمانہ میں اور شاہجہاں کے ابتدا میں نام پیدا کیا۔ صاحب طبع تھا اور طبع شگفتہ اور رسا رکھتا تھا۔ لطف یہ ہے کہ سپرگو تھا اور خوشگو تھا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اپنے عہد میں یگانہ تھا۔ چونکہ ساتھ کمال کے شوخ طبع حاضر جواب لطیفہ سنج بذکرہ گو تھا۔ اس لئے شعراے پائے تخت سب اس سے جھپکتے رہتے تھے۔ ذرا در اسی بات پر ملک الشعرا اور بڑے بڑے مشاقوں کا خاکہ اڑا دیتا تھا۔ طبیعت ایسی حاضر تھی کہ یاروں کے جلسہ میں بیٹھا ہنستا جاتا تھا اور رنگین اور نمکین شعر کہتا جاتا تھا۔

لطیفہ - جب ابوطالب کلیم کے بعد محمد علی سلیم ملک الشعرا ہوا تو شیدا کہا کرتا تھا - خوشا نصیب اُن شعراے مرحوم کے جنہوں نے سلیم کی ملک الشعرائی کا بار نہ اٹھایا +

لطیفہ - مرآۃ الخیال میں لکھا ہے کہ شیدا کچھ شاعر نہ تھا - فتح پور کے شیخ زادوں میں سے تھا اور ایک امیر کے ملازموں میں تھا - جیسا کہ اُس زمانہ کے امرا کو عموماً شعر کا شوق تھا اس طرح اس کے آقا کو بھی تھا - اکثر شعرا اسکے ہاں آکر جمع ہوا کرتے تھے - شیدا خود نہ کہتا تھا مگر شعرا کے کلام دیکھ دیکھ کر اور سن سن کر محفوظ ہوتا تھا اور اُن کے نکتوں کو دھیان میں رکھتا تھا - ایک دن جلسہ میں کسی نے ایک مصرع پڑھا کہ اس پر مصرع لگانا چاہئے جو جو شاعر موجود تھے سب ذہن لڑانے لگے - کسی سے مصرع برجستہ بہم نہ پہنچا - شیدا نے بھی خیال کیا - اس کی طبیعت کام کر گئی - جب پڑھا تو سب نے پسند کیا اور آقا بھی بہت خوش ہوا بلکہ اُس دن سے زیادہ تر عنایت کی نظر ہو گئی - یہاں تک کہ رفتہ رفتہ دربار میں لے جا کر پائے تخت کے شعرا میں اسے بھی داخل کیا - اور جو ترقی کی وہ اس کے کلام سے واضح ہے - البتہ نصیب آگے نہ بڑھا - خیر یہ اس کی کوتاہی نہیں نصیب کی کوتاہی ہے - میری رائے میں اس کی طبیعت کی گرمی اور کلام کی شوخی بھی مانع ترقی ہوتی رہی ہے کیونکہ ذرا دسی بات پر جو بڑے بڑے لوگوں سے بگڑ بیٹھتا تھا اور چھوٹے آدمی کے چڑھانے اور آگے بڑھانے والے اول اول وہی لوگ ہوتے ہیں پس اُن کی ناراضی باعث نارسائی ہوتی رہی +

لطیفہ - حاجی محمد جان قدسی نے ایک قصیدہ بڑے زور شور کا لکھا ہے ۵

کہ سپند از سر آتش نتواند بر خاست

عالم از نالامن بے تو چنان تنگ قضا

حقیقت یہ ہے کہ سرتاپا اس قصیدہ کو معانی تازہ اور الفاظ برجستہ سے مرقع کیا ہے۔ مگر شیدا نے اول سے آخر تک اُس کی محنت کو برباد کر دیا۔ چنانچہ بسم اللہ مطلع ہی پر کہتا ہے ۷

لے سخن سنج ہنرمند باندیشہ بسج نالہ در سینه ہوا نیست کہ بے قصد رود عالم ازوے نشو و تنگ و لیکن ملال خود گرفتہ کہ جہاں تنگ شد از نالہ تو نیست ترتیب و مصراع بہم ربط پذیر تنگی عالمے از نالہ بکیفیت اوست	نقد ہر حرف بیزان خود بے کم و کاست چونکہ در سینه ہوا گرم شد از جنس ہواست خلق و عالم گرا زو تنگ نشیند رواست کہ ز تنگی نظر از چشم نیار و بر خاست کہ سیاق سخن از ہر دو باندیشہ جد است کہ جہاں تنگ ز اندوہ شدہ برد کم است
---	---

تنگی جاز کجا تنگی اندوہ کجا
بیشتر از تن و جاں تفرقہ ہم پیدا است

اور اس کا نام قطع اللسان رکھا ہے +
لطیفہ۔ سرخوش کہتا ہے کہ ایک دفعہ شیدا نے قصیدہ کہا جس کا مطلع

یہ ہے ۷

چہیست دانی بادۂ گلگون مصفا جو ہے	حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے
----------------------------------	---------------------------------

تمام اہل سخن نے پسند کیا اور خاص و عام میں مشہور ہو گیا۔ ارباب نشاط نے ترافوں میں گایا۔ شاہ جہاں بادشاہ نے بھی سنا۔ باوجودیکہ ایک خیال شاعرانہ تھا۔ اگر قصوف میں بھی لے جانا تو کچھ بات نہ تھی مگر خدا جانے بادشاہ کو کیا خیال آیا کہ سن کر بہت خفا ہوا اور کہا کہ شراب امّ الحباثت جس کی حرمت قطعی قرآن سے اور منافعت و مذمت شریعت سے صاف ثابت اس نے اُسے یہاں تک پہنچا دیا۔ کہہ دو کہ ہماری قلمرو میں سے نکل جائے۔ مگر مقرر بان دربار کی معرفت اُس نے قطعہ مفصلہ ذیل کہہ کر گزرانا۔ اور

پھر بادشاہ کو اپنے حال پر مہربان کیا :-

قطعہ

جہاں پناہا شاہ بقدر جاہ و جلال بوصف میزدہ سر ازین این مصراع خوش اگرچہ لفظش عام است معنیش غامض است چنین کہ میکش اسرار مولوی جامی بوصف مے و صراحی دوبار قفل مے مرا بکفر چہ نسبت بود کہ زنبہ سے مرا چو شاہ براند کجا تو انم رفت	نیا فرید خدا چون ترا عدیل و نظیر کہ گشت دروز بان ہمہ صغیر و کبیر بنخاص عام بود شہرہ همچو بدر منیر کہ ہست گفتہ او دور از در تقصیر بہ از چار قفلش گفتہ فارغ از تکفیر سخن چنین کند و بیچ نالشدش تقصیر بگاہ راندن از کف کجا رود شمشیر
--	---

کنون ز توبہ بعد خطا پذیر ایم
بوصف مے نکشایم لب از در تقصیر

اور جامی کا قول یہ ہے :-

از صراحی دوبار قفل مے	نزد جامی بہ از چار قفل است
-----------------------	----------------------------

سر خوش کہتا ہے کہ شہید اکا ایک مطلع خوب ہے

بسکہ بنگاشتہ اشکم رخ کاہی ازخون	مرثہ ام بستہ ہم چوں پرماہی ازخون
---------------------------------	----------------------------------

مگر پیش مصراع اچھا نہیں پایا - چنانچہ میں کہتا ہوں + سر خوش :-

بسکہ میریزد و سرشک از دیدہ گریان ما	بستہ ازخون چوں پرماہی ہم مرگان ما
-------------------------------------	-----------------------------------

لطیفہ - طالب آملی کہ اپنے عہد کا استاد اور جہانگیر کے شعرا سے
پائے تخت میں تھا اُس کے حق میں بھی کہتا ہے

شب و روز مخدوم ما طالب	پئے جیفہ دنیوی و زنگ ہست
مگر قول پیغمبر آمد بجا	کہ دنیا ست مردار و طالب ملک

لطیفہ - مرزا امر اللہ ولد مہابت خاں خانخاناں کی بھویں کہتا ہے

نہ تنہا من ہمیں گویم کہ امر اللہ مفعولاً خدا ہم گفتہ در قرآن کہ امر اللہ مفعولاً

لطیفہ۔ اظہری ایک شاعر آکھوں سے نابینا تھا۔ ایک دن جلسہ میں بیٹھا ہوا اپنی غزل سنارہا تھا۔ مقطع پڑھا۔

خواہ با اظہری و خواہ بے بیکانہ نشیں | من ہمیں شرم تر با تو نگہباں کر دم |

شبدا ہنس کر بولے کہ۔ بلے مثل ہندی مشہور است۔ زن نابینا را خدا نگہبان است۔ یعنی اندھے کی جو رو کا اللہ بلی ہے۔

لطیفہ۔ ایک دفعہ بادشاہ کشمیر کو گئے وہاں سے شال اور دو شاہی وغیرہ پیشینہ کا بہت سا مال خزانہ میں آیا۔ حکم ہوا کہ لوگوں کی تنخواہ جو ششاہی چڑھی ہوئی ہے چارم حصہ اس میں شالیں دے دو۔ جس طرح سب کو دیا اسی طرح ان کی بھی چٹھی ہو گئی۔ اس نے تکرار کی۔ متصدیوں نے سمجھا یا۔ اس نے ایک نہ سنی آخر رفتہ رفتہ خاص دیوان اعلیٰ تک نوبت پہنچی۔ اُس نے بھی کہا کہ جو سب کو ملا ہے وہی تم کو بھی ملیگا۔ مگر جب اس نے کسی طرح پیچھا نہ چھوڑا تو نواب نے بسا لوں کو حکم دیا۔ انہوں نے سامنے سے ہٹانا چاہا اور اس کی پگڑی سر سے گر پڑی۔ چلا کر عرض کی۔ نواب صاحب سلامت ایک عرض ہے۔ برائے خدا سن لیجئے۔ جب پاس لے گئے تو کہا کہ یہ تو حضور کا دیوان ہے۔ مگر ایک دیوان فدی کا بھی ہے۔ جو عزت میں نے آپ کے دیوان میں پائی ہے وہی عزت آپ میرے دیوان میں پائینگے۔ نواب ہنسنے لگا اور اسی وقت اسکی چٹھی نقدی کی کر دی۔

لطیفہ۔ حکیم حاذق تخلص سے کسی بات پر بگاڑ ہو گیا اسی کی ہجو

لے یہ حکیم حاذق بیٹا حکیم ہام گیلانی کا جو کہ عہد اکبر میں بڑا نامی گرامی رکن دربار اور شیر تدبیر سلطنت کا تھا یہ فتحو ریکری میں پیدا ہوا اور جگایری اور شاہجہانی عہد میں سبزاری درجہ تک منصب حاصل کر کے آگرمیں گوشہ نشین ہو گیا۔

کدی ایک شعر اس میں کا اگرچہ فحش ہے لیکن چونکہ بات خوب نکالی ہے
اس لئے بغیر لکھے رہا نہیں جاتا اہل ادب معاف فرمائیں

برکیر نویسی ار تو حاذق حاجت نشود براے اساک

لطیفہ - میر الہی اپنے عہد کا ایک مشہور اور سلیم الطبع شاعر تھا۔ ایک
صحبت میں اس سے باتوں ہی باتوں میں بگڑا گیا اور فی البدیہہ یہ قطعہ کہہ کر
سنادیا کہ میر صاحب حیران رہ گئے اور سب لوگ ہنسنے لگے +

قطعہ

اے میر من کہ کردہ الہی تخلصی از مرد لائے گرچہ الہی شدن خطا
زین رطب یا بسے کہ بود در کلام تو گر منکر کلام الہی شوم رواست

میر نے بھی اس کے حق میں بہت سی رباعیاں کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی
مگر حق یہ ہے کہ اس کی تلافی نہ ہو سکی +

اس نے ایک شنوی ۱۲ ہزار شعر کی مخزن اسرار کے جواب میں کسی
اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مضامین لطیف اور معانی دلاویز اور پند و نصائح
اور لطافت رنگین سے مالا مال ہے نام اس کا دولت بیدار رکھا +

مطلع

آمدہ سرچشمہ فیض عظیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

در حقیقت داد سخنوری دی ہے اور اس کا ایک ایک شعر ایک ایک کتاب ہے +

اشعار

اے بروے تو گرد آئینہ را روے نیاز شانہ را دست و عاود شب لہ تو دراز

گر بصر او فشانہ دشت پر سنبل شود در بدریا رخ بشوید خار ما ہی گل شود

ہو اے شصت زلف باہی از کوثر بروں آرد	شکر خند تو مور جوہر از خنجر بروں آرد
ہوایت در سرے گنجد کہ در زیر دم غنیت	چو شمع از جیب خود ہر دم سر دیگر بروں آرد

زلف اور ارشتہ جاں گفتم و گشتم نخل	زانکہ ایں معنی چو زلفش پیش پا افتادہ است
-----------------------------------	--

اگر گیسو بر افشانی ہو اور مشک نر پیچی	و گر رضا ر بنائی شب مادر سحر پیچی
فسوں گرد انداز غلکے کہ از بے بویے بار آید	شناسم بویے زلف را اگر در شک نر پیچی
نہن دود ام نہ تو بادی نہ من نفم نہ توشانہ	کہ چون من بیشتر پیچیم تو با من بیشتر پیچی

بدین جن تو نگہ زلف چوں منی گدا داری
کہ گاہے سائبان رخ کنی کہ بر کمر پیچی

زہے زلف و برخ طاعت و گناہ تمام	کہ ایں تمام بود روشن آن سیاہ تمام
من و شبے کہ نگردد بسال و ماہ تمام	توئی و روز وصالے بیک نگاہ تمام

نسودہ زلف سیہ طالع چو نو مشقہ
کہ نافوشته کند دست را سیاہ تمام

اشکم سرخون است گرہ بسندہ بزرگاں	کز جور تو چشمم گزد انگشت بدنیاں
از وحدت و کثرت چو سخن گوید عارف	از دست و دمان تو کند و حجت و برہاں

از روشنی و نیرگی آن عارض و گیسو
چوں صبح تو نگہ بود و شام غریباں

مثنوی

ستایش سزایا ستایش تراست	کہ در ہر نمودے نمایش تراست
دہد ذوق توحید تو در دہن	سخن را زبان و زباں را سخن

باندیشہ راہ تو نتواں سپرد سخن چوں ز حمد تو بند نگار چو چشم ارچہ خود رو سیاه آدم	کہ کس تشنگی ز آب کوثر نہ برد چہ پرورده گوید بہ پروردگار بچندیں زباں عذر خواه آدم
---	--

چو چشم سیہ بہتر است از سفید
بجرم از تو باشد چرا نا امید

میان ناصر علی سرہندی

ناصر علی نام علی تخلص۔ اگرچہ سرہندی مشہور ہے جو کہ پٹیا لہ کا علاقہ ہے۔ مگر درحقیقت لاہور کا رہنے والا تھا۔ چونکہ نہ خود ولایت ذاتھانہ قریب الہمدولابنی زادہ تھا۔ ہندوستانی ہونے کے سبب اہل تصنیف اس کو میاں ناصر علی لکھتے ہیں۔ حقیقت یہ کہ نازک خیالی اور معنی یابی میں بے عدیل تھا مگر مشکل یہ ہے کہ خیال کرتے کرتے ایسا خیال میں غرق ہوا ہے کہ بعض جگہ بالکل شیخ خیالی ہو گیا ہے اور اکثر معنی کی تلاش میں ایسا ڈوبا ہے کہ بے معنی ہو گیا ہے + خان آرزو لکھتا ہے کہ شعراے فارس کے چند طبقے ہیں :-

(۱) رودکی آسدی طوسی فردوسی طوسی وغیرہ +
(۲) نظامی اتوری خاقانی کمال اسمعیل وغیرہ کہ ان کے کلام میں بہ نسبت طبقہ اول کے کچھ فرق ہے +

(۳) سعدی خواجہ حافظ امیر خسرو جامی وغیرہ انہوں نے پہلی طرز میں کچھ اور تبدیلی کی۔ ان کے بعد ایک اور طبقہ پیدا ہوا کہ

لہ سرہندی پیدائش تھی مگر دلی میں پرورش پائی +

ان کے کلام میں رنگینی اور نزاکت زیادہ تر ترقی وہ طبقہ۔
 (۴) عرفی ظہوری وغیرہ ہیں۔ صاحب بھی اگرچہ انہیں میں ہے
 مگر اُس نے کچھ اور عالم پیدا کیا۔ انہیں لوگوں میں جلال اسیر اور قائم شہدی
 اور زلالی وغیرہ ہوئے کہ انہوں نے اپنی طرز کا نام عالم خیال اور عالم معنی
 رکھا۔ یہاں تک کہ اسی میں خود بے معنی ہو گئے۔ اور چونکہ طبیعتیں مختلف
 ہوتی ہیں شعراے ہند کے صاحب طبع لوگوں میں سے بھی بعض بعض لوگ
 اُس رستہ پر گئے چنانچہ شاہ ناصر علی اور بیدل اور ارادت خاں واضح وغیرہ
 انہیں لوگوں میں ہیں۔ بزرگوں کی زبانی منا گیا ہے کہ شیخ علی حزین انکے
 کلام کو سن کر کہا کرتے تھے کہ از نظم ناصر علی و شربیدل بیچ بضم نئے آید
 اگر بایران سے رفتم براے ریشخند یا راں رہ آور دے ازیں خوبتر بنود
 کہتے ہیں کہ پہلے پہلے ناصر علی بہت متقی اور پرہیزگار تھا مگر پھر خدا جانے
 کیا سمجھ میں آیا کہ شریعت کے دائرہ سے نکل کر بے قید مطلق ہو گیا۔ بعض
 کا قول ہے کہ عالمگیر بادشاہ نے اُسے بلایا تھا اسے وہم ہوا کہ خدا جانے
 کیوں بلایا ہے اس لئے جنوں کا بہانہ کر کے کنارہ کیا۔

محمد افضل سرخوش پانی پتی اور مرزا بیدل اس کے ہم عصر اور ہم صحبت
 اور ہم مشق تھے۔ سرخوش اُس کی نہایت تعریف کرتا ہے۔ اُسے
 آبروے ہندوستان لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ افسوس ہے بے فیض
 زمانہ میں پیدا ہوا اس لئے اپنی لیاقت کے لائق عزت نہ پائی۔ کہتا ہے
 کہ میں نے اور اُس نے لڑکیوں سے ساتھ مشق سخن کی اور ساتھ لکھنا پڑھنا
 رہا۔ مگر

طالع شہرت رسوائی مجنوں بیش است	وزنہ طشت من واد ہر دوز یک نام افتاد
ایک دفعہ ابتدا سے مشق میں میں نے اُس سے کہا کہ ان دنوں بعض امرا	

کی صحبت میں گفتگو ہوتی تھی کہ یہ لوگ استادوں کی غزلوں کو اپنے نام سے پڑھتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ آؤ امتحان تو آسان ہے ایک غزل ہم تم طرح کریں۔ اتفاقاً اُن دنوں میں یہی طح درپیش تھی اب استادہ است آفتاب استادہ است یہ سرخوش کہتا ہے کہ پہلے میں نے گھوڑا میدان میں ڈالا ہے

تن ز اشکم تا بہ گردن غرق آبِ ستادہ است	سر بروے آں عیان بچوںِ جبابِ ستادہ است
--	---------------------------------------

حسن مطلع ناصر علی نے کہا ہے

اہلِ ہمت را بنا شد تکبیر بازوے کس	خیمہ فَلَاک بے چو بَطْ طنابِ ستادہ است
-----------------------------------	--

ایک مثنوی یوسف زلیخا کی بحر میں کہی ہے۔ اگرچہ سرخوش بہت تعریف کرتا ہے مگر اصل یہ ہے کہ نزاکت معانی اور لطف الفاظ کے سبب سے مطالب کا پتہ نہیں لگتا ہے

بختِ یک شب از خندیدنِ گل	کہ دیر سو منا تم بود سنبل
بتے میگفت پنہاں با برہمن	خدائے من توئی اے بندہ من

مرا بر صورتِ خود آفریدی	بروں از نقشِ خود آخر چو دیدی
-------------------------	------------------------------

اسی مثنوی میں دارسنہ مزاجوں کی تعریف میں کہتا ہے

بدنیاؤ بہ عقبہ در ستیز اند	چو برق از سر و جانب در گریز اند
----------------------------	---------------------------------

سرخوش کہتا ہے کہ پُرانے دوستوں میں سے ایک بڑھا ہے کہ نام اُس کا لینا اُس کے لئے موجب رسوائی ہے اُس نے اس مثنوی کے مطلع میں اصلاح دی ہے۔ اصل مطلع :-

الہی ذرّہ در دے بجاں ریز	شر در پنبہ زار استخوان ریز
--------------------------	----------------------------

اصلاح	
-------	--

شرر در پنبہ زارِ موسے من ریز	الٰہی ذرّہ در دے بہ تن ریز
سر خوش کتنا ہے ۵	
چو گل خندیدہ بر رویش بگفتم توانم کرد من ہم این فتر کار ہمہ موسے سروریش بسوزم کند زین گو نہ دخل ناپسندی بر اہل سخن این بیت استاد	من این حرف از زبانش چون شغفم چرا این حاجت از حق خواہی بے یار کہ مشتے خس باتش بر فروزم منراے آنکہ در شعر بلندی مناسب تر دریں ہنگامہ افتاد
چراغے را کہ ایزد بر فسر دزد ہر آنکس پُفت ز مہ ریشش بسوزد	
سر خوش اُس کی تعریف میں کتنا ہے ۵	
در شرب دل ولی علی میر علی ز انساں کہ خط کس بخط میر علی	در ملک سخن بود جہانگیر علی باشعر علی نمیرد شعر کسے
ایک دن ان کے کپڑے بہت میلے ہو گئے تھے گھاٹ پر گئے کہ دھوبی سے دھلوا لائیں۔ اُس نے مزدوری مانگی۔ انہوں نے کہا کہ بھائی تم کپڑے دھوؤ۔ اس عرصہ میں جو کچھ مجھے خدا دے وہ تمہارا۔ ان کے انداز کو دیکھ کر دھوبی بھی کچھ سمجھا اور کپڑے دھونے لگا۔ ایک شخص کہ کسی دور دراز شہر کا رہنے والا تھا اور ان کے کلام کو سُن کر غائبانہ متفقہ ہو گیا تھا۔ اتفاقاً اب دانا اُسے دلی لایا۔ وہ لبریز اشتیاق جب گھاٹ پر آیا تو پہلے ہی پوچھا کہ ناصر علی شہر میں کہاں رہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بھائی وہ ایک دیوانہ باؤلا آدمی۔ تم صاحب جاہ و حشم معلوم ہوتے ہو۔ اُس سے مل کر کیا لو گے۔ غرض اسی قیل و قال میں اُسے معلوم ہو گیا کہ حضرت آپ ہی ہیں۔ پہلی ملاقات تھی سرِ دست اُس نے چند اشرفیاں کمر سے کھول کر نذر دیں۔ انہوں نے	

نے اس کے ہاتھ سے لے کر دھوبی کے حوالے کر دیں (دیکھو تذکرہ حکیم قدرت علی قاسم)۔
 نواب ذوالفقار خاں سپہ سالار عالمگیر کی مح میں ایک قصیدہ کہ لے گیا
 مطلع ہی پڑھا تھا کہ ذوالفقار خاں نے ایک لاکھ روپیہ مع خلعت و جواہر
 انعام دیا اور کہا کہ دوسرا شعر نہ پڑھئے کہ میرا خزانہ ان جواہر مضامین کی
 قیمت کے لئے کافی نہیں اور ہاتھی پر سوار کر کے رخصت کیا۔ وہ مطلع یہ ہے :-

اے شانِ حیدری ز جبین تو آشکار
 نام تو در نبرد کند کار ذوالفقار

کہتے ہیں کہ ناصر علی جب وہاں سے نکلا تو اول انعام کے لئے نواب کے
 ملازم اور پھر رستے میں لوگ گرد ہو گئے۔ اس نے بھی ہاتھی ہی پر سے
 بیٹھے بیٹھے تمام روپیہ لٹا نا شروع کیا۔ جب مکان پر پہنچ کر اترتا تو فیل بان
 نے کہا کہ میرا انعام بھی مرحمت ہو۔ ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔ جاؤ یہی ہاتھی
 تمہارا انعام ہے ۛ

دیوان ناصر علی کا دیکھا انتخاب ہے مگر غزلیں کامل بھی ہیں۔ قصیدہ
 مذکور کے بھی دو شعر ہیں مگر جو کچھ ہے پہلا ہی مطلع ہے دوسرا شعر اسکے
 پاشنگ بھی نہیں۔ خدا جانے اور شعروں کا کیا حال ہوگا ۛ

ایک دفعہ غزل کہہ کر مشہور کی اور کہا کہ جو کوئی اس کا جواب کہدے تو
 میں اس کے کلام کو کلام خدا مانوں گا۔ تمام ہندوستان میں غل ہو گیا۔ اس
 زمانہ میں احمد عہد بھی نہایت موزوں طبع صاحب استعداد اور بڑا مشاق
 تھا۔ یاروں کی فرمائش سے اس نے غزل کہی اور حقیقتہً کہ اس نے بھی
 کوئی مرتبہ چھوڑا نہیں۔ شیخ نے اُسے سنا مگر چپکا ہو رہا پھر کچھ کہا
 نہیں۔ چنانچہ وہ دو نوغزلیں یہاں لکھی جاتی ہیں :-

غزل

مقیم کوے تو سختی کشان دل تنگ اند ملاٹمت ز تنگ ظرفی گر یخمتن است شکر لبان دل بیرحم در کیس دارند طلسم صورت مابرتناں شکست آورد	کہ نالہ گر نہ کند فاش آتش سنگ اند کہ شیشہا چو در انداختی ہم سنگ اند بنان ماز برون لعل از دروں سنگ اند وگر نہ دیر و حرم خانہ زاد یک سنگ اند
--	---

ز خامی نمر نو نہال شکوہ ممکن
کہ پختگاں ہمہ بہر شکست خود سنگ اند

غزل احمد عبرت

بو ادنی تو کہ و اماندگان دل تنگ اند جہانیاں چہ قدر محو صورت افتادند تبسم تو بخوں گشتنم مہیا کرد بقید ہوش بیفتند و حشیان جنوں جمال کس چہ حساب است باتو سنجیدن تبسمت چو گل این غنچہ را چہ خوں کہ نکرد نوب بہ رنگ رسد گر فسرودہ طبعان را	ز اشک خویش روان مچو چشمہ سنگ اند ہمہ ز منزل معنی ہزار فرسنگ اند دل من و لب لعل تو شیشہ و سنگ اند اگر چہ جملہ شرارند فارغ از سنگ اند بہ پلہ کہ توئی دیگران چو پا سنگ اند دل من و لب لعل تو شیشہ و سنگ اند بعض حوصلہ چوں طبع خویش بے سنگ اند
---	--

علو مرتبہ عبرت ز فیض عز لہتا ست
وگر نہ قطرہ وگو ہر شرار یک سنگ اند

سرخوش بھی اتنا تو کتنا ہے کہ اس نے اپنے تئیں دیوانہ بنا رکھا تھا اور
آخر کو دلی میں قلبیت کا دعوے کر کے ہو بیٹھا - چھٹی رمضان سالہ ہجری
کو انتقال کیا ہے

وارستہ علی بہمت بے پروا دام چو توجہش سوئے معنی داشت	از راحت و رنج دہر مستغنی رفت دل کندہ ز صورت کدہ ہستی رفت
--	---

سرخوش ز خرد سال وفاتش پُرسید
گفت آہ علی بسالم معنی رفت

چند اشعار اُس کے جو سرخوش نے میر معزم موسوی خاں فطرت کی بیاض
میں انتخاب کئے ہوئے پائے بعض اُن میں سے لکھے جاتے ہیں +

غزل

امشب کہ بے تو بزم سخن نیم رنگ بود
در دل طیش ز جوش خیالِ تورہ نیت
گو در رہت بزمِ شفق فوجِ بسل است
رنگے کہ باز گشت بدلِ نغمِ سنگ بود
آئینہ شد چرخِ کاشانہ تنگ بود
امروز بادلِ کہ خیالاتِ بجنک بود

تا آسمانِ ز دیدہ قربانیاں براست
با آنکہ عشق را بکمالِ یک خدنگ بود

ندارد حسرتِ دل تا بجزینِ بے جوابش را
نظرِ باغِ غافلِ عالمِ پُر از کیفیتِ حسنش
بحشرِ حرفِ بے صوتتِ فریادِ شہیدانش
بشوخیِ پائے او بوسیدنِ قالبِ تہی کردن
ندامِ دلِ شہیدِ کیست لیکن ایں قدرِ دامن
کہ باشد صافیِ آئینہ شبنمِ آفتابش را
بود حکمِ پریِ در شیشہ دارِ رنگِ شرابش را
نمیدانم کہ دادایں سرِ چشمِ نیم خوابش را
کہ امی بے ادبِ تعلیمِ فرما شد رکابش را
کہ از شمشیرِ او رنگِ کیست بوجِ اضطرابش را

بایں شوخیِ غزلِ گفتنِ علی از کس نے آید
بایرانِ میفرستم تا کہ بنویسد جوابش را



میرزا الہ دین موسوی خان فطرت

سید عالی خاندان تھا۔ عہد عالمگیری میں ایران سے ہندوستان میں آئے سرخوش اور ہر ایک صاحب تذکرہ شرافت و نجابت کے ساتھ اس کی خوش خیالی اور معنی آفرینی اور شعر فہمی اور انشا پردازی کے مداح ہیں۔ علم معقولات میں بھی دستگاہ بنے مثل رکھتا تھا۔ چنانچہ خود کہتا ہے اور سچ کہتا ہے ۵

من مرغ خوش تر از باغ فیضیت ام
طبع مرا بزم مرثیہ شاعری چہ کار

صاحب فیضیت ہو کر شاعری میں ایسا صاحب کمال ہونا تعجب کا مقام ہے اس کی بدہیہ گوئی اور بذلہ سخی اور لطیفہ پسندی سے معلوم ہوتا ہے کہ خوش مزاج اور شگفتہ طبع تھا۔ اس قسم کی جوہر دار طبعیتیں اور روشن ذہن قدرتی ہیں۔ جنہیں خدا دیدے دیدے ۶

اس کی عالی خاندانی اور اوضاع و اطوار شریفانہ پر نظر کر کے عالمگیر اُس کی بہن کو باصرہ عقد نکاح میں لایا تھا۔ پہلے فطرت تخلص کیا تھا بعد اس کے موسوی اختیار کیا اور اس سے بہت خوش تھا۔ چنانچہ خطاب خانی کا بھی اسی پر لیا۔ مغرب سخن کو ایسا پہنچتا تھا کہ اُس سے بہتر ممکن نہیں۔ ایک شخص ایران سے تازہ وارد تھا اُس نے ایک جلسہ میں بیان کیا کہ شاہ عباس نے ایک عمارت عالیشان بنوائی تھی اور مرزا صاحب نے اُسکی تعریف میں قصیدہ کہا ہے۔ اُسی میں یہ شعر ہے ۷ :-

چوں لباس غنچہ تنگی میکند بردوش گل | بر شکوہِ ایں عمارت پر نیانِ آسمان

میر موصوف نے اُس کے سامنے اعتراض کیا اور قباحت ظاہر کی۔ چنانچہ سرخوش جس نے اس کی صحبت سے شاگردوں کی طرح فیض پایا تھا کہا کہ

چوں لباس غنچہ مشکفہ تنگی میکند | بر شکوہِ ایں عمارت پر نیانِ آسمان

میر نے سُن کر کہا کہ ہاں اب ٹھیک ہوا ہے
اسی طرح صاحب نے خود ایک دن اپنا یہ شعر پڑھا۔ ع

عیبے بہ عیب خود نرسیدن نیرسد

محمد سعید اشرف نے اس پر اعتراض کیا کہ ایک باسے صلہ اس میں اور چاہئے اور بہت سی رد و بدل کے بعد صاحب کو تسلیم کرنا پڑا۔ گویا اصل میں یوں چاہئے کہ :- عیبے بایں عیب نیرسد کہ آدم بہ عیب خود نرسد
ایک شخص کا شعر تھا کہ

ز تیرہ بجی من آں زماں شدم آگاہ | کہ مادر مریستان خویش کرد سیاہ

میر نے سُن کر کہا کہ مضمون تو بہت خوب ہاتھ آیا ہے مگر شاعر باندھ نہیں سکا
لاؤ اسے درست کر کے باندھیں

ایں تیرگی ز روز ازل داشت کوکبم | مادر نزاہ ام مریستان سیاہ کرد

وجید کا شعر ہے کہ

بر گل بیادِ شمع تو بالے کشودہ است | خاکِ سترم چمن شد و پروانہ ام ہنوز

میر نے سُن کر تاقل کیا اور کہا

شد گرد باد دامن صحرا غبار سن | بر باد رفت خاکم و دیوانہ ام ہنوز

ایک دن کسی کی یہ بیت پڑھتا تھا اور مزے لے لے کر تعریفیں کر رہا تھا

بچہ اندیشہ ام از خاطر ناشاد روی | چہ بخاطر گذرانم کہ تو از یاد روی

سرخوش بھی بیٹھا تھا اس نے سُن کر کہا کہ آؤ اسی کو طرح کر کے طبع آزمائی کریں

آپنہاں زی کہ چو از حادثہ برباد روی | حسن معنی نگہ زار د کہ تو از یاد روی

سرخوش نے کہا ہے

خویش را خاک ہے سازی برباد روی | بہ از انست کہ بر تختِ رواں شاد روی

ایک دن میاں ناصر علی کی اس بیت کا ذکر آیا ہے

ز جوشِ بادہ در دتہ نشیں بالانشیں گردد | ز موجِ خندہ ترسم خطِ بروں آید ازاں لبہا

سرخوش کہتا ہے کہ میر نے اسی وقت کہا مگر معلوم ہوتا تھا کہ بڑی کاوش طبع کر کے کہا ہے

مگر برستی بالیدہ می ناز و مزہ گانش | سخن در برگ گل پیچیدہ میر زباناں لبہا

سرخوش کہتا ہے کہ میں بھی گرتا پڑتا پیچھے پیچھے پہنچا اور کہا کہ

نظر باز لطافتِ برخش بارانِ رآست | سخن نقشِ نگین گشت از فروزینِ رواں لبہا

حسن ابدال کے مقام میں ایک مطلع کہا کہ تمام شعراء پائے تخت میں ایک دھوم مچ گئی

ہیچکس آگہ ز دردِ اشتیاقِ مانشد | نامہ ماچوں زبانِ لال ہرگز وانشد

سرخوش کہتا ہے کہ میں نے بھی ایک مطلع اس پر کہا ہے

ہیچ دلِ رازِ نیتِ دنیا فشاظ افزانشد | عقدہ کا کس از دندانِ گوہر وانشد

شعرا اور سخن فہموں نے کہا کہ سرخوش کا مطلع میر سے بھی اچھا ہوا ہے۔ مگر سرخوش نے خود کہا کہ حق سے نہیں گزرنا چاہئے میر کی تشبیہ نئی ہے میری تشبیہ معمولی اور متعارف ہے۔ میر نے بھی یہ بات سنی اور کہا کہ آفرین ہے طبعِ منصف اسے کہتے ہیں۔

باوجودیکہ اہل ایران ہندوستان کے شاعروں کو کم نظری سے دیکھتے ہیں مگر میر مذکور کے حال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں یہ بات نہ تھی۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ میں نے ہندوستان میں آکر یہی تین شاعر دیکھے۔ غنی۔

ناصر علی - سرخوش - اور حقیقت میں سرخوش کو زبان اور شعر فارسی کا بڑا ذوق تھا۔ ہر ایک کلام کو خیال میں رکھتا تھا اور اُس کی باریکیوں پر نظر رکھتا تھا۔ ایک دن میر موصوف کے پاس کوئی شخص ایک مصرعہ لایا اور کہا کہ اس پر پیش مصرع لگا دو۔ مصرع یہ تھا - ع

فانوس گرد و باد شود بر چراغ ما

میر نے کہا کہ دیکھو میں سرخوش سے پوچھوں گا وہ تازہ گویوں کے کلام پر بہت نظر رکھتا ہے۔ اگر کسی اور نے نہ کہا ہو گا تو میں کمدونگا۔ سرخوش سے پوچھا اُس نے سُنتے ہی کہا کہ صائب کا ہے ۛ

فانوس گرد و باد شود بر چراغ ما

اشفگی ز عقل پذیرد دباغ ما

میر بھی سرخوش پر ایک محبت کی نظر رکھتا تھا اور اس کی باتوں سے محفوظ ہوتا تھا۔ ایک دن دلی کے دیوان عام کے ایک درمیں میر مدوح چند دوست آشناؤں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ سامنے سے دیکھا کہ دو شخص دربار میں سے خلعت پہن کر نکلے۔ سب کو خیال ہوا کہ یہ کون دو شخص ہیں اور کس بات کا خلعت انہیں ملا ہے۔ میر نے سرخوش کو اشارہ کیا۔ یہ گیا تو معلوم ہوا کہ ایک کو صوبہ برار کی حکومت کا خلعت ملا ہے اور دوسرے کو اُس کی شادی کا۔ سرخوش نے آکر کہا کہ جناب ایک کو برار کا خلعت ہوا ہے اور ایک کو درآر کا۔ میر نہایت محفوظ ہوا اور سب لوگ ہنسنے لگے ۛ

لطیفہ - ایک دن کوئی شاعر یادہ گو اپنے اشعار میر کو سنانا تھا اور داد چاہتا تھا۔ کسی مقام پر ایک لفظ غلط ایسا بیہودہ باندھا تھا کہ میر نے ٹوکا۔ اُس نے کہا کہ ضرورت شعر کے لئے۔ میر نے کہا کہ تمہیں شعر کہنا کیا ضرور تھا ۛ

میر نے ایک دن اپنے پیدا ہونے کی تاریخ خود بیان کی کہ :-

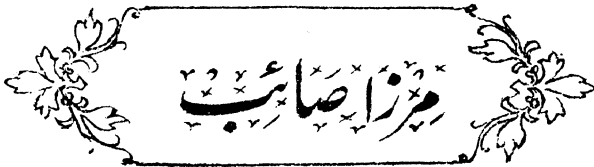
افضل اہل زمانہ (سنتھ)

سرخوش نے عرض کی کہ میں بھی اسی سال میں پیدا ہوا ہوں یہ تو مجھے عنایت ہو کیونکہ میرا تو نام بھی افضل ہے۔ آپ اپنے لئے اور کہہ بیجئے گا۔ ہنس کر کہا کہ اچھا خدا مبارک کرے ۛ
سرخوش اُس کے مرنے کا بہت افسوس کرتا ہے۔ چنانچہ کئی تاریخیں کہیں ایک اُن میں سے یہ ہے ۛ

کشیہ آہ و گشتا عقل تاریخ معزالدین محمد موسوی رفت

دوسری تاریخ کا مادہ یہ ہے - ع

خضر گفتا کجاشد موسوی خاں



نام اس شاعر عالی مقام کا محمد علی وطن شہر تبریز تھا۔ ایسا پُرگو اور خوشگو تازہ خیال اور صاحب کمال بنیں ہوا۔ طرز قدیم میں فقط ادائے طلب اور حسن محاورہ ہوتا تھا۔ ظہوری اور عرفی وغیرہ متاخرین نے استعارہ اور رنگینی حد سے زیادہ کر دی کہ جس سے اشکال زیادہ ہوا اور فصاحت میں خلل آگیا۔ اس نے پھر فصاحت کو بھی زندہ کیا اور استعارہ کی نمکینی کو بھی قائم رکھا۔ اصل وطن اس کے بزرگوں کا تبریز تھا۔ باپ اس کا سوداگر پیشہ تھا۔ شاہ عباس بہت سے اہل تبریز کو اٹھا کر اصفہان میں لایا اور محلہ عباس آباد میں (جو اپنے نام سے تعمیر کیا تھا) آباد کیا۔ اہل تبریز ملک فارس

میں محنت کٹی اور تیز فہمی اور چالاکی میں ایسے مشہور ہیں جیسے ہندوستان میں کشمیری۔ غرض صائب اگرچہ عالم فاضل تو نہ تھا لیکن طبیعت موزوں کے سبب سے شاعری کا شوق رکھتا تھا۔ اول حکیم رکنائے کاشی سے اور پھر حکیم شفیع اصفہانی سے اصلاح لی۔ شاہجہاں بادشاہ کے زمانہ میں بطریق تجارت ہندوستان میں بھی آیا اور شعراے پائے تخت میں داخل ہوا۔ لیکن بسبب حب الوطن کے یہاں دل نہ لگا۔ ظفر خاں سنہ ۱۰۷۱ھ کے ساتھ (جو امرائے عالیشان دربار سے تھا) کشمیر اور کابل سے لے کر دکن تک سیر کی اُس کی تعریف میں چند قصیدے بھی موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ظفر خاں کو بھی جدائی اُس کی منظور نہ تھی۔ سنہ ۱۰۷۱ھ ہجری میں جبکہ صائب اُس کے پاس دکن میں تھا۔ باپ اُس کا محبت پدری سے بیقرار ہو کر یہاں تلاش میں آیا۔ چنانچہ ایک قصیدہ میں رخصت مانگتا ہے اور کہتا ہے

ہفتاد سالہ والد پیراست بندہ را آوردہ است جذبہ گتلخ شوق من زاں بیشتر کز آگرہ بمحورہ دکن دیں راہ دور را ز سرشوق طے کند	کز تربیت بود بیش حق بے شمار از صفہاں باگرہ ولاہوش اشکبار آید عنان گستہ تر از سیل اشکبار باقامت خمیدہ و با پیکر نزار
---	--

دارم امید رخصتے از آستان تو
اے آستان کعبہ امید روزگار

یہاں سے جا کر شاہ عباس کے دربار میں ملک الشعرا ہوا۔ ظفر خاں کی تعریف میں وہاں سے بھی اشعار کہہ کہہ کر بھیجتا تھا چنانچہ ایک دفعہ یہ شعر بھیجا

دور دستان را بہت یاد کردن مردی است
ورنہ ہر نخل پہلے خود ٹرمی افگند

اُس نے پانچزار روپے بیچھے ۛ
 بادشاہِ ایران روم و ترکستان و ہندوستان وغیرہ اس کے اشتیاق میں
 شاہِ ایران کو مراسلے لکھتے تھے اور غزلیں صائب کی بطریقِ تحفہ فرامایش
 کر کے منگاتے تھے۔ ۸۰ ہزار شعر اس کے دیوان میں ہیں نے گئے
 لیکن ناتمام تھا۔ غنی کشمیری کے کلام میں جو کچھ اس نے داد انصاف دی
 ہے وہاں سے دیکھنا چاہئے ۛ

غرض کہ اُس کی تعریف میں تمام تذکرہ نویسوں کی زبان خشک ہوتی ہے۔
 چنانچہ لکھتے ہیں کہ سعدی نے غزل کا قالب ڈھالا۔ بابا فغانی نے اُس میں
 دم ڈالا۔ صائب نے اُسے خلعتِ شامانہ پہنا کر دربار میں نکالا۔ اشعار
 اُس کے خاص و عام کی زبان پر ہیں اور لطف یہ ہے کہ جس سے سنئے
 نیا شعر سننے میں آتا ہے۔ اس کے شعر میں خوبی یہ ہوتی ہے کہ جو مضمون
 باندھتا ہے اُس میں اُس کی مثال بطور ثبوت کے موجود ہوتی ہے کہ
 بات دل پر نقش ہو جاتی ہے۔ اُس طرزِ خاص میں کوئی شاعر اس طرح پابندی
 اس صنعت کی نہیں کر سکا۔ مشقِ کامل اور طبیعتِ نہایت حاضر تھی۔ ایک
 دن ایک شاگرد مصرع بے معنی کہہ کر لایا۔ ع

از شیشہ بے مے مے بے شیشہ طلب کن

صائب نے فوراً کہا

حق را ز دل خالی از اندیشه طلب کن

ایک شاگرد نے چند مصدر بے معنی ایک مصرع میں موزوں کئے۔ صائب
 نے اُس پر ایک ایسا مصرع لگایا کہ شعر برجستہ ہو گیا ۛ

بقدر ہر سکوں راحت بود بگر تفاوت را

دویدن رفتن استادن نشستن خفتن مردن

ایک دن گنتے کو رستے میں بیٹھا دیکھ کر کسی نے یہ مصرع کہا۔ ع

	سگ نشسته ز استادہ سرفراز تر است	
صائب نے اُسی وقت کہا ۛ		
شود ز گوشہ نشینی فزوں رعونت نفس	سگ نشسته ز استادہ سرفراز تر است	
ایک امیر نے ایک مصرع کہا تھا کہ مصرع ثانی اُس کا بہم نہ پہنچتا تھا - ع		
ساغر نیمہ ولبریز نہ دیدہ است کسے		
صائب نے کہا ۛ		
نیم جانی کہ مرا بود رسیدہ است بلب	ساغر نیمہ ولبریز نہ دیدہ است کسے	
ایک دفعہ صائب نے ایک مصرع کہا - ع		
صبارا شرم می آید بروے گل نگہ کردن		
اور دوسرا مصرع نہ بہم پہنچتا تھا - بزاز آیا اور کپڑا دکھایا جب تھان کو تہ کرنے لگا تو نشان پر تہ نہ بیٹھی اتفاقاً مصرع مذکور بھی تلاش مصرع دوم میں اُس کی زبان پر تھا - اُسی وقت شعر پورا ہوا کہ ۛ		
صبارا شرم می آید بروے گل نگہ کردن	کہ رخت غنچہ را و اگر دو نتوانست تہ کردن	
غرض اسی طرح کی رسائی ذہن اور حاضر جوابیاں بہت ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسے شاعری کا شوق دلی تھا کہ کوئی دم اُس سے خالی نہ رہتا تھا اور ہر وقت اُسی کی فکر میں غور کرتا رہتا تھا - منصف اور حق پسند ایسا تھا کہ ایک خرپوزہ فروش اصفہان میں اس صدا سے سروے بیچتا تھا ع		
من قاش فروش دل صد پارہ خویشم		
مرزا کو یہ مصرع بہت پسند آیا - اُس سے کہا - نہایت اصرار سے کئی ہزار روپیہ دے کر یہ مصرع خریدا یعنی شرط کر لی کہ نیچنے میں پھر یہ مصرع نہ پڑھے اور پیش مصرع اُس پر لگا کر مطلع کر لیا ۛ		
من قاش فروش دل صد پارہ خویشم	بختے برد از دل گزر دہر کہ ز پیشم	

مضامین حکمت اور نصیحت اور تجربہ کے بہت کتنا ہے۔ ایک مصرع میں جو کچھ
 کتنا ہے دوسرے مصرع میں شال سے اُسے ثابت کر دیتا ہے۔ بروقت
 گفتگو اور صحبت کے کلام اس کا کارآمد ہوتا ہے۔ سوائے دیوان کے اور
 کوئی کتاب اس کی نظم و نشر میں نہیں دیکھی گئی۔ مگر دیوان بھی کئی کتابوں کے
 برابر ہے۔ درویش اطاع نے اس قسم کے کل اشعار اُس کے دیوان
 میں انتخاب کئے اس کا نام واجب الحفظ رکھا۔ دس ہزار سے کم نہیں +
 وفات صائب کی سن ۱۱۸۷ھ میں ہوئی۔ سرخوش کہتا ہے کہ ایک دن
 میر معزم موسوی خاں کے ہاں میں بیٹھا تھا۔ ایک سوداگر ایران سے آیا اُس
 نے اثنائے تقریر میں یہ ذکر کیا کہ صائب وفات یافت۔ میں نے کہا
 کہ یہی اُس کی وفات کی تاریخ بھی ہے۔ مجھ سے دوستوں نے کہا کہ تم نے
 پہلے ہی کہہ رکھی تھی۔ میں نے کہا کہ دو برس پہلے صاحب کے مرنے کی تاریخ
 کہی تھی کہ صاحب وفات یافت۔ اُسی پر خیال کر کے اب میں نے کہا
 کہ صائب وفات یافت (سن ۱۱۸۷ھ ہجری) +

اصفہان میں ایک سبزہ زار میں نہر کے کنارے مدفون ہے اور یہ شعر
 قبر پر لکھا ہے

اے صبا بر برگہائے غنچہ پا آہستہ نہ
 پاساناں اندکھلا صائباً خوابیدہ است

اشعار منتخب

بارش سفید میکند ابرسیاہ را
 حسن از گفتگی شود افزون کلاہ را
 یوسف کند چگونہ فراموش چاہ را

طاعت کند مرثکب دامت گناہ را
 نقصہ بسرکشان ز تواضع نیرسد
 ز افتادگی بسندِ عزت رسیده است

از عشق پاک دائرہٴ حُسن شد تمام	آغوشِ ہالہ ساخت کمر بستہ ماہ را
خواہد بصد نیاز ز درگاہ بے نیاز	صائب دوام دولت عباس شاہ را
بدینا ساختم مشغول چشم روشن دل را ندانستم کہ خواہد رفت چندی خار در پایم فریب جسم خردم کشتم در گل نشست آخر مرا اگر ہنرم دوزخ کند افسوس جا دارد	بایں یکیش گل سد و کرم روزن دل را شکستم بے سبب در خرّہٴ متن سوزن دل را ہمی ماندم بجا گرے گرفتہ دامن دل را کہ بے برگ از ثمر کرم نہال امین دل را
ز آتشِ طلقناں باغ و بہارے داتم صائب	ندیدم روز خوش تا سر و کرم گلخن دل را
بہر تر دامنے منامے آں آئینہٴ رُو را ترا صد بار کہ نیم ہاں مشتاق دیدارم	مباد از نگ خجلت سبز سازد حرف بدگورا تنہی چشمی ز گوہر کم نمیکرد ترا زورا
تکلف نیست در گفتار رند لاؤبالی را	چنانست دوست میدارم کہ عاشق شعر حالی را
شد از رکاب تو پیدا ہلالِ عید مرا	کشودہ شد در جنت ازیں کلید مرا
آئینہٴ شو وصال پری طلقناں طلب گل میخ آستانہٴ عشق است آفتاب چوں سبزہ زیر نگ حوادث چہ ماندہ معیار دوستانِ غل روز حاجت است	اول بروب خانہٴ دگر میہاں طلب ہر حاجت کہ داری ازیں آستان طلب ہمت زدست و باز و طل گراں طلب قرضے برسم تجر بہ از دوستان طلب
خواہی کہ جاسے ددل شیریں لبان کنی ہمت ز کلک صائب شیریں زبان طلب	

بقراراں را از ازل یکتا سے بے ہننا طلب دست خویش را نہ بکشا پیش دست خاکیاں اہل ہمت را کمزور در دسردادن خطاست عشق آتش دست می بندد و بان عقل را بیچ قفلے نیست در باز را مکان نا پدید گر ز خاک آسودنت آسودہ میگردد خلق چشم چوں بینا شود خضر است ہر نقش قدم آبرو در پیش ساغر ریختن دہن تہی است	چوں شود از دشت غائب بیل در دریا طلب ہر چہ میخواہد دلت از عالم بالا طلب آرزو سے ہر دو عالم را از و یکجا طلب مرہم این زخم از خاکسترد در طلب بتگیہا را کشایش از در دہا طلب تن بجاک تیرہ دہ آسایش دہا طلب رہسربینا چو خواہی دیدہ بینا طلب گردن کجہ میکنی بارے از مینا طلب
ایں جواب آن غزل صائب کہ شاید آگفتہ است اگر تو جو یا طالبی مطلوب بے ہمتا طلب	
بردار دل ز عالم خاکی صفا طلب در جستجوے خانہ در بستہ است فیض روشن نمیشود دل تا ربیک از آفتاب دینا و آخرت چہ بود پیش جود حق پیدانشد کیسکہ دین راہ گم نشد	از تنگنا سے جسم بروں آہوا طلب از فکر بار غیچہ شو انگہ صفا طلب ایں روشنائی از نفس گرم ما طلب ہمت بلند دار ز حق ہر دو را طلب گم نشود ز خود نخست دگر رہنا طلب
صائب دعا سے بے اثران با اثر بود بگزار اثر ز خویش اثر را دعا طلب	
بلند نام نکر و دیکہ در وطن است مثنو بہر تہ پست از سخن متانغ یکیت معنی اگر لفظ بی شمار بود	ز نقش سادہ بود تا عقیق درین است کہ طبل عمر بہتہ در بلندی سخن است یکیت نہ یوسف اگر صد ہزار پیرین است
زمرگ مردہ دلاں از طلب فروماند و گرنہ جامہ احرام اہل دل کفن است	

نه میں اہل خرد آئینہ اسرار بند خاکساری نہ بنائیت کہ دیراں گردد	کہ زخو و بیخبران نیز خبر با دارند سیلہا عاجز کوتاہی ایں دیوار اند
صحبت بحر یفان سید کار ملایید ظاہر نشود در ولادان اثر حرف	بر روی سخن آئینہ تار مدارید در پیش نقش آئینہ تار مدارید
ہر کہ زشت است ہمان زشت بعقبنہ خیزد خازن مرگ مبدل نہ کند گوہر را رحمت از دامن دل گرد گنہ پاک کند	کور از خواب محالست کہ بینا خیزد جاہل از خواب محالست کہ دانا خیزد تیرگی از دل سیلاب بدر یا خیزد
ہنگامہ شراب کمیں گاہ آفت است	در محفلے کہ بادہ خوری بیخبر مباحث
سرے را کہ بالیں بود آستانش	بود بخت بیدار خواب گرانش
در گلستان لبل و در انجمن پروانہ باش کفر و دین را پرودہ دار جلوہ معوقہ ایں ناشوی چشم و چراغ اینجہاں چو آن قباب بے محبت گذراں عمر عزیز خویش را	ہر کجا دایم تماشا گاہے کہ بینی دانہ باش گاہ در بیت المحرام و گاہ در تخانہ باش پوشش تر سنگدست و فرش پروانہ باش در بہاراں عنایب و دخران پروانہ باش
تا مگر صائب چراغ گشتہات روشن شود ہر دل گرے نہ کہ یابی گرد او پروانہ باش	
بدہ مے کہ بر قلب گرد و دوزنیم سراجم چو خشت بالیں بود	ازیں شیشہ چو رنگ بیرون نیم بخم تکیہ ہچوں فلاطون ز نیم

پشت پازن بردو عالم خوش را نیکی کن ریشہ محکم در زمین عاریت چندین کن راہ دور سے پیش داری بار را نیکی کن از برائے زیستن اندازہ تعیین کن	از برائے کام دنیا خویش را نیکی کن نخل فوخیز تو بہر بوستان دیگر است چشم خواب آلودہ را در گوشہ نیاں گزار ہرچہ پیش آورد قسمت بآں خورند باش
---	--

در بروں رفتن ز بیم زندگی غافل مشو فرہی از خوان مردم بخیج باریک آورد	نیستی خضر از گرا بخانان این محفل مشو ہیچو ماہ نو بہر عاریت کاہل مشو
--	--

بمن شد رام آں سر و جوان آہستہ آہستہ زبس گردش گشتم زبس در پایش اقام اڑاں نازک نہال ایدل بوی گل قناعت کن	بلے کمزور میگردد کماں آہستہ آہستہ بمن مائل شد آں سر و رواں آہستہ آہستہ بحاصل میرسد نخل جوان آہستہ آہستہ
--	---

حریص دلبران شہر قزوین نیستی صاحب
بکش خود را بشہر اصغناں آہستہ آہستہ

اگر دل از علائق کسندہ باشی گر بیان تو طوق محنت تست اگر دل بر کنی زیر چار دیوار چخاں گرم از بساط خاک بگزر	بمنزل بار خود آفتندہ باشی گراز کبر و عجب آگندہ باشی در خیبر زجا بر کسندہ باشی کہ شیخ مردم آییندہ باشی
---	--

ترا دادہ است زیباے قاشے
کہ در ہر جامہ زمبندہ باشی

قصاید

ایں چنین ہجران کردار و مدار و پیچ و تاب داستان حسرت از زلف طولانی تراست	زود خواهد خیمہ عمر شدن کوتاہ طناب یک الف داراست از طومار آہ من شہاب
--	--

رشته امید من صد دانه گردید از گره اینمه فریاد من لے چرخ میدانی که چسیت قبله ارباب معنی کعبه اہل نیب از آنکہ رعد ہیبتش گر بانگ برگردون نہ ابر جودش سایہ گر بر روی دریا گسترد تا نگردیدہ است بار خاطر طول سخن تا ز بزم و رزم در عالم بود نام و نشان	چند خواہی داشت گزدون مراد پیچ و تاب از فراق موکب نواب خورشید امتاب آنکہ آمد از فلک اورا ظفر خانی خطاب در کمان توں قنخ را بشکند تیر شهاب چوں صدف آبستن گوہر شود بکر حباب میکنم ختم مدحیت بر دعاے ستجاب تا بود جوہر بہ تیغ و نشہ در جام شراب
دو تنانت رالب پیمانہ بادا بوسہ گاہ دشمنانت را ز زخم تیغ بادا پیچ و تاب	
خوشا عشرت سرے کابل دمان کسارش خوشا و قتیکہ چشم از سوادش سرمچیں گردد ز وصف نالہ اورنگ بر روی سخن دارم نظر گاہ تماشا نیست دروے ہرگز گاہ ہے حساب مدجینان لب بامش کہ میداند بصبح عید میخند و گل رخسارہ صبحش تعالی اللہ از باغ جہاں آرا و شہر آرا خضر تیرے بتاریکی فگند از چشمہ حیواں تکلف بر طرف این قسم ملکہ را بایں زینت	کہ ناخن بردل گل میزند مژگان ہر خارش شوم چوں عاشقان عارفان از جاں گرفتار ش نگہ را چہرہ خون سازم ز سیرا غواں زارش ہمیشہ کاروان مصری آید ببازارش دو صد خورشید روانقاوہ در ہر یکا دیوارش بشام قدر پہلو میزند زلف شب تارش کہ طوبی خشک بر جامانہ است رشک شخشاں بیا ایجا حیات جاوداں برگیر ز انہارش پسہدار چو نواب ظفر خاں بود در کارش
الہی تا جہاں آرا و شہر آرا بجا باشد جہاں آرائی و آرایش کشور بود کارش	
نمیدانند اہل غفلت انجام شراب آخر ز کار افتاد چوں ظالم باہل ظلم پیوند	بآتش میروند این جاہلان از راہ آب آخر کہ بال تیر میگردد پروبال عقاب آخر

مرزا بیدل

عبدالقادور نام بیدل تخلص - مولد ہندوستان - قوم ترک - قبیلہ برلاس سے تھا۔ زور طبیعت اور شوق شاعری میں اہل سخن اس کو رستم فن اور پہلوان سخن کہتے ہیں۔ آغاز شباب میں اعظم شاہ پسر عالمگیر کی سرکار میں نوکر تھا اور اپنے شوق سے شعر کہتا تھا۔ ایک دن دربار میں شعر اے وقت کا ذکر آیا۔ کسی امیر نے کہا کہ مرزا عبدالقادور جو حضور کے دربار میں ملازم ہیں ان سے زیادہ آج کل کوئی شاعر نہیں۔ شاہزادہ نے کہا تعجب ہے کہ ہماری تعریف میں آج تک کچھ نہیں کہا۔ ان سے کہو کہ ایک قصیدہ کہیں تاکہ زور طبیعت معلوم ہو اور بموجب اس کے اضافہ منصب کیا جاوے۔ جب ان کو خبر ہوئی فوراً استعفا دے دیا۔ دوستوں نے بہت سمجھایا مگر قبول نہ کیا۔ نہ پھر کسی کی نوکری کی۔ ڈاڑھی مچھ مٹا کر آزاد ہو گئے۔ یہی سبب ہے کہ ایک لاکھ شعر دیوان میں ہیں۔ مگر ایک شعر کسی کی تعریف میں نہیں۔ بڑھے بڑھے آدمیوں سے (جو اس کے قریب زمانہ میں موجود تھے) سنا گیا کہ بیدل بہت قوی ہیکل آدمی تھا۔ ایک جریب یعنی عصا لوہے کا بہت بھاری ہاتھ میں رکھتا تھا۔ اُسے نولاسی کہتے تھے +

عربی میں استعداد اس کی شافیہ شرح ملا وغیرہ تک تھی۔ فارسی کا حال خود ظاہر ہے۔ کلام ان کا فقط استعارہ اور خیال محض تصوف کے رنگ میں

ہوتا ہے۔ باوجود پرگوئی کے نظم و نشر بہت زبردست لگتا ہے۔ مضامین اس قدر باریک باندھتا ہے کہ اکثر اشعار میں سے معنی بھی شکل نکلتے ہیں۔ مگر اہل ترکستان مثل مولوی روم کے اس کی بھی تعظیم کرتے ہیں۔ چونکہ اہل زبان کے کلام میں بنیاد فصاحت اور صفائی پر ہوتی ہے اس لئے اہل ایران پسند نہیں کرتے۔ بعض محاورات اپنے قیاس سے بھی ایجاد کرتا ہے مثلاً امروز و امشب کی طرح امصبح امشام بولتا ہے کہ یہ محاورہ اہل ایران میں کہیں دیکھا یا سنا نہیں گیا۔ سبب اس کا یہ ہے کہ اول تو اصل ایرانی نہیں ترکستانی ہے۔ دوسرے ہند میں پرورش پائی۔ تیسرے طبیعت چالاک تھی اور خود آذاد مزاج اور خود پسند تھا۔ استاد زبردست کے ہاتھ کے نیچے نہیں نکلا کہ وہ راستہ پر لاتا اس واسطے بے اصول رہ گیا۔ اپنے بیٹے کے مرثیہ میں ایک شخص کہا ہے اُس میں کہتا ہے ۷

ہرگز دو قدم خرام میکاشت	از انگشتم عصا کھفت داشت
-------------------------	-------------------------

اگر فارسی زبان کوئی بولے تو چاہئے کہ جس طرح اہل فارس بولتے ہیں اُس طرح بولے۔ اہل فارس نے آج تک خرام کا شقن کہیں نہیں کہا۔ اسی طرح ترکیب وحشت رم کہ دونوں لفظ مترادف ہیں۔ دیکھو قرآن جو سب زبانوں کے پیدا کرنے والے کا کلام ہے۔ موافق محاورہ اہل عرب کے ہے۔ اگر کہیں محاورہ قریش کے خلاف ہوتا تو سارے فصحا و شعرا اٹھ کھڑے ہوتے اور پیغمبر صاحب کو کہتے کہ یہ کیا قرآن ہے کہ عربی میں ہے اور ہمارے محاورہ کے برخلاف ہے۔ اسی طرح غیر ملک کے آدمی بھی جب فارسی میں بات کریں تو چاہئے کہ فارس والوں کے محاورہ کے بموجب بات کریں۔ اگر اُس کے برخلاف بات کریگا تو وہ فارسی نہ ہوگی۔ ان کے گھر کی باتیں ہونگی ۷

لطیفہ

ایک دن قمر الدین خاں وزیر بادشاہ کے مکان پر گیا۔ وہ نماز پڑھتا تھا کہ نواب محمد امین خاں بھی اُس کی ملاقات کو آیا۔ پہلوان سخن چار ابرو کی صفائی کئے فولاسی آگے رکھے بیٹھے تھے۔ یہ ڈیل ڈول اور رنگ ڈھنگ سب سے مرالا دیکھ کر اُس نے نام پوچھا۔ جب نام سے سلمان معلوم ہوا تو چہیں بجبیں ہو کر پوچھا۔ ریش و بروٹ چرا تراشیدی۔ انہوں نے اُسی وقت شعر کہہ کر پڑھا۔

ریش و بروٹ خویش تراشیدہ ایم ما لیکن دل کسے نہ خراشیدہ ایم ما

چونکہ وہ امیر رکن بادشاہی تھا اور اہل عمل کے ہاتھ سے رنج و راحت ظلم و انصاف سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔ وہ اسے طعن سمجھا۔ گفتگو بڑھنے لگی۔ قمر الدین خاں ڈرا کہ ادھر امارت کا غور ادھر بے دماغی سے مجبور۔ ایسا نہ ہو کسی کا خون ہو جائے۔ نماز توڑ کر آیا اور محمد امین خاں سے کہا کہ آپ نے ان سے بھی ملاقات کی مرزا بیدل صاحب یہی ہیں۔ ادھر ان سے کہا کہ نواب سے ملاقات کیجئے وزیر الممالک بہت سخن فہم اور معنی شناس ہیں۔ غرض اس طرح شر کر دیا۔

لطیفہ

شاعروں کا قاعدہ ہے کہ رات کو خلوت میں جب سب لوگ سو جاتے ہیں یہ اُس وقت فکر سخن میں مصروف ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ مرزا بیٹھے ہوئے شعر کہہ رہے تھے گھر میں چور آیا چونکہ اُس وقت مضمون میں دل لگا ہوا تھا اُس کے لطف میں ان کا جی نہ چلا کہ ادھر متوجہ ہوں چور نے خاطر جمع سے گھر کا مال اسباب نکال کر سمیٹا۔ جب گھڑی باندھ کر لے چلا اُس وقت خیال آیا کہ صبح کو اس بات کا چرچا ہوگا تو لوگ ہنسیں گے کہ اس

ٹویل ڈول پر مرزا بیٹھے رہے اور چور گھر میں سے اسباب باندھ کر لے گیا۔ اپنی نولاسی اٹھا کر ایسی اُس کی کمر پر ٹیکائی کہ چور بچارا اسباب سمیت وہیں رہ گیا۔ صبح کو جب لوگوں کو خبر ہوئی تو بہت حیران ہوئے ۛ

دیوان اور ساقی نامہ اور مشنوی محیط اعظم اور چار عنصر مجالس بیدل اور رفقات بیدل تصنیفات مشہور ہیں۔ بہت سی غزلیں مشکل قافیوں میں اور نئی نئی بحروں میں تصنیف کی ہیں۔ ۱۹۳۰ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ دہلی دروازہ شہر دہلی کے باہران کی قبر ہے۔ تاریخ فوت یہ ہے ۷

آدم کردہ ارباب سخن	از غم آباد جہاں خورم رفت
گفت تاریخ وفاتش ہاتف	میرزا بیدل ازیں عالم رفت

دیوان ان کا بقلم جلی اور تقطیع بڑی۔ خوشخط لکھا ہوا قبر پر رکھا رہتا ہے ۛ

نقل

ایک کابلی سوداگر انار ہندوستان میں بیچنے کو لایا۔ اتفاقاً سب انار اُس کے گل گئے۔ حیران ہو کر چند انار جو باقی تھے بطریق نذر مرزا کے پاس لایا اور عرض حال کیا۔ مرزا نے ایک شعر اُسے لکھ دیا اور نواب لطف اللہ خان کے پاس بھیج دیا۔ وہ شعر یہ ہے ۷

بخیدہ کفشم اگر دندانہ شایع نیست	خندہ دار و جہنم ہم بر سر ز گردی ہاے من
---------------------------------	--

نواب اسے حسن طلب سمجھے کہ شاید مرزا کی جوتی ٹوٹ گئی ہے اور نہایت غنیمت سمجھے۔ اُسی وقت ایک لاکھ روپیہ بھیج دیا۔ میرزا نے کل روپیہ اُسی کابلی کو دے دیا ۛ

خان آرزو میر عبد الولی سوزنی کی زبانی لکھتا ہے کہ ایک دفعہ میں مرزا کے عرس میں گیا۔ تمام شعرا شاہجہان آباد کے جمع تھے اور بوجہ معمول کے کلیات ان کا نکال کر رحل پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے فاتحہ پڑھ کے کہا کہ

خدا جانے مرزا کو بھی میرے آنے کی خبر ہوئی ہوگی یا نہیں۔ یہ کہہ کر میں نے دیوان کھولا تو دیکھا کہ سر صفحہ پر یہ شعر تھا :

چہ مقدار خوں در عدم خوردہ باشم | تو بر خاکم آئی و من مردہ باشم |

چند اشعار ان کے عام نظم بطریق انتخاب لکھے جاتے ہیں :-

رباعی

قوے بہ منتائے زرد و مال خوش اند	قوے بہ تماشاے خط و خال خوش اند
بیدل ہمد را بہ حال بد سے بیند	خوش حال کسانیکہ بہر حال خوش اند
عبرتے کوتالب از ہدایاں بہم دوزد مرا	خندہ ما بسیار کردم۔ گریہ آموزد مرا
کیست از راہ تو چوں خاشاک بردار مرا	شعلہ جاروبی کند تا پاک بردار مرا
در زیر چرخ یک مژہ راحت طبع مار	آفت شناس سایہ سقفت خمیدہ را
مارا بہ غم عشق ہماں عشق علاج است	مہتاب بود پنبہ ناسور کتلاں را
آب در ہر سرزمین دارد جدا خا صینے	نشہ باشد مخمک در ہر طبیعت بادہ را
زیں چمن باد و پیائی قناعت کردہ یم	جام گل تسلیم یاراں ساغر مالالہ است
بگدا از برنگے کہ پرسی داغ تو گردد	چوں سنگ اگر شیشہ بر آئی چہ کمال است
عیشہا کردیم تا بر باد رفت اجزائے ما	خانہ ما بعد ویرانی براے بام داشت
مارا گرم عام تو محتاج غصہ کرد	گر جلوہ قنائل کند آہستہ گدا است
نیست نقیش یا بہ گلزار خرامت جلوہ گر	دفتر برگ گل از دست بہار افتادہ است
دل عمر ہاست آہستہ ترتیب دادہ است	مشقے نیاز جلوہ کہ ایں صفہ سادہ است
شوق فسرودہ از سنگے تازہ میشود	یک برگ کاہ شعلہ و اماندہ را عصا است
بخوان لذت دنیا گزند بسیار است	ترنجبینے اگر ہست بر سر خار است
اوج دولت طبعان دوزے بیش نیست	خاک اگر اموذ بر چرخ است فردا زیر پا است
حرص قانع نیست بیدل مرنہ اسباب جہاں	آنچہ مادر کار داریم اکثرش در کار نیست

غنی کشمیری

نام اس شاعر نازک خیال کا محمد طاہر اور غنی تخلص ہے۔ لطف یہ ہے کہ اس لفظ سے تاریخ اُس کی شروع شاعری کی بھی نکلتی ہے۔ محسن فانی کشمیری کا شاگرد ہے۔ اس تخلص نے اُسے ایسی تاثیر کی تھی کہ قناعت کی دولت سے دل بھی غنی ہو گیا تھا۔ باوجود بے سامانی کے نہایت آسودہ حال سے گزران کرتا تھا۔ طبیعت اس کی بھی مشکل پسند تھی۔ کشمیر میں ایسا شاعر نازک خیال نہیں پیدا ہوا۔ بادشاہ نے اس کا شہرہ سن کر دہلی میں طلب کیا۔ آزاد مزاجی اور تخلص کی تاثیر نے اجازت نہ دی۔ آخر سیف خاں حاکم کشمیر کے نام فرمان پہنچا۔ اُس نے بلا کر فمائش کی۔ غنی نے کہا آپ لکھ دیجیے کہ وہ دیوانہ ہے۔ نہیں آتا۔ حاکم نے کہا کہ بھلے چنگے آدمی کو دیوانہ کیوں کر لکھوں۔ غنی نے اُسی وقت کپڑے پھاڑ دالے۔ اور خاک میں لوٹ کر دیوانوں کی طرح بھاگ گیا۔ لیکن چار دن کے بعد مر گیا۔ اور جس طرح شاعری میں استاد سے سبقت لے گیا تھا مرنے میں بھی سبقت کی یعنی عین جوانی میں مر گیا +

اشعار اُس کے بہت تھے اور مضامین دقیق۔ محمد علی ماہر نے عام فہم اور اچھے اچھے چھانٹ کر دیوان مرتب کیا۔ اسی واسطے اُسکے دیوان میں پوری غزل بہت ہی کم ہے۔ زندگی میں اُس کی دیوان مشہور نہ ہوا بعد مرنے کے ایران توران روم شام ہر جگہ پھیل گیا۔ گویا یہ شاعر اُس نے خود پیش گوئی میں کہا تھا

نہ گرد و شعر من شہوز تا جاں در تنم باشد کہ بعد از مرگ آہونا ذمی آر دہروں بُورا
ایک شعر اُس کا مرزا صائب نے سن کر بہت پسند کیا۔ اکثر پڑھا کرتا تھا اور
باوجود اعلیٰ مرتبہ کمال کے کہتا تھا کہ تمام دیوان کے عوض میں ایک شعر مجھے
دیتے مگر یہی دیتے تھے

حسن سبزے بخت سبز مرا کرد اسیر
دام ہمزنگ زمیں بود گر قنار شدم

خان آرزو یہ نقل لکھ کر کہتا ہے کہ علو حوصلہ اور طبع منصف کا مقتضا ہے
نہیں تو صائب کا دیوان جو ایک دریا ہے ناپید اکنار ہے ایسے ایسے
بہت اشعار اُس میں ہونگے

نقل

غنی کا ایک شعر ہے کہ

موسے بیان شد اگر الہین کردہ جدا کا سہ سہرا ز تن

اور اگر الہین کشمیری زبان میں اُس تا گے کو کہتے ہیں کہ کھار چاک پر باسن
اُتارتے ہوئے لے کر بیٹھتا ہے اور اس سے کاٹ کاٹ کر اُتارتا جاتا ہے۔
جس نے سنا وہ اس شعر کے معنوں میں حیران رہا۔ صائب نے سن کر کہا کہ جو ہر
لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیری ہے اور کسی کاٹنے کی چیز کو کہتے ہیں آفرین
ہے دونوں کی طبع رسا کو اور واضح ہو کہ غنی کے تمام کلام میں یہی ایک کشمیری لفظ
ہے جو اشعار فارسی میں داخل ہوا ہے۔ اس کا سبب بھی یہ ہے کہ ایک
خاص مضمون اور نازک خیال اس کے سبب سے حاصل ہوا ہے

نازک خیالی اور ایہام بندی جو شعراے ہند کا شیوہ ہے وہی اس کا
بھی ہے۔ ایک دن شاہ محمد علی ماہر کے سامنے یہ مطلع پڑھا

بے چراغ نیست اگر بزم خیال غم نیست مصرع ریختہ شمع نیست کہ در عالم نیست

ماہر نے ہنس کر کہا کہ فی الحقیقت مصرع ریختہ کسی شاعر نے کب کہا ہو گا۔
نازک مزاج بھی بہت تھا ۛ

نقل

کہتے ہیں کہ عنایت خاں ولد مظفر خاں حاکم کشمیر نے ایک دن اٹناے
گفتگو میں کہا کہ جو شعر ایک دفعہ پڑھنے سے سمجھ میں نہ آئے اُسے بے معنی
کہنا چاہئے۔ غنی نے اُسی دن سے ملاقات ترک کر دی۔ شاہ ماہر نے
اُس کے مرنے کی تاریخ بھی کہی ۛ

چودادش فیض صحبت شیخ کمال محسن فانی
نتی چوں کرد بزم شیخ را گردید نارنجش
غنی سر حلقہ اصحاب او در نکتہ دانی شد
کہ آگاہی سوئے ملک بقا از ملک فانی شد

اشعار

چو استعداد نبود کار از اعجاز نکشاید
سواد کعبہ کے منظور ارباب نظر باشد
مسیحا کے تواند کردینا چشم سوزن را
بہ سنگ سرمہ حاجت نیت ہرگز چشم سوزن را
ساقی بجام ریز مئے پُر نکال را
ماہ تمام ساز بیک شب ہلال را
تا سرمہ داں سیاہی چشم تو دیدہ است
یکوے فرق نیت میان دو ابرو است
سنگیں دل است ہر کہ بظاہر ملائم است
پہناں درون پنبہ نگرہ پنبہ دانہ را
ہر کس بدر گہ کر مت برد سحفہ
مار از دست خالی خود آستین پر است
جز زیر خاک جائے من خاکسار نیست
روے زمین ز مردم بالانشیں پر است
غنی روز سیاہ پیر کناں را تماشا کن
کہ نور ویدہ اش روشن کند چشم ز لچارا
آب بود معنی روشن غنی
خوب اگر بمنہ شود گوہر است
بگذر از خویش چو بینی دہن تنگ غنی
دل بہ ہستی چو نہی راہ عدم در پیش است
نمیشود سخن پست فطرتاں مشہور
بلند نیست صدا کا سہ سفالیں را

ابوطالب کلیم

کلیم تخلص ابوطالب نام رہنے والا ہمدان علاقہ ایران کا تھا۔ یہ شاعر کامل ابتدائے عمر سے ذوق شاعری میں مبتلا تھا۔ جوانی کے وقت میں بعالم نوجوانی اول دکن میں اور پھر ہندوستان میں آیا۔ نورجہاں ملکہ دوران (کہ طبع موزوں اور ذہن عالی رکھنے سے) اکثر اس سے اشعار میں رد و قدح رکھتی تھی۔ ایک دفعہ کلیم نے کہا۔

ز شرم آب شدم آب را شکستے نیت | | بچہ تم کہ مرا روزگار چوں بشکست
نورجہاں نے کہا۔ تیخ بستہ بشکست ۛ

بعد اس کے ایران گیا اور پھر شاہجہاں کی سلطنت میں آیا ۛ

توفیق رفیق طالب آمد (۲۷۸ھ)

تاریخ اُس کی کمی اور اسی کے عہد میں رونق بازار پائی۔ حاجی محمدجان قدسی کے بعد ملک الشعرا ہوا۔ اور شاہجہاں نامہ میں ہے کہ کلیم ملک الشعرائی کے خطاب سے سرفراز تھا جو حاجی محمدجان قدسی آیا۔ اگرچہ حق ملک الشعرائی کا خطاب اُس کے لئے تھا۔ مگر چونکہ نام نکل گیا تھا اس لئے وہی مشہور رہا۔ بہر حال شیدا وغیرہ منہ زور شاعر حسد کے سبب کہتے تھے کہ وہ لوگ بڑے خوش نصیب تھے جنہوں نے کلیم کی ملک الشعرائی نہ دیکھی۔ اگرچہ علوم رسمی سے بقدر ضرورت آگاہ تھا۔ مگر درحقیقت طبیعت موزوں اور ذہن رسا اور کلام میں لطافت رکھتا تھا۔ اور علاوہ شعر کے تاریخ بہت خوب کہتا تھا۔ قیصر روم نے شاہجہاں کو نامہ لکھا کہ تم فقط بادشاہ ہند ہو

شاہجہاں کیونکہ نام رکھا۔ بادشاہ اور تمام اہل دربار حیران ہوئے۔ کلیم نے یہ شعر لکھ کر پیش کیا۔

ہند و جہاں ز روے عدد چوں برابر است | بر ما خطاب شاہ جہاں زان مسلم است

اگرچہ جیسا اُس کا اعتراض تھا ویسا ہی جواب ہے کیونکہ نام میں معنی لفظ سے چنداں غرض نہیں۔ اور اگر معنوں کا خیال کریں تو ہم عدد ہونے سے دو لفظ حکم میں برابر نہیں ہو سکتے۔ چشتیہ اور شیعہ عدد میں برابر ہیں لیکن معنوں میں بالکل برخلاف ہیں۔ مگر چونکہ وہ زمانہ اسی طرح کا تھا لہذا بموجب حکم شاہی سونے میں تولایا گیا۔

کشمیر کی عمارات پر جا بجا اس کی کپی ہوئی تاریخیں کندہ ہیں۔ چشتیہ ورناک پر ۴۴ منزل کشمیر سے اس طرف جو عمارت ہے چشتیہ نر پر یہ تاریخ کندہ ہے۔ ع

از چشتیہ بہشت بروں آمدہ است جوے

تخت طاؤس کی تعریف اور تاریخ میں اکبر آباد کی تعریف اور قحط سالی کن اور صعوبت راہ کشمیر و تعریف بہار کشمیر میں مثنویات رنگین اور نہایت خوش آئند لکھی ہیں۔ اگرچہ ان تصنیفات سے مسافر یا مؤرخ کو کچھ فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا لیکن نازک خیالی اُس کی جس کی زمانہ میں قدر تھی البتہ قابل دیکھنے کے ہے۔ افسوس ہے کہ اُس زمانہ کے صاحب کمالوں کو کام کے فائدہ اصلی کی طرف خیال نہیں ہوتا تھا۔ دل لگی اور طبیعت کی خوشی کو دیکھتے تھے۔ اسی طرح کشمیر و سپر و قلعہ ان دچاقو و قطار غیرہ کی تعریف میں جدا جدا فصاحت کو بضامین عالی صرف کیا ہے۔ ایک دفعہ بادشاہ مست ہاتھیوں کی لڑائی کا تماشا دیکھتا تھا۔ عالمگیر بارہ برس کا تھا۔ گھوڑے پر سوار کھڑا تھا۔ جو ہاتھی کہ غالب آیا تھا وہ عالمگیر پر

حملہ آور ہوا۔ عالمگیر اپنی جگہ سے نہ ہٹا اور ہاتھی کے کان پر نیزہ مارا اور پھر تلوار سے بھی خوب داد مردانگی کی دی۔ کلیم نے اُس کا جنگ نامہ بہت تفصیل سے لکھا ہے اور اس مقام پر کہتا ہے ۵

سناں در تن تیرہ شد چون نہاں | دگر بارہ در رفت آہن بکاں

انجام کو دُنیا سے ہاتھ اٹھا کر کشمیر جنتِ نظیر میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ بادشاہ خدمتِ مہرداری کی دیتا تھا کہ مرتبہ عالی اور کارِ معتبر ہے اس نے یہ شعر لکھ بھیجا ۵

چو مہر تو دارم چہ حاجت بہ مہرم
مرا مہرداری بہ از مہرداری

مذتِ تنک کشمیر میں گوشہ نشین رہا آخر وہیں وفات پائی۔ غنی کشمیری نے تاریخِ کسی ع طورِ معنی بود روشن از کلیم شاہجہاں نامہ میں لکھا ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ بادشاہ نامہ ہمارے نام پر نظم کرے چنانچہ اس کی نظم کے لئے کشمیر میں چند روز سکونت اختیار کی اور نامہ زندگی اس کا وہیں دستِ قضا سے چاک ہوا ۵

اشعار منتخب

ز تیش چاک شد دل چہ نہاں ز دغم اورا | گریباں پارہ شد گل را کجا پنہاں کن بورا
سخن در ہر زباں بے رحمتِ تعلیم میگوید | اگر طوطی بہ بیند بیکرہ آں چشم سخن گورا

دُمبالِ اشک افتم اگر یا ہم دلِ گم کردہ را | از خوں تو اں برداشت پنچیر ناو کن خوردہ را

ہر کس اگر بقدر ہنر بہرہ یافتہ | بایستے آبِ بحر نصیب گھر شود

سرفروش
مراۃ انیال

زخمہائے شائے از زلفت فراہم میشود | بخت اگر یاری نماید مشک مرہم میشود

خندہ بدستی است در ایام ماہیارباش | محتب بوسیکند ایجاد مان بستہ را

بے دیدہ راہ اگر نتواں رفت پس چرا | چشم از جہاں چو بستی ازان میتواں گزشت

دوست ہیچم فروخت با ہمہ یاری | یار فروشی دریں زمانہ ہمیں است

سرور اسایہ یکے بیش نباشد یارب | ایں قدر خاک نشین در تہ آں بالاہیت

میانِ غمگساراں سوزم از غم | چو آں ماہی کہ در دریا بسوزد

اے جس تباہکے از ناگہ گلو پارہ کنی | کس دریں بادیدہ دیدی کہ بفریاد رسی

حسن اگر بے پردہ باشد عشق از دہلیوا نہست | بر چراغِ روز بالِ فشانہ پروانہ نیست

اگر جدا نہ تو مے را حلال میدانم | خدا بہ تیغ تو خون مرا حرام کند

سر بلند ہر کجا کمتر سلامت بیشتر | باد نتواند ستم بر نہرہ نوخیز کرد

کلیم بخت تو آنگاہ میشود بیدار | کہ یار سر بکنا رت نہادہ خواب کند

دل را خراب دارم تا بستی نہ بیند | از قفل بے نیاز است تا خانہ دزدارد

خسرو کی طرح یہ شاعر با کمال بھی اکثر جگہ ہندی کے الفاظ استعمال کر جاتا ہے مثلاً:-

ز حسن شستہ دہنی چہ گویم | وز آں بے پردہ محبوبے چہ گویم

محمد قلی سلیم

شاہجہاں کے عہد میں ہندوستان میں آیا اور خوب نام پایا۔ اگرچہ وہ زمانہ ایسا ہنرور پرور تھا کہ اہل کمال بادشاہ کی ملازمت یا کسی امیر وزیر کی خدمت کا محتاج نہ ہوتا تھا مگر سلیم نے اسلام خاں کے توسل میں گزراں کی۔ اس کا کلام صاف اور فصیح اور رنگین اور دلچسپ ہوتا ہے اور ہر شعر طعنے سے خالی نہیں۔ تشبیہ میں کمال رکھتا تھا۔ اگرچہ کم گو تھا مگر خوش گو تھا۔ اس زمانہ کے مصنف اور اہل تذکرہ نے لکھا ہے کہ لوگ مشہور کرتے ہیں کہ سلیم اور لوگوں کے مضمون چڑا چڑا کر باندھ لیتا ہے مگر پھر یہ بھی اکثروں نے لکھ دیا ہے کہ معلوم نہیں یہ بات کیونکر مشہور ہو گئی کیونکہ اشعار اُس کے اس طبع کے مسننہ میں نہیں آئے۔ سچ ہے بد بھلا بد نام بُرا ۛ

اشعار منتخب

مژگان تو بچوں شب بیمار دراز است	تنہا نہ ہمیں زلف تو بسیار دراز است
در خواب حیف باشد چشمے کہ خوش نگاہ است	حاجت بگل ندار و آن گل کہ کجکلاہ است
بر سن نظارہ گل دیدار قرض خواہ است	تا و چہ می نباشد نتواں سچے چمن رفت
ابر روے ہوا دود چراغاں گل است	تو بہار است و چمن بر سر ماں گل است

اشکم ز گفتگو سے تو خاموش میکند	نامت نمی برم کہ دلم گوش میکند
نیک بد زمانہ بروں کردہ ام ز دل	آئینہ ہر چہ دید فرا موش میکند

بر سرم آمد ولے بسیار زود از من گزشت	دولت پیری کہ میگویند شیر تو بود
-------------------------------------	---------------------------------

جو ہر ذاتی ندارد و اختیاج تر بہت	صورت آئینہ را نقاش کے بردار کرد
----------------------------------	---------------------------------

در غمت نالہ مرغ چمن آید بیروں	اگر لب غنچہ کشائی سخن آید بیروں
از وجودم اثر سے بکہ ضعیفی نگذاشت	
چوں جابم نفس از پیرہن آید بیروں	

حاجی محمد جان قدسی

سر خوش

قدسی تخلص محمد جان نام رہنے والا مشہد مقدس کا تھا اسی لئے قدسی تخلص کیا تھا۔ غزل پردازی اور قصیدہ و مثنوی وغیرہ فنون شاعری میں کامل تھا۔ اکثر تذکروں میں اُسے حسانِ زمان لکھتے ہیں۔ ظفر نامہ شاہجہاں نظم شاہنشاہ پر بڑی دھوم دھام سے لکھا ہے۔ یہیں الدولہ آصف خاں جسکے شاہجہاں کے عہد میں جہانگیر کے بعد مصلحت وقت کے لئے چند روز سلطان بلاتی خسرو کے بیٹے کو تخت نشین کر کے لاہور میں لایا۔ اس کے بیان میں کہتا ہے ۷

مداں عیب تنزیر والا گھر	بود آب در شیر گوہر ہنر
-------------------------	------------------------

عبداللہ خاں زخمی کہ ہفت ہزار سوار اور منصب ہفت ہزاری رکھتا تھا۔ جب اُس کا ذکر کسی مقام پر آیا ہے تو چونکہ نام اُس کا بحر میں نہیں آسکتا۔ اس طرح بیان کرتا ہے ۷

نہنگے کہ از غایت احتشام	نہ گنجہ بہ بحر بزرگیش نام
-------------------------	---------------------------

اس طرح کی صد ہا نزاکتیں اور لطافتیں اُس میں پیدا کی ہیں کہ لطف اُن کا دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے + ایک سوداگر نے فیل سفید بادشاہ کی نذر گزارنا۔ تنہیت سواری میں کہتا ہے - رباعی

بر فیل سفیدت کہ مبینا دگزند	شد شیفتہ ہر کس کہ نگاہے افگند
چوں شاہجہاں برا و برآمد گوئی	خورشید شد از سفید صبح بلند

منقح التاریخ

نوکر و ژروہیہ کی تیاری میں جب تخت طاؤس مرتب ہوا سب نے قصیدے اور قطعات اور تاریخیں کہیں مگر قدسی کی تاریخ پسند آئی۔ اور میناے سہر سے اندر گنبد کے لکھی گئی۔

چونکہ تاریخ زباں پر سید از دل
بلغت اور نگ شاہنشاہ عادل

۱۰۲۴ھ

کشیر کی بہار اور راہ ناہموار کے باب میں شہنوی دھچپ لکھی ہے + ایک دفعہ جہاں آرا بیگم دختر شاہجہاں کے لباس میں شمع سے آگ لگ گئی۔ اُس باب میں کہتا ہے۔

پروانہ ز عشق شمع واسوختہ است

تاسرزدہ از شمع چنیں بے ادبی

منقح

واضح ہو کہ سلسلہ میں جبکہ بادشاہ دکن میں تھا یہ حادثہ پیش آیا۔ بیگم مذکور کو اس قدر صدمہ پہنچا تھا کہ زندگی کی امید نہ تھی۔ اتفاقاً ڈاکٹر بوٹن صاحب اُن دنوں وارد مدراس تھے اُن کے علاج سے نہایت جلد بیگم مذکور نے شفا پائی۔ بادشاہ نے بہت کچھ انعام دینا چاہا تھا لیکن اُس عالی ہمت نے اُس کے صلہ میں فقط اس بات کی اجازت چاہی کہ ہماری قوم کو ممالک بنگال میں اجازت کوٹھی کھولنے کی ملے +

قدسی نے ایک سفر میں عبداللہ خاں مذکور کی تعریف میں قصیدہ لکھ کر سنایا۔ عبداللہ خاں سند سے اُٹھ کھڑا ہوا اور دونو ہاتھ پکڑ کے قدسی کو اپنی جگہ پر بٹھایا آپ لباس شب خوابی سے پالکی میں سوار ہو کر لشکر سے باہر نکل گیا۔ تمام مال و اسباب خیمہ و خرگاہ اُسے دے دیا + چند روز کے بعد ایک قصیدہ بادشاہ کی تعریف میں کہا۔ بادشاہ بھی بہت خوش ہوا اور کہا کہ جو انعام عبداللہ خاں نے تمہیں دیا کوئی نہیں

۱۰ یعنی بیزار و برگشتہ ہو گیا ہے +

دے سکتا۔ لیکن سات دفعہ جو اہرات سے منہ بھرا دیا۔ سونے کا طبق اُس کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ خزینہ دار منہ میں جو اہر بھرتا تھا اور وہ طبق میں اگلتا جاتا تھا۔ عبد الحمید لاہوری شاہجہاں نامہ میں لکھتا ہے کہ روزِ جشن ۵۰۰۰۰ جلوس کے دن قدسی نے قصیدہ پڑھا اور بادشاہ نے اُسے سونے میں ٹلوایا چنانچہ ایک من ۱۸ سیر ہوا +

ایک دن کسی ملا کے سامنے اپنی غزل پڑھ رہا تھا۔ جب یہ شعر

پڑھا۔	ساتی بہ صبحی قدرے پیشتر از صبح
	ہر چیز کہ تا صبح شدن تاب ندارم

ایک لڑکا اُسی کتب میں بیٹھا تھا بے اختیار بول اُٹھا کہ بجائے قدرے صبح کے اگر نصف صبح ہوتا تو بہت مناسب تھا۔ چونکہ نصف آدمی تھا قدسی نے بھی اس اصلاح کو تسلیم کیا اور کہا کہ یہ فیضانِ الہی ہے۔ علم و ہنر یا مشق پر منحصر نہیں +

سوائے تصانیف مذکورہ کے اور کسی علم میں کوئی کتاب اُسکی نہیں۔ افسوس ہے کہ یہ طبیعتیں عالی ان لوگوں کی بیجا صرف ہوئیں اور ذہن ہمارے رسا سے کوئی نتیجہ ایسا نہ نکلا جو مفید خاص و عام ہوتا۔ اگر یہ لوگ علوم مفیدہ حاصل کرتے اور عمل کی مشق کو اُس میں ترکیب دیتے اس میں شک نہیں کہ ایجادات عجیب و غریب یا دگار چھوڑتے۔ لیکن ترقی اس امر کی حاکم وقت کی توجہ پر منحصر ہے۔ چونکہ اُس زمانہ میں انہیں بے مصرف چیزوں کی قدر تھی اس واسطے ان لوگوں کے ذہن بھی اُسی طرف متوجہ ہوئے۔ شاہجہاں کے ایام سلطنت میں قدسی فوت ہوا اور بعد اُس کے کلیم ملک الشعرا ہوا +

چند شعر منتخب اُس کے لکھے جاتے ہیں :-

رباعی

ہر کس کہ سخن ز قدر و مقدار کند
خواہی بہر ت عیاں شود پستی جو

کے حالتِ خود تو انداطہار کند
شمشیرِ فرود آید و ہم کار کند

تمہید قصیدہ

من آن نیم کہ کنم سرکشی ز تیغ جفا
دے کہ بگذردم بے کر شمشیر باقی

کے کہ لذتِ پیکان بے نشانی فیت
نہ غم بسینہ نہ پیکان بدل نہ خار بہ پا

شے کہ عقد کشایم بیاض از موش
برائے زینتِ مژگاں بدیدہ خواہم نوں

باب خود چو زمرہ کہے کہ سبز بود

چو شمع زندہ سرخوش دیدہ ام بر پا
نفس کند بدلم کار ریزہ میسنا

وگر نشد بہ نشان آشنا چو تیر خطا
بتنگ عیشی من کس مباد در دنیا

چو طمع جاں بسر انگشتم آید از اعضا
وگر نہ برکت دریا کہے نہ بستہ حنا

نہ شان ابر شناسد نہ شوکت دریا

تمہید قصیدہ

اے مرا بے رخت افتادہ دو عالم ز نظر
خطِ رخسار تو با خویش طلسم دارد

بھربادست تو منشور سخامی طلبید

مردم چشم مرا خاک رہت نور بصر
کہ تو ان خواند نش از رون تو ان کرد از بر

ہمہ گفتند کہ بر آب نوید محضر

گر کند نامیہ را منع نیاید بیرون
غنجہ از شاخ چو پیکان محبت ز جگر

زود بہ کردم من بے صبر داغ خویش را
اول شب میکشد مغلس چراغ خویش را

عیش این باغ باندازه یک تنگدل است | کاش گل غنچه شود تا دل ما بکشايد

در چنین فصلی که بلبل مست گلشن پر گل است | هر که دیدش گفت مضمونے دیں مکتوب نیست

کند چو حرف گرفتار بی مرا تحسیر | بپای خامه سزدگر رقم شود زنجیر

درد دل من ز نیم آلمی روید خار | گلشتم تازه بود بے مدد ابر بهار

عاشقان را بدو محراب حرام است نماز | قبله طاعت محمود با بروے ایاز

من نیگویم بحشمت ز قدم بایزیز | چشم من فرشت است هر جامی نمی پابریز

آلکه هرگز بر نمیدارد قدم از چشم من | حیرتے دارم که نقش پائے او بر خاک صیت

صید سہل گشتہ را معراج جز فقر اک حصیت

دل بزلغش بستہ قدسی چہ میخوای دیگر

از مشنوی

ز پیوند ہر شاخ روید گرہ
کہ ناقص بود ظرف پیوند دار
گل خند را جاے بر سر بود

ز پیوستن خلق بخت سدید بہ
مپیوند با ہیکل زینار
ز قطع تعلق چہ بہتر بود



نام اس کا کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوتا۔ مگر اکثر مصنف حکیم سرمد لکھتے ہیں۔ اور اہل تصوف اس کو ولی خیال کرتے ہیں۔ فرنگستان یا ارمن سے بلباس سوداگری وارد ہندوستان ہوا۔ شہر پٹنہ میں ایک ہندو بچہ پر عاشق ہوا۔ دولت دنیا کے ساتھ دولت ننگ و ناموس اور جوہر عقل و تمیز بھی کھو بیٹھا بلکہ پابند لباس کا بھی نہ رہا اور پھر ہندوستان سے نہ گیا۔ بعض اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ یہودی تھا اور توریت و انجیل کو با تفسیر جانتا تھا اور خوب جانتا تھا۔ بہر صورت آزادانہ حالت میں گزران کرتا تھا اور خوش رہتا تھا۔ سبحان اللہ اگر ایسا موقع ہاتھ آجائے تو اس سے بہتر کیا ہے۔ زمانہ اچھا پایا تھا کہ اس حالت میں بھی اچھی گزرتی تھی اور احتیاج پرودہ فاش نہ کرتی تھی۔ آج ہوتا تو معلوم ہوتی۔ شاہجہاں کا عہد تھا۔ دارا شکوہ کو تصوف کا شوق اور دیوانہ مزاج لوگوں

سے اعتقاد تھا اس لئے دونوں کی خوب گھٹتی تھی۔ ایک دن شاہجہاں کے سامنے بھی اس کی تعریف کی۔ بادشاہ نے عنایت خاں آشنا کو بھیجا کہ جا کر ملے اور اس کے کشف و کرامات کا حال آکر عرض کرے۔ اُس نے وہاں سے آکر یہ شعر پڑھا۔

برسرِ بدر بہنہ کرامات نہمت است
کشفے کہ ظاہر است از کشفِ عورت است

یہاں تک کہ ۹۹ھ ہجری میں جبکہ عالمگیر بادشاہ نے تخت ہندوستان پر تسلط پایا تو اور انتظاموں کے ساتھ اس پر بھی متوجہ ہوا۔ خلافِ شرع امورات سے منع کر کے کپڑے پہننے کی بھی تاکید کی اور انجام یہ ہوا کہ سائلہ ہجری میں شہرِ دہلی میں مسجد جامع کے سامنے خاص بازار کی جانب قتل ہوا۔ اس موقع پر بڑا بہانہ قتل کا یہ رباعی تھی کہ جس سے معراج کا انکار ثابت کیا۔ رباعی

خود بہن تر از سپہر پہناور شد
سرمد گوید فلک با حمد در شد

آنکس کہ سرِ حقیقتش باور شد
ملا گوید کہ بر فلک شد احمد

اس میں بھی شک نہیں کہ دارا شکوہ کے سبب سے عالمگیر کو اس کے ساتھ دل میں غبار تھا۔ ورنہ اگر صاف دل سے دیکھیں تو یہ مضمون باعتبارِ شاعری کے ایک ادعاے شاعرانہ ہے۔ اور اہل تصوف کے کلام میں دیکھیں تو بھی اسی طرح ہزاروں مضامین ہیں۔ جو لوگ ان باتوں کا مذاق رکھتے ہیں وہ تو بہت کچھ حکایتیں اور روایتیں اس باب میں بیان کرتے ہیں لیکن بعض لطیفے البتہ لطف سے خالی نہیں۔

لطیفہ

کہتے ہیں قاضی اور محتسب وغیرہ جو اُس وقت میں روز و شب

ناجائز باتوں کی تلاش اور ممانعت میں سرگرم تھے ایک اُن میں قاضی عبدالقوی بھی تھے اور خاص و عام میں قاضی قوی مشہور تھے وہ اکثر سرمد کے گرد رہتے تھے۔ اور اس کے لئے مخبر لگا رکھے تھے۔ ایک دن ایسے وقت آن لیا کہ پیالہ بنگ کا اس کے ہاتھ میں تھا چاہتا تھا کہ پیئے جو قاضی صاحب آپہنچے۔ کہا کہ او فقیر کیا پیتا ہے۔ سرمد نے کہا بابا جنگل کی بوٹی ہے۔ قاضی نے کہا کہ بنگ نشہ کی چیز ہے۔ اس کا پینا حرام ہے۔ تجھ پر حد شرع جاری کی جائیگی۔ سرمد نے قاضی کے پاٹھالے کا کپڑا چٹکی میں پکڑ کے کہا کہ بابا یہ کیا چیز ہے؟ قاضی سمجھ گیا اور کہا کہ البتہ ریشمی کپڑا پہننا جائز نہیں مگر اس میں ریشم اور سوت ملا ہوا ہے اسی واسطے اسے مشروع کہتے ہیں۔ سرمد نے کہا کہ بابا آخر اس ٹھنڈائی میں بھی تو سونفت کالی مرچیں اور کئی اور چیزیں ہیں؟

لطیفہ

ایک دن سرمد ننگا بازار میں چلا جاتا تھا۔ قاضی کے پیادے پکڑ لے گئے۔ قاضی نے کہا کہ فقیر یہ کیا حرکت ہے پکڑے کیوں نہیں پہنتا۔ کہا کہ بابا کیا کروں شیطان قوی ہے؟

عبرت

سرخوش کہتا ہے کہ ایک دن میں اور ناصر علی سرہندی اور مرزا عبدالقادر بیدل دلی کی جامع مسجد میں حوض کے کنارے پر بیٹھے شعر پڑھ رہے تھے۔ کہ سامنے سے سرمد آیا۔ ہمیں دیکھ کر ہنسا اور یہ شعر پڑھا

دیر است کہ افسانہ منصور کہن شد | انکوں سر نو جلوہ دہم دار و سن را

چنانچہ اس کے دوسرے ہی دن قتل ہوا + یارانِ جلسہ اُس سے یہ بیت سن کر بہت محظوظ ہوئے اور اثنائے شعر خوانی میں پھر اُس سے شعر کی فرمائش کی تو اُس نے یہ شعر پڑھا :

سرحد اگر دازتیم شوئے کہ بامایا ر بود
قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

کہتے ہیں کہ جب جلاؤ شمشیر بکف اُس کے سامنے آیا تو اُسے دیکھ کر کہا کہ تو بہر صورتی کہ می آئی من ترامی شناسم - اور یہ شعر ٹپھکر گرون جھکادی سے

شورے شد و از خواب عدم چشم کشویم
دیدیم کہ باقیست شب فتنہ غنودیم

بہر حال خیالات اُس کے لطیف کیفیت سے خالی نہیں - چنانچہ کہتا ہے :

دوش در آغوش شبنم خفتی لے گل تاسحر
ناز بر بلبل کن دیگر کہ ترداس شدی

رباعیوں میں بہت اچھے اچھے خیالات باندھے ہیں - رباعی

سرد غم عشق بلہوس راندہند
سوز دل پر داندہ کس راندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار
اِس دولتِ سرد بہ کس راندہند

رباعی

سرد اگر کش و فاست خود می آید
بہودہ چرا در پئے اومیگر دی
گر آمدنش رواست خود می آید
بنشیں اگر او خداست خود می آید

رباعی

سرد گلہ جو نشد نکوشد کہ نہ شد
میت کش دہر میشد ی آخر کار
لب بیہودہ گوشت نکوشد کہ نہ شد
کاریکہ نکوشد نکوشد کہ نہ شد

رباعی	
سرمه جسمیت جانش در دست کست	نامیست و لے نشانش در دست کست
میخواست که مرغی شده از دام جند	گداوے شد و ربیانش در دست کست
رباعی	
سرمه که ز جام عشق سستش کردند	بالا بردند و باز پستش کردند
میخواست خدا پرستی و بهشیاری	مستش کردند و می پرستش کردند
دلی کی جامع مسجد کے سامنے ہی اس کی قبر ہے اور اب مکمل سال و ماں عرس ہوتا ہے	
رباعی	
سرمه کله اختصار می باید کرد	یک کار از بس دو کار می باید کرد
یا تن برضاے یار می باید داد	یا قطع نظر ز یار می باید کرد
رباعی	
سرمه تو حدیث کعبه و دیر کمن	در کوچه شک چو گرماں سپر کمن
رو را هر وی ز شیطاں آموز	یک قبله گزین و سجده غیر کمن
رباعی	
آنکس که نزار جهان بانی داد	ما را همه اسباب پریشانی داد
پوشاند لباس ہر اےبے دید	بے عیباں را لباس عربانی داد
رباعی	
احوال شد از زشتی اعمال تباه	جز فضل خدا نیست و گر جاے پناہ
هر چند کہ من ضعیف و ابله و قویست	لا حول ولا قوۃ الا باللہ
رباعی	
یاراں چه قدر راه دوزگی دارند	صحف بہ نعل دین فرنگی دارند
پیوستہ ہم چو مہر ماے شطرنج	در دل ہمہ منکر خانہ جنگی دارند

آبرویِ منتقدین و فخرِ متاخرین مولانا شیخ علی حنین

حزین تخلص محمد علی نام ابن ابی طالب۔ بزرگ اس کے نہایت بزرگ۔ خاندان اُس کا عالی۔ فارس میں سلاطین و امرا کے درباروں میں واجب التعظیم تھا۔ سوانح عمری اپنا جو اُس نے خود لکھا مشہور و مقرب کتاب مقدمات میں گلستاں سے کچھ زیادہ ہے۔ ولایت انگلینڈ کے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اُس کی خوبی عبارت اور حسن مطلب کے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔ احوالات کا خلاصہ اُسی نسخہ سے لکھا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ اصل اُس کی گیلان سے تھی۔ بزرگ اُس کے لاجپان ہیں آکر آباد ہوئے۔ آبا و اجداد اُس کے بھی فاضل اور صاحب تصنیف تھے۔ علوم عقلی و نقلی میں بڑی بڑی کتابیں اُن کی تصنیف ہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ بھری میں دارالسلطنتہ اصفہان میں پیدا ہوا۔ حافظ اس قدر صحیح تھا کہ عالم شیرخوارگی کی باتیں بڑھاپے تک یاد رہیں۔ ۴۴ برس کی عمر میں پڑھنے بیٹھا دو برس میں لکھنے پڑھنے لگا۔ ابتدا سے علم کا ایسا شوق تھا کہ پڑھنے کے سوا کسی بات کا خیال نہ تھا۔ فارسی کی نظم و شعر کی بہت کتابیں دیکھیں اور چند رسالے فقہ منطق اور حکمت کے پڑھے۔ اسی عمر میں یہ حال تھا کہ شعر سن کر جی بے اختیار ہو جاتا تھا۔ خود بھی جو کچھ منہ میں آتا کہتا تھا مگر باپ اور اُستاد کے ڈر سے چھپاتا تھا اور اُن کے منع کرنے پر خیال کر کے چھوڑنے کا ارادہ کرتا تھا۔ پر اصلی شوق ایسا غالب تھا کہ چھوٹ نہ سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ فقہ منطق معانی بیان حدیث وغیرہ

کی سب کتابیں اُس نے پڑھیں۔ اکثر اُن میں سے خود باپ نے پڑھائیں۔ وہ بھی فاضل تھا۔ پانچمزا کتاب اُس کے کتب خانہ میں موجود تھی کہ بہت اُن میں سے خود اُس کی لکھی ہوئی اور صد ہا کتابیں اول سے آخر تک اُسکے قلم کی تصحیح کی ہوئی تھیں چونکہ اُس کا باپ بزرگ خاندان اور رئیس اور نیک اطوار تھا اس واسطے فضلا و شعرا و صاحب کمال اُس کے پاس جمع ہوتے تھے۔ شیخ کو سامان تحصیل کمالات کا اور صحبتیں شایستہ حاصل ہوتی تھیں۔ بعد ازاں علم اخلاق اور تہذیب نفس اور صفائی دل پر متوجہ ہوا اور اس سے بہرہ کافی حاصل کیا۔ علم ہیئت کا شوق ہوا اور انتہا تک کتابیں اُس کی دیکھیں شوق علم میں دن رات اس قدر جانکا ہی سے مصروف تھا کہ دیکھنے والے رحم کھاتے تھے۔ چنانچہ جن دنوں اُسے شوق طب کا ہوا ایک شب کتاب دیکھتے دیکھتے صبح ہو گئی۔ آخر شب باپ بھی اُس کے پاس آنکلا۔ دیکھ کر رویا اور کہا کہ بیٹا میں دیکھتا ہوں کہ تجھے علم کا شوق حرص کے مرتبے کو پہنچ گیا ہے۔ عمر تھوڑی اور ہوس بہت۔ جسم تیرا ایسی محنت کا تحمل نہیں۔ یہ شوق تجھے ایسا کھائے جاتا ہے جیسے تیز تلوار اپنے میان کو کھاتی ہے اور تجھے معلوم نہیں ہوتا اپنے حال پر رحم کر اور ایسے خیالات سے درگزر نہ

ماں باپ نے ہر چند چاہا کہ اپنے سامنے اُس کی شادی ہو جائے مگر اس کے شوق علم اور طبع آزادانہ نے اجازت نہ دی۔ اسی حال میں عبادت الہی اور ریاضت اور شب بیداری سے بھی غافل نہ رہتا تھا۔ گو کہ دیندار تھا۔ لیکن تعصب اُس کے کلام سے کہیں نہیں پایا جاتا۔ ساتھ استعداد کے ذہن رسا تھا۔ فقہ کے مسئلوں کے اختلاف دیکھ کر صبر نہ کر سکا اور خود حدیث کی کتابیں دیکھ کر مرتبہ اجنبہا دکا حاصل کیا۔ اس حال میں بھی شاعری کا شوق ویسا ہی گریباں گیر تھا۔ چنانچہ ایک دن اُس کے باپ کے ہاں

جمع اہل کمال تھا۔ ایک شخص نے مختم کاشی کا شعر پڑھا

اے قامتِ بلند قدماں در کند تو	رعنائی آفریدہ مستِ بلند تو
-------------------------------	----------------------------

حزیں نے بجائے قامت کے لفظ گردن سے اصلاح کی۔ باپ نے کہا کہ میں جانتا ہوں تم اب تک شاعری سے باز نہیں آئے۔ اگر کہہ سکتے ہو تو کچھ اس طرح میں کہو اُس نے فی البدیہہ یہ کہا

صید از حرم کشد خم جو بلند تو	فریاد از تہا دلِ مشکیں کند تو
------------------------------	-------------------------------

سب لوگ حیران ہو گئے اور ابھی آواز تحسین موقوف نہ ہوئی تھی کہ اُس نے کہا

اے رشک طوز آمدت کوئی تھاں	بنشیں کہ باد خوردہ جاننا پسند تو
---------------------------	----------------------------------

سب لوگ اچھل پڑے اور بہت تعریف کی۔ اُس نے یہ شعر اور پڑھا

مشکل شد اس کا دلِ عشق و خوشدل	شاید رسد بخاطر مشکل پسند تو
-------------------------------	-----------------------------

اس پر تو باپ بھی بے اختیار ہو گیا اور اُس نے اسی طرح غزل تمام کی۔ سب اس بدیہ گوئی سے حیران ہو گئے۔ باپ نے یہ غزل لکھنے کو قلمدان دیا اور دے دیا بلکہ کہا آج سے میں نے تجھے شعر کہنے کی اجازت دی کہ خدا نے تجھے طبیعت اس کے قابل دی ہے۔ مگر یہ شرط ہے کہ اب اس میں وقت ضائع نہ کیا کرنا۔ انہیں دنوں فصل بہار کی تھی۔ گلگشت میں گھوڑے سے گر کر اُس کا ہاتھ ٹوٹ گیا اور برس دن تک بیمار رہا مگر اُس حال میں بھی شعر کہے جاتا تھا۔ چنانچہ ایک ساتھی نامہ نزار شعر کا لکھا جس کا مکرلام یہ ہے

خدا یا توئی واقف از راز و بس	بہشت از تو دارند پا کاں ہوں
------------------------------	-----------------------------

من وستی و کج میخانہ	بازادیم خطِ پییمانہ
---------------------	---------------------

بعد ازاں سیاہی شروع کی اور ہر ملک کے عالموں اور صاحب کمالوں سے تحصیل علوم مختلفہ کی کرتا رہا۔ علمائے یہود و نصاریٰ سے ملاقاتیں کیں اور انجیل اور توریت مع شرح کے اُن سے پڑھیں۔ جس مذہب کا

کوئی عالم ملتا تھا اُس سے نہایت شوق سے ملاقات اور خفیہ تحقیقات کرتا تھا۔ دستور نام آتش پرست سے بہت صحبت رہی اور کتابیں زند و اُستا کی پڑھیں اور اکثر مذہب کی کتابوں پر رسالے اور حواشی بھی خود لکھے۔ مالک فارس میں کوئی شہر ایسا نہیں جس کی اُس نے بخوبی سیر نہ کی ہو۔ حج بھی کیا اور زیارات مشہورہ اور غیر مشہورہ بزرگوں کی بہت اعتقاد سے حاصل کیں۔ کئی برس کر بلائے مُعلّے میں رہا۔ اپنے ہاتھ سے ایک قرآن لکھ کر وہاں چڑھایا اور وہاں ایسا کتب خانہ عالی دیکھا کہ کسی شہر میں نہ دیکھا تھا۔ ہزار ہا عجیب و غریب کتابوں کی وہاں سیر کی۔ بندر مسقط اور بندر عباس کے سفر میں صدمہ طوفان کا بھی اُٹھایا اور رستم محوسی کی ملاقات بھی حاصل کی وہ سائل ہیئت اور رصدیہ میں مہارت کمال رکھتا تھا۔ اُس کے پاس رصد اشمرت محوسی کی دیکھی گئی مگر اُس کے اکثر اصول غلط تھے۔ چنانچہ اُس نے سیاروں کی گردش کا حساب کیو مرث کی پیدائش سے شروع کیا ہے۔ اُن کے نزدیک وہی آدمِ اول ہے اور اُسے اس وقت تک چار ہزار برس سے زیادہ گزرے ہیں مگر یہ امر خالی تعجب سے نہیں۔ اگرچہ تنانت طبع کے سبب اُس نے خود مفصل نہیں لکھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آغاز جوانی میں کہیں عاشق بھی ہوا تھا۔ اُسی عالم میں ایک دیوان مُرتب کیا اور اہل کمال میں مقبول ہوا جس کی تفصیل فہرست مضامین میں لکھی جائیگی۔

نقل۔ اُس نے شہر لار میں ایک شخص کو دیکھا کہ چھری ہاتھ میں لئے زخم کاری اپنے بدن پر مارتا ہے اور مرے لینا چلا جاتا ہے۔ آخر معلوم ہوا کہ وہ دیوانہ کسی پر عاشق تھا۔ مشوق اُس کا اہل کو منظور نظر ہوا۔ یہ اُس کے مرنے کی خبر سن کر پہلے تو غش ہو گیا۔

ہوش میں آیا تو جنون تھا۔ اب چند روز سے یہ حال ہے۔ کئی دفعہ لوگوں نے چاہا کہ اُسے پکڑ کر چھری چھین لیں۔ ایک دفعہ زمین پر بچھاڑ کر زبردستی بھی کرنی چاہی۔ اُس وقت اُس نے ایسی عجز و زاری کی کہ سب کو یقین ہوا کہ اگر چھری چھین لینے تو مر جائیگا۔ اتفاقاً تین دن بعد اُس کے پیٹ میں ایک ایسی چھری کاری لگی کہ انتڑیاں نکل پڑیں اور وہ بچار امر گیا۔ شیخ نے اُس وقت یہ رباعی کہی ہے

آنا مکہ غم عشق گزیدہ نہ ہم	در کوئے شہادت آرمید نہ ہم
در معرکہ دو کون فتح از عشق آ	با آنکہ سپاہ او شہید نہ ہم

۳۵ھ ہجری میں جب اُس کی عمر ۳۲ برس کی تھی تو جو جو نکتہ ہمارے باریک اور تحقیقات اور حالات عجیب و غریب اُسے سیر و سفر میں حاصل ہوئے تھے لکھ کر ایک مجلد جمع کیا۔ مگر جب افغانوں نے شیراز پر چڑھائی کی تو ساتھ کتخانہ کے وہ بھی لٹ گیا۔ خود لکھتا ہے کہ جب تک زندہ ہوں اُس کا افسوس رہیگا۔ اگر وہ رہتا تو ایک تحفہ قابل خزانہ سلاطین کے ہوتا۔ اب اُسے شوق گوشہ نشینی کا اور دنیا سے بیزاری ہونے لگی۔ جہاں سبزہ زار اور آب جاری اور دامن کوہ دیکھتا وہیں پہنچتا اور بیٹھ رہتا۔ مگر دوست آشنا پھر جا پہنچتے اور لے آتے۔ اس کے علاوہ محبت والدین کی بھی نیٹھنے نہ دیتی۔ چند سال کے بعد دو سرا دیوان مرتب کیا اور مشنوی تذکرۃ العاشقین لکھی جس کی ابتدا یہ ہے

ساقی ز — مئے موحدانہ	ظلمت بر شرک از میان
باتیرہ دلاں چو لعل نور	در نیم شبان تجلی طور
درودہ کہ ز خود کرانہ گیریم	بیخود رو آں یگانہ گیریم

اُس میں اصمعی کی روایت سے ایک حکایت نقل کی ہے کہ اُس نے

سفر حج میں ایک پتھر پر یہ شعر خون سے لکھا ہوا دیکھا

الا معشر العشاق بالله خبروا | اذا شدّ عشق بالفتی كيف يصنع

۲۰۷ھ ہجری میں اُس کا باپ مر گیا۔ بہت افسوس کیا اور اُس کے غم میں مرثیہ کہا۔ دو برس کے بعد ماں مر گئی۔ وادی اور دو بھائی گھر میں رہے لیکن اُن کی ننگساری اور محبت و شفقت کا بہت شکر گزار ہے۔ اس عالم میں بباعث جو شمش غم کے طبع موزوں سے بہت اشعار پُر تاثیر وارد ہوئے اور تیسرا دیوان مرتب ہوا۔ مگر دنیا سے بیزاری اور شوق گوشہ گزینی کا زیادہ ہو گیا۔ بباعث اپنی عدم پیروی اور بے نظمی ملک کے املاک جس پر گزران منحصر تھی رفتہ رفتہ بالکل جاتے رہے۔ جبکہ افغانوں نے ایران پر تسلط کیا شیخ نے بہت نقصان اور سخت تکلیف اٹھائی۔ تمام کتب خانہ غارت ہو گیا۔ اُس وقت سلطان حسین صفوی بادشاہ تھا۔ سرگردانی سفروں کی بھی زیادہ تر بباعث آشوب افغانی و حملہ ہائے رومی و روسی کے تھے۔ عربستان کا سفر کیا اور خوب سیاحت کی۔ دانشمندی اور معاملہ فہمی اُس کی اس سے قیاس کرنی چاہئے کہ ایک جگہ بے انتظامی اور ملک کی بے بند و بستی کی شکایت میں کہتا ہے کہ آج دنیا بادشاہ باندہیر سے بالکل خالی ہے مگر انگلیں ایک طائفہ ہے کہ وہ لوگ امور معاش اور ضبط ممالک میں صاحب سلیقہ معلوم ہوتے ہیں۔ بند عباس اور مسقط میں اس فرقہ کے لوگوں سے صحبت حاصل ہوئی وہ اس صاحب فضل و کمال کو بہت غنیمت سمجھتے تھے اور ہمیشہ خود اس کے پاس آتے رہتے تھے۔ بعد سلطان حسین کے اُس کا بیٹا شاہ طہماسپ بادشاہ ہوا۔ ایسے نازک وقت میں اُسے نظام مملکت میں صلاحیں نیک دینا رہا۔ اگر وہ سفر میں ہوا تو بھی شاہ اور اُس کے

ارکان دربار نے ایسے امورات میں اُس سے خط و کتابت جاری رکھی۔ وہ مستغنی و بے نیاز کسی بادشاہ کی مصاحبت اور ندیمی کی طرف مائل نہ ہوا اور اسے سخت حقارت سمجھتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ کسی کو مظلوم نہ دیکھ سکتا تھا۔ جس کو ظلم رسیدہ دیکھتا تھا اگر مقابل میں حاکم بھی ہوتا تو خود جا کر سینہ سپر ہو جاتا اور جہاں اپنی بات پیش جاتی نہ دیکھتا وہاں سے نکل جاتا۔ بیاعت اُس کی نیک نیتی اور عالیقدری کے حاکم و محکوم اُس کی بات نہایت عظمت و احترام سے سننے لگتے تھے۔ کوئی شہر اُس کے عقیدت مندوں سے خالی نہ تھا۔ صاحب تدبیر اور ہر دل عزیز ایسا کہ اکثر ملکوں کے فسادوں کو بے حاکم کے رفع کیا۔ اپنی بے نقص دینداری اور سلامتی اور جو ہر کمالات سے ایسا مقبول خلافت تھا کہ جہاں جاتا تھا وہاں کے لوگ اُس سے شادی اور توطن کے لئے التجا کرتے تھے مگر وہ آزاد منش ہرگز قبول نہ کرتا تھا۔ جب مملکت فارس کے انتظام سے مایوس ہوا تو بندر عباس سے قصد ہندوستان کا کیا۔ انگریزی سوداگر جو وہاں تھے اس سے بہت محبت رکھتے تھے۔ خود کپتان جہاز اس کے پاس آیا اور کہا کہ ہندوستان جانا آپ کے لئے مناسب نہیں بہتر ہے کہ سفر انگلینڈ اختیار فرمائیے۔ مگر باتفاق آب و دانہ اُس وقت ایک جہاز سندھ کو جانے والا تھا شیخ سوار ہو کر غرہ شوال ۱۲۶۱ھ ہجری کو ٹھٹھہ میں پہنچا۔ ہر چند بموجب اپنی عادت کے جہاں جاتا تھا اپنے تئیں چھپاتا تھا مگر چونکہ شہرت اور کمالات کے سبب آفتاب سے زیادہ اُس کا نام روشن تھا کچھ ایرانیوں نے پہچاننا اُسی وقت خبر مشہور ہو گئی تمام اعزہ و اراکین موجود ہوئے۔ والد داغستانی صاحب تذکرہ بھی اسی کے ساتھ ہندوستان میں آیا تھا۔ غرض شیخ کو ملک اور آب و ہوا وہاں

لے بھی تحقیق سے معلوم ہوا کہ آغا ملک آباد خاں صاحب اکسٹرا اسٹنٹ کسٹرن ہادر کے بزرگ اور شیخ مرحوم ہندوستان میں ساتھ آئے تھے۔

کی پسند نہ آئی۔ وہاں سے بھکے ہو کر ملتان میں آیا دو برس رہا مگر مقامات گزشتہ میں بھی اور ملتان میں بھی اوضاع و اطوار ہند کا اتنا شاکہ ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ کہتا ہے کہ سوانح عمری وہی تھا کہ اب تک لکھا گیا۔ اس ملک کے داخلہ کو خاتمہ عمر سمجھنا چاہئے۔ پریشانی مملکت ایران کی اب غنیمت معلوم ہونے لگی۔ اس مقام پر وہ نکتہ شناس ہند و اہل ہند کے کچھ خصائل اور خصایص بھی بیان کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہاں کی آب ہوا کی خاصیت ہے کہ بہت اور حمیت اور ہمدردی وغیرہ میں ضعف آجاتا ہے۔ اور اس پر تاریخ ہائے محوس اور حکمائے فارس کے کلام خصوصاً اولاد تیموریہ و بابرہ کے حالات سنداً لکھتا ہے۔ کہتا ہے کہ ولایات شایستہ اور ملکٹے خوش آب و ہوا کا آدمی ہندوستان میں ہرگز نہیں رہ سکتا۔ ہاں اگر کوئی ایسا ہی مانع سخت سد راہ ہو یا بسبب سفلہ مزاجی کے یہاں کی باتوں کا عادی ہو جائے تو رہ جائے۔ اور تماشا یہ ہے کہ اس ملک کے آدمی جو یہاں سے باہر نہیں گئے یہ جانتے ہیں کہ ہم بڑی فارغ البالی میں ہیں۔ یہاں تین چیزوں کے بغیر ہرگز کسی اشراف کا کام نہیں زر زر و افکاری۔ ملک ہائے شایستہ میں جو ایک پیش خدمت سے کام چلتا ہے یہاں دس سے بھی نہیں نکل سکتا۔ اور مقدم تو یہ ہے کہ صاحب سلیقہ آدمی خود یہاں حکم عطا رکھتا ہے۔ لطفت یہ ہے کہ جتنا سامان زیادہ ہوتا جاتا ہے اتنی ہی بے انتظامی اور بے آرامی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ کئی جگہ لکھتا ہے کہ افسوس سفر فرنگ کو چھوڑ کر کیوں ادھر کا سفر اختیار کیا۔ اکثر اشعار میں یہاں کی مذمت کرتا ہے۔ انہیں میں سے ایک شعر ہے

نناس سیرتیت تمنائے مردی	در دیولان ہند کہ انسان شدت
-------------------------	----------------------------

غرض ملتان سے لاہور اور لاہور سے بے آرام ہو کر دلی گیا۔ کہ تخت گاہ شاہی ہے شاید وہاں آرام ملے۔ وہاں خود آشوب قیامت برپا تھا۔ برس دن وہاں رہ کر قصد مراجعت کیا۔ مگر لاہور آکر معلوم ہوا کہ نادر مع فوج کے قندھار پر پڑا ہے اور کابل پر آنے والا ہے۔ شیخ کو یہاں کے رنگ و ڈھنگ سے اُس کشور گیر کے آنے کے آثار معلوم ہو گئے تھے۔ اور یہاں کے بدگمانوں کو بھی خوب دیکھ لیا تھا۔ اس واسطے خیال کیا کہ اگر میں گیا اور پھر نادر آیا تو ہندوستان میرے آنے کو بھی اس میں داخل سمجھینگے اور یہ اپنے لئے موجب بدنامی تصور کیا۔ ناچار اُلٹا دہلی کو پھر گیا۔ اور رطفت یہ ہے کہ اگرچہ شیخ نہیں لکھتا لیکن معتبر لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ دراصل شیخ نادر کی ناموافقت کے سبب سے ہندوستان کی طرف آیا تھا مگر تقدیر نے نادر کو یہاں بھی لا پہنچایا۔ چنانچہ اس کی ایک رباعی بھی اس پر دلالت کرتی ہے ۵

تا چند کمان کیں سیہ توڑ شود
ملکے کہ نصیب پوشیں دوز شود

تا چند زمانہ فتنہ اندوز شود
زید کہ جہانیاں بہ چشمے نہ خرنند

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نادر کے بزرگ شاید پوشیں دوز بھی ہوں۔ نادر کی آمد آمد سن کر شیخ براہِ سلطاں پور و سہرند دہلی میں پہنچا۔ جب نادر وہاں پہنچا تو شیخ نواحِ شہر میں کنارہ کش ہو گیا۔ پھر چند سال دہلی میں آکر رہا اور سالہا ہجری میں سوانح عمری لکھی۔ کہتے ہیں کہ حقیقت میں شیخ ہندوستان کی بے انتظامی سن کر بندگانِ خدا کی اصلاح حال کے لئے آیا تھا اور یہ بھی خیال تھا کہ بابر اور ہمایوں جس طرح

لے بزرگوں کی زبانی سنا گیا کہ محمد شاہ کے دربار اور اہل دربار کی بدحالی کو دیکھ کر پہلے ہی شیخ نے کہہ دیا تھا کہ "اگر حالِ اینست چاداد و زادہ افشار (یعنی نادر) ملک ہند را ہم بیگرد" ۶
۵ رستہ کی بے انتظامی کی بہت شکایت کرتا ہے +

ایران سے مدلائے تھے اُسی طرح یہاں سے مدد لے کر ایران کو نادر اور
افغانوں کے ظلموں سے رہائی دلوائے۔ مگر ملک کا حال پریشان اور دفتر
و دربار کو ابتر دیکھ کر کنارہ کش رہا اور ایسی بے نیازی اور استغناء سے بسر کر گیا
کہ قیامت تک ایرانی فخر کیا کریگے۔ محمد شاہ شہنشاہ ہندوستان خود اُسکی
ملاقات کو آیا۔ شیخ اُس وقت بورے پر بیٹھا تھا کنارہ اُس کا اٹھا کر ایک
قطعہ الماس بقدر رکعت دست نکالا اور سامنے رکھ کر کہا کہ

برگ سبز است تحفہ درویش چہ کند بے نوا، ہمیں دارو

محمد شاہ نے چند مرتبہ کئی لاکھ روپیہ بنام ضیافت دینا چاہا مگر شیخ نے یہی کہا
کہ بہ سیر ہندوستان آمدہ ام برائے گداگری نیامدہ ام۔ بادشاہ نے بہت
البتغا سے وزارت تک دینی چاہی مگر اُس نے قبول نہ کی۔

کلام اُس کا با محاورہ اور متین اور صاف بے اشکال ہے۔ بنیاد اُسکی
نصیحت اور حکمت اور تصوف پر ہے۔ قصائد حمدیں اور اکثر بزرگوں کی
تعریف میں بھی ہیں۔ حافظ کی غزلوں پر اکثر غزلیں اُس نے لکھی ہیں اور خوب
لکھی ہیں۔ بعض حالات سے اُس کے خیالات عجیب قسم کے معلوم ہوتے
ہیں۔ اُس نے اپنے دیوان کو بہت خوشخط لکھوا کر مٹلا کرایا تھا۔ بہت باب
و تعظیم سے چاندی کی رحل پر رکھا رہتا تھا اور صندل کی چوکی پر بیٹھ کر
صدق دل سے تلاوت کی طرح پڑھا کرتا تھا +

شیخ ساتھ جامعیت کمالات کے عالی دماغ اور نازک مزاج بھی اس قدر
تھا کہ اُس کی باتیں قابلِ تحریر ہیں۔ خدمتگار تک بھی صاحبِ علم و کمال۔
اشارت فہم رمز شناس رکھتا تھا کہ فقط اشارتوں پر کاروبار کرتے تھے۔
جو کوئی ملاقات کو جاتا تھا اول وہ گفتگو کر کے دیکھ لیتے تھے اگر لائق ملاقات

۱۰ یہ روایت زبانی ہے کسی کتاب میں نہیں دیکھی گئی + ۱۱ یہ بات سیر السافرین سے معلوم ہوئی ہے +

پاتے تھے تو شیخ کو اطلاع دیتے تھے نہیں تو باہر سے باہر رخصت کر دیتے تھے + نقل - ایک شخص نہایت وجہ دولتمندان ہندوستان سے لباس فاخرہ پہنے ہوئے شیخ کی ملاقات کو گئے۔ نوکر نیا تھا۔ ان کے لفاظ کو دیکھ کر دھوکہ کھایا اور شیخ کو اطلاع کر دی۔ شیخ اُس وقت بے تکلف ایک پاؤں پھیلانے ہوئے کچھ بیٹھا لکھ رہا تھا۔ جب یہ شخص جا کر بیٹھا تو آداب محفل شیخ نے پاؤں سمیٹ لیا اور متوجہ ہو کر نام پوچھا۔ اُس نے کہا محمد ایسیفؒ شیخ نے چیں بجبیں ہو کر پھر پاؤں پھیلادیا اور کہا لاجول ولا قوۃ براے محمد ایسیف پاکشیدن چه احتیاج داشت +

نقل - رات کا وقت تھا نوکر سے پوچھا - ع

از شب چه قدر رسیده باشد

اُس نے وہیں ہاتھ باندھ کر کہا ع

زلفش بکمر رسیده باشد

نقل - اُس کے نوکر کا نام رمضان تھا۔ کھبوں کی کثرت سے شیخ نے گھبرا کر کہا کہ ع

رمضانی گمساں می آیند

اُس نے کہا قربانت شوم ع

ناکساں پیش کساں می آیند

شیخ نے ایک تذکرۃ الشعرا لکھا ہے جس میں ہر شاعر کی کیفیت حال فقط دو تین فقرہ میں ادا کر دی ہے۔ اُس کی بلند نظری کو خیال کرنا چاہئے کہ نظامی گنجوی جس کے خمسہ کا جواب با صواب آج تک کسی سے نہیں ہوا اُس کے حق میں لکھتا ہے کہ در بعضے اشعار مثنویات از حوصلہ شاعری خود لہ جہا ہند کے اکثر محدثین کو محمد ایسیف کہتے ہیں +

بدر اقادہ - ابو الفضل اور فیضی کو لکھتا ہے کہ درزا خان ہندازیں دو برابر
 بہتر ترے برنخاستہ - ہندوستان کے شاعروں میں اکثر مضامین رنگین
 اور مطالب مطلق بہت باندھتے ہیں اور اسی سبب سے ناصر علی اور بیدل
 کے کلام کو پسند کرتے ہیں جو کہ شیخ اور اکثر اہل ایران کے خلاف ہے -
 چنانچہ شیخ اکثر کہا کرتا تھا کہ نظم ناصر علی و نشر بیدل بھسم نمی آید - اگر مر جعت
 ایران دست دہد براے ریشخند بزم احباب رہ آو دے بہتر ازین نیست -
 ہندوستان میں شعرا سے شیخ کی موافقت نہ ہوئی - اول تو باعث نازک
 مزاجی کے اشعار اور گفتار اس کے جو ہند کے باب میں ہوتے تھے اسی
 پر کان کھڑے کرتے تھے دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں سراج الدین علی خان
 آرزو کے شہرہ نے نقارہ تسخیر بجا رکھا تھا اور شیخ بجائے خود جس بے
 کا آدمی ہے خود ظاہر ہے - جہاں جاتا تھا اہل فضل و اہل کمال اس کے
 قدم آنکھوں پر لیتے تھے - خان آرزو کا بڑا فخر تھا تو یہ تھا کہ شیخ کے
 ملک کی زبان اچھی طرح سمجھ لیتے تھے یا کچھ کہہ لیتے تھے - کسی نے شیخ
 کے سامنے خان آرزو کی یہ غزل فخریہ پڑھی ۵

جامہ داری بن از دامن صحرا بخشید

عشق روزے کہ بدل خلعت سودا بخشید

انچہ در کیسہ خود داشت بدریا بخشید

خجل از روے جاہم کہ باین تنگی ظرف

یہاں خان آرزو کی ہر بات سند اور کلام پر ہر محفل میں واہ وا و سبحان اللہ
 کا شور برپا ہوتا تھا - شیخ اپنی جگہ اس مرتبہ عالی پر اس نے سن کر بے تکلف
 پڑھ دیا ۵

انچہ در کا سہ خود داشت بدریا بخشید

خجل از چشم جاہم کہ بیک ظرف تنگ

اور کہا کہ ایں بابا از کیسہ تا کا سہ و از تنگی تا تنگی فرق نمی کند و باز خود را
 شاعر می گوید - خان آرزو کو بھی پہچانے والوں نے یہ خبر جا پہنچائی -

وہ بہت خفا ہوا۔ شیخ کے پاس اول توکس و ناکس کو بار نہ تھی۔ عائد و اراکین اگر جاتے تھے تو بپاس آداب زیادہ گفتگو بھی نہ کر سکتے تھے۔ چہ جائے مباحثہ اور وہ بھی اعتراض اُس کے کلام پر۔ اس واسطے جس جلد گر کی دوکان پر شیخ کی کتا ہیں جاتی تھیں وہاں خاں آرزو نے راہ نکالی۔ اتفاقاً شیخ نے اپنی کسی کتاب کے ورق پر ایک غزل لکھی تھی اور اُس کے گرد ایک سانپ کھینچا تھا۔ لطیفہ اُس میں یہ تھا کہ گویا یہ خزانہ ہے اور سانپ اُس پر برائے حفاظت بیٹھا ہے۔ خان آرزو نے اول اُسکے مطلع ہی پر اعتراض کیا کہ سانپ کا سر کچلنا چاہئے اور چند اعتراض اور بھی لکھے تاکہ شیخ کی نظر سے گزرے۔ بعد ازاں اپنے شاگردوں کو زبانی اُس کے اشعار پر اعتراضات بتانے شروع کئے اور طرفین سے مقدمہ نے طول کھینچا۔ بلکہ شیخ کے دیوان کی رد میں ایک کتاب تنبیہ الغافلین لکھی۔ اُس میں چار سو شعروں پر اعتراض کیا ہے۔ جس کا جواب شیخ نے رجم الشیاطین لکھا۔ اُسی کے دیا چہ میں خان آرزو کی طرف اشارہ کر کے لکھتا ہے کہ یکے از جرگہ حرامزادگان اکبر آباد۔ خان آرزو نے قصائد خاقانی کی شرح لکھی اور اُس میں اکثر اشعار کو بے معنی قرار دیا ہے۔ چنانچہ چند اشعار اُس قسم کے منتخب کر کے شیخ کے پاس بھیجے۔ شیخ نے اُن میں سے اکثر اشعار کے معنی بیان کئے اور دیکھا گیا کہ فقط تصحیف یعنی الفاظ کے غلط پڑھنے سے وہ قباحات واقع ہوئی تھی۔ اس قسم کی رکبک اور خفیف باتوں سے وہ ضلّ علی دماغ دق ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ بابا در ملک ہندوستان اعداد و نماز پنجگانہ راکس نمی داند تا بحقائق علمی و دقائق حکمی چہ رسد۔ اس کے علاوہ بھی اکثر لطائف اور مطالبہ نمکین اُن کے جاری رہتے تھے۔ شیخ نے اپنے شعر

میں لفظ تمیز کو وزن فعیل باندھا۔ خان آرزو نے اعتراض کیا کہ یہ اصل میں بروزن تفعیل ہے۔ کسی نے شیخ کے سامنے پڑھا شیخ نے کچھ جواب نہ دیا۔ بعد سکوت کے اتنا کہا کہ ع

مسکین خراگرچہ بے تمیز است

خان آرزو کے طرفدار شاہ لدھا بلگرامی نے شیخ کے پاس جا کر بے اظہار نام یہ شعر بہانہ اصلاح پیش کیا ہے

بتے دارم کہ باشد از حیاتا طلی تنگش | خاگر پاسے او بوسد ز شوخی می پرنگش

شیخ نے سن کر کہا معلوم می شود کہ از کاسہ لیسان حرام زادہ اکبر آبادیست۔ شیخ یہاں کے اکثر اعتراضوں کو سن کر ہنسا کرتا اور کہا کرتا کہ یہ ہماری زبان ہے کہ جس دن سے پیدا ہوئے یہی زبان کان میں پڑی اور یہی بولتے ہیں۔ متعلقہ کو تقلید چاہئے۔ چار کتابیں کہ صد سال کی تصنیف ہیں غلط سلط پڑھنے سے مرتبہ اعتراض نہیں حاصل ہو سکتا ہے۔ جو محاورہ تم لوگوں کے کان میں نہیں پڑا تم جانتے ہو کہ غلط ہے۔ ایران کی پسنداریاں تک جانتی ہیں۔ خان آرزو کا قول اس باب میں یہ تھا کہ زبان تمہاری بیشک ہے مگر اس قدر فرق ہے کہ ہم نے خاقانی و انوری سے حاصل کی اور تم نے پسنداریوں سے سیکھی۔ پس ایسے دوا ستادوں کے شاگرد کیونکر برابر ہو سکتے ہیں +

شیخ کے جن جن الفاظ پر خان آرزو نے اعتراض کیا ہے ٹیکنید بار نے اُن الفاظ کو تمام و کمال اپنے مصطلحات میں لکھا ہے اور کئی کئی شعر اس کی سند میں اساتذہ متقدمین کے نقل کر کے صاف لکھ دیا ہے کہ جو کوئی اس مادہ میں اعتراض کرتا ہے وہ بباعث اس کی کم نظری کے ہے۔ شیخ ایک صاحب دل حق شناس بے طمع اور بے نیاز تھا۔

تذکرہ بدیعیا
علامہ علی آباد

میری یادداشت میں ایسا آدمی آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ چنانچہ سیر المتاخرین کی جلد دوم صفحہ ۲۰۸ سے ظاہر ہے انتہائی مرتبہ ہے کہ لوگ اُسے خیال کرتے ہیں کہ دست غیب تھا یا جئاتِ ستحر کر رکھے تھے اگر اگلے زمانے کی طرح لوگ سادہ لوح اور وہ خود مکار ہوتا تو ہزاروں مرید جمع کر کے پیر بن بیٹھتا۔ لوگ جو جو باتیں اُس کی نسبت بیان کرتے ہیں ظاہر اخلاف قیاس معلوم ہوتی ہیں مگر چونکہ خاص و عام کی زبانی میں اس واسطے مجھ لکھی جاتی ہیں کہ شجاع الدولہ والی اودھ کے زمانے میں بنارس اور بانس بریلی تک کل اضلاع متعلق لکھنؤ تھے۔ فواب خود اُس کی ملاقات کو بنارس پہنچا۔ ایک دن صبح کے وقت شیخ کے پاس گیا۔ تمام موالی والی باہر رہے۔ دو تین مصاحب ساتھ تھے۔ وقت ناشتا اور چائے کا تھا اپنے قاعدہ کے بموجب شیخ کا خدمت گار سب کے سامنے ایک ایک خوان لایا۔ اُس کا خوان پوش چھینٹ گلکارا بٹھی کہ جھار وغیرہ سے آراستہ تھا سامنے بچھایا۔ چند کچھ نمکین و شیریں اور چند پیالیاں مرتبے و اچار وغیرہ کی کہ سوائے ایران اور جگہ ممکن نہیں چائے کے ساتھ تھیں۔ شجاع الدولہ دیکھ کر حیران ہوا۔ جب باہر آیا تو معلوم ہوا کہ جو لوگ ساتھ تھے ہر ہر تنقش کے لئے ویسا ہی ایک ایک خوان پہنچا تھا۔ شیخ چونکہ اُس کے اندازِ تحییر کو سمجھ گیا تھا۔ کئی سومرتبان مرتبے اور آچار کے بہنگیوں پر بارکرا کے بھجوا دئے ۛ

شجاع الدولہ ایک دفعہ شیخ کی ملاقات کو گیا۔ آصف الدولہ اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لے گیا۔ دو خوان اشرفیوں کے تحائف کے ساتھ پیش کئے۔ شیخ نے پیش خدمت کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا کہ چیزے براے سرشار صاحبزادہ بیارید۔ اُس نے ویسے ہی گیارہ خوان اشرفیوں

کے لاکر حاضر کر دئے ۛ

جو لوگ اُس کی صحبت میں باریاب ہوتے تھے۔ اُن میں سے ایک شخص کی زبانی روایت ہے کہ خدمت گار نے اُن کو کہا کہ مہاجن جس کی کوٹھی سے خرچ اُٹھتا ہے کچھ روپیہ چاہتا ہے۔ شیخ نے تھوڑی دیر تامل کر کے جس حجرہ میں نماز پڑھا کرتا تھا اُس کی طرف اشارہ کیا۔ نوکر وہاں گیا اور جا کر چند ٹوڑے روپیوں کے لایا۔ ملازم مذکور کہتا تھا کہ میں ہر وقت اُس حجرہ میں جانا رہتا تھا پہلے وہاں روپے مطلق نہ دیکھے تھے ۛ

اس میں شک نہیں کہ شیخ ساتھ خدا پرستی کے قناعت اور پاس وضع میں لاثانی تھا۔ دربار محمد شاہ سے بھی مدد اُس کی ہوتی تھی۔ امرائے عمد خصوصاً نواب اودھ و مرشد آباد و بہار و بنگالہ وغیرہ اُس کی خدمت کرنی اپنے واسطے سعادت سمجھ کر خفیہ سلوک کرتے تھے۔ جہلا یہاں کے اُسے دست غیب سمجھتے تھے ۛ

حال اُس کی تجربہ کاری اور دُور بینی اور مصلحت اندیشی کا اوپر بیان ہوا مگر یہ نکتہ بھی قابلِ اظہار ہے کہ شجاع الدولہ نے فوج کپنی سے جب مقابلہ کیا تو اوّل شیخ سے ملاقات کر کے مشورت طلب کی تھی۔ اُس نے اُسی وقت کہہ دیا تھا کہ دانا یان فرنگ از فلا سفہ ایران گوے سبقت برودہ اند تو خود طفل ہستی جنگ تو باینها راست نمی آید۔ چنانچہ انجام اُس کا جو کچھ ہوا ظاہر ہے ۛ

بنارس میں جا کر شیخ کا ایسا دل لگا کہ پھر وہاں سے نہ نکلا۔ چنانچہ خود کہتا ہے ۛ

از بنارس نرم بعد عام ہست اینجا	ہر برہمن بچہ لچھمن رام ہست اینجا
--------------------------------	----------------------------------

آخر سال ۱۱۸۰ ہجری میں فوت ہوا اور اپنی تعمیر کی ہوئی عمارت میں بموجب

اپنے تجویز کئے ہوئے سامان کے مدفون ہوا۔ راقم نے بھی مزار کی زیارت کی ہے۔ سرہانے چراغدان پر خاص اُس کی تحریر سے منقوش ہے ۵

لے روشن از جلال تو شہائے تار ما | صبح قیامت است چراغ مزار ما

اور لوح کے دو پہلوؤں پر منقوش ہے ۵

زباں دان محبت بودہ ام دیگر نمی دامن | ہمی دامن کہ گوش از دوست پیغامے شنید اینجا
حزین از پایے رہ پیمائشے گشتگی دیدم | سرشوریدہ بر بالین آسایش رسید اینجا

بنارس کے لوگ اب تک اُس سے کمال اعتقاد رکھتے ہیں +

جو لوگ شائق علم کے ہوتے ہیں وہ واسطے تیزی ذہن اور حصول علم کے لئے چالیس دن وہاں قرآن پڑھتے ہیں اور کتاب وغیرہ کا مطالعہ کرتے ہیں مشہور ہے کہ علم سے بے بہرہ نہیں رہتے +

جو تبرکات بزرگوں کے اُن کے پاس تھے منجملہ اُن کے ایک کا سہ ہمارے پیغمبر صاحب کی صاحبزادی کا بھی تھا چنانچہ وہ بھی وہاں ایک ایک حجرہ میں رکھا ہے اُس میں مردوں کے جانے کی اجازت نہیں۔ فقط عورتیں جاتی ہیں کو وہاں میلہ ہوتا ہے۔ بلکہ اُسی نام سے اُس کل مکان اور وہاں کے سیلے کا نام فاطمان مشہور ہے +

اللہ

یا محسن قد اتیک المسئ

العبد الراجی رحمۃ ربہ الغفور

محمد المدعو بجلی ابن ابی طالب الجبیلانی

روشن شد از جلال تو شہائے تار ما

صبح قیامت است چراغ مزار ما

حزین زباں رہ پیمائشے گشتگی دیدم
سرشوریدہ بر بالین آسایش رسید اینجا

زباں دان محبت بودہ ام دیگر نمی دامن
حزین از پایے رہ پیمائشے گشتگی دیدم

تفصیل تصانیف

ساقی نامہ ہزار شعر - دیوان اول مشتمل بہ غزلیات و رباعیات و قصائد و مثنوی ۷ ہزار شعر - دیوان دوم ۱۰ ہزار شعر - مثنوی تذکرۃ العاشقین ایک ہزار بیت - دیوان سوم ۴ ہزار شعر - دیوان چہارم ۱۱ ہزار شعر - مثنوی بطرز بوستان مستے بہ خرابات - حاشیہ امور عامہ بہ شرح تجرید - رسالہ تحقیق غنا - رسالہ منطق - توامع مشرقہ در معنی واحد و وحدت الوجود - چند رسائل علم الہیات میں - توفیق توافق حکمت و شریعت میں - توجیہ کلام قدماے مجوس مبدء عالم میں - حواشی بر شرح حکمت اشراق - روائع الحیات - ابطال تنازع برائے طبیعین - شرح رسالہ کلزہ التصوف شیخ اشراق - حاشیہ بر الہیات شفا - حاشیہ بر شرح ہیاکل النور - قرائد الفوائد - رسالہ در مدارج حروف - رسالہ در جفر - فرستامہ - شرح دانی بر فصوص الحکم شیخ محی الدین عربی - مفرج القلوب در طب - تجربات - رسالہ در تجرد نفس - رموز کشفیہ - رسالہ امامت - کنز المرام در قضا و قدر - یہ تصانیف اُس کی سوانح عمری میں درج ہیں - اس کے علاوہ رسالہ صیدیہ تحقیق میں حلال و حرام اور مذکورہ جانوروں کے - رجم الشیاطین اور تذکرۃ الشعراء و تذکرۃ المعاصر میں بھی دیکھا گیا - اور چیدہ چیدہ رسالے مطالب مختلف میں بہت ہیں کہ جس کی تفصیل طول چاہتی ہے اور گنجائش اُس کی اس مختصر میں نہیں ۶

اشعار منتخب

رباعی	بر خیز خربز از سر دُنیا بر خیز	زین کہنہ زمن تو اے میجا بر خیز
	تنہا تو دریں انجمن بیگانہ	بر خیز ازین میانہ تنہا بر خیز

گر رخ بانمانی لے خوش لقا چہ باشد از وصل خود بریدی گوئی چہ چور دیدی شمع جال موئے شد برق و طور را زد از بار ناموافق دوری ضرورت آمد	ما را زماستانی اے دلر با چہ باشد خود فصل ما جہرا کن جور و جہا چہ باشد نار کلیم آن بود نور حسدا چہ باشد گر ساعتی نشینی از خود جدا چہ باشد
انوار مرشد روم شد را ہر حزیں را گر ہمتے بخواہی از اولیا چہ باشد	
از وضع ز خود رنگی یار خرابم فریاد کہ از ہستی من گرد بر آمد موئے بہیں جہرہ ز فودقت کن عیب بالوہ حسن تو ندام خبر از خویش	از حیرت آن آئینہ ز خسار خرابم از شیدوہ آن قامت ز فہار خرابم گر من بہ تجبلی گہ دیدار خرابم چوں بلبل شوریدہ بگلزار خرابم
دیروز حزیں ان مئے وصلش مل و جاں مست امروز ز محرومی دیدار خرابم	
زاہد سیاؤ روئے براہ صواب کن مطرب گفت ز دامن مطلب جدا مباد زاں پیشتر کہ گردش دوراں کند خراب گر عمد گیسوے تو بگلزار سرزند بشنو حدیث حافظ شیریں سخن حزیں	بگذار دل ز دست و ساغر شراب کن دستے بتار و طرہ چنگ در باب کن ساقی مرا بیکد و سہ ساغر خراب کن بفگن بطرہ ناب و سنبل عتاب کن دور فلک درنگ ندارد و شتاب کن
مناجات خدا یا بجاہ خداوندیت طبع نیست از کشت بی صلح بے شرم سارم ز نفس فضول ندارم بجز عجز چیزے بکف بدرگاہت آورده ام عجز خویش	کہ بخشی مقام رضامندیت بخوشنودیت کار دار و دلم ز طاعت مکدر ز عصیان ملول شد از کف مرلفقہ فرصت تلف سراز شرم بے برگی انگندہ پیش

سراج الدین علی خان آرزو

ہندوستان میں ایسا شاعر اور ساتھ اس کے محقق زبان فارسی کا پیدا نہیں ہوا۔ کلام اُن کا بموجب اصول اہل زبان کے نمکین اور رنگین ہوتا ہے۔ صاحب تصنیف اور کثیر التالیف تھے۔ علاوہ شاعری کے زبان کی تحقیقات میں اُن کی طبیعت کو ایک مناسبت خداداد تھی۔ اُنہیں علوم و فنون کے کتب منداولہ پر عبور ہی نہ تھا بلکہ خود استادوں کی کتابوں پر جو شرحیں اور لغت فارسی کے تحقیق اور معانی و بیان میں رسالے اور کتابیں لکھی ہیں اُن سے اُن کا کمال ثابت ہوتا ہے۔ ہندی فارسی عربی کی زبان میں جو سلسلہ اتحاد اصلیت کا ہے یہ اُس کا بہت خیال رکھتے ہیں اور ہر جگہ جاتے جاتے ہیں۔ خان آرزو اگرچہ زبان فارسی میں ٹیک چند بہار سے تحقیق میں فائق نہیں۔ مگر چونکہ تحقیق کے ساتھ زبان عربی اور اُس کے فروع میں کامل تھے اور ساتھ اس کے شاعر بھی تھے اور لطافت اور ظرافت طبع خداداد رکھتے تھے اس لئے فوقیت ثابت ہے۔ نوادر المصادر جو ایک کتاب ٹیک چند بہار نے لکھی ہے ایک جگہ اُس کا حوالہ دے کر خان آرزو اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب ٹیک چند بہار کی تصنیف ہے جو کہ فقیر کے دوستوں میں سے ہے اور درحقیقت مصادر فارسی کو اس میں اس تحقیق سے لکھا ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ ٹیک چند بھی ان کا نام نہیں لیتے جہاں لکھتے ہیں سراج المحققین لکھتے ہیں اور

لے باپ کی طرف سے اور ماں کی طرف سے محمد غوث گوالیاری سے سلسلہ خاندان ملتا ہے (دیکھو خان آرزو)

اُن کے کلام کو سب اہل تحقیق مسلم اور مستند جانتے ہیں۔ خان صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں خود بھی اپنے باب میں بڑے بڑے دعوے تھے۔ چنانچہ کتاب مثنوی کے دیباچہ میں چند شعراے فارس اور ہند کے نام لکھ کر کہتے ہیں کہ۔ ”دریں ولا کہ ہند و شان خالی از اہل کمال است ناموس سخنوری را بزور درگر دن این ہیچہاں بستہ اند“ اگر یہیں تک صبر فرماتے تو چنداں محل شکایت نہ تھا۔ مگر انہیں اس پر صبر نہ ہوا چنانچہ پھر کہتے ہیں کہ۔ ”لطف اینکہ شنیدہ نیشود کہ در ایران ہم شخصے باشد کہ قائم مقام صائب و کلیم باشد“۔ نتیجہ اس کا یہی ہوگا کہ ہند کیا بلکہ اب ایران میں بھی خان صاحب ہی خان صاحب ہیں۔ انہیں خیالات نے براگمیتہ کیا کہ شیخ علی حنین کے دیوان پر تنبیہ الغافلین لکھی اور سمجھ لیا کہ ہم نے اس کے دیوان کو رد کر دیا۔ مگر خان آرزو کے کمال اور تحقیق میں اس سے کچھ نقص نہیں پیدا ہوتا۔ ہاں ایک امر نازیبا ہے کہ انہوں نے ایک اور صاحب کمال کے کمال کو مٹایا۔ یا خود دعوے کمال کا کیا۔ مگر کچھ جھوٹ بھی نہیں کیا۔ کیونکہ وہ خود مرد قابل تھا اور ایسے دعوے کے لائق تھا۔ البتہ تعصب یا نفی جو کہ بمقتضاے بشریت یا لازمہ شعرا و اہل علم ہے وہ ہے ۛ

الطیفہ

ایک نوجوان کہ خان موصوف کو بھی اُس کی طرف نظر تھی سر راہ ملا۔ خان صاحب نے اُسے ٹھیرانا چاہا مگر وہ نہ ٹھیرا۔ انہوں نے باصرار روکا اور یہ شعر پڑھا ۛ

یہ نازیبا غرور لڑکپن میں تو نہ تھا
کیا تم جوان ہو کے بڑے آدمی ہوئے

اس کی تصنیفات اکثر راقم نے دیکھی ہیں عقل حیران ہوتی ہے کہ یہ تصنیف اور استنباط اس تحقیق کے ساتھ بایں کثرت کیونکر ہو سکے۔ تفصیل یہ ہے :- سراج اللغت - چراغ ہدایت - شرح سکندر نامہ - شرح زلیخا - خیابان گلستان - موہبتہ عظمیٰ - عظیمہ کبرے - علم معانی و بیان میں - مثمر - قواعد فارسی میں - داد سخن - تنبیہ العاقلین - شرح گل کشتی مگر قلیل کتاب ہے کہ وارستہ کی شرح گل کشتی کے مسودے خان صاحب کے ہاتھ آگئے تھے انہوں نے اس میں اپنا نام لکھ کر رائج کر دی - اور بہت سی نقلیں کروا کے خود کتاب فروشوں سے بکوائیں تاکہ رواج اس کا ہو جائے چنانچہ آج ہر شخص اس کو خان صاحب ہی کی تصنیف جانتا ہے - قتیل کو خاں صاحب کے اظہار کمال کی تاب نہیں وہ اپنی تصنیفات میں اکثر طنز کر جاتا ہے - چنانچہ چراغ ہدایت میں جہاں خاں صاحب نے لفظ بہار اور بہاری کی توضیح کی ہے تو لکھا ہے کہ بہاری منسوب بہ بہار مانند گلمائے بہاری و نصف نام ہندو کہ تماش بہاری لہل باشد - آرزو مشہور - و تخلص فقیر - کتار بہ تشدید قومیت درہند کہ بارکشند - و درہندی مخفف مستعمل است - سریضاف بکسرین مہملہ و تشدید را نام پارچہ ایست درہند - رکینتان پیر ترسیان بہ قتیل نے اس قسم کے الفاظوں کی تحقیق خان صاحب کے طرز پر کی ہے اور ساتھ اُس کے بہت مکینی سے ظرافت خجج کی ہے اور لکھتا ہے - کہ ہم بھی عربی اردو فارسی یوہانی سریانی انگریزی - پوربی پنجابی - مارواڑی کو یکجا کر کے کچھ لکھینگے اور محاورہ اہل ایران اس کا نام رکھینگے - چنانچہ اولیہ بضم ہمزہ و سکون بائے فارسی و فتح لام ماقبل بائے مختفی چیز بست کہ از سرگین گاؤ یا جیوان دیگر درہند مہمل آرند -

وتنور و اجاق را باں گرم نمایند - مینا نام مرغیت در بنگالہ کہ
ہیچو اطفال حرف میزند و نام دختر باغبان لالہ بختل - تلنگہ لقب پر
بادشاہ فرنگ + اس میں شک نہیں کہ خانصاحب کے کپیتان کی
تحقیق اس تلنگہ کے معنوں سے کچھ رنگیں تر ہے +

قتیل نے اس کے علاوہ بھی بعض اشعار میں جو اس صاحب کمال
سے بمقتضائے بشریت فروگزاشتیں ہو گئی ہیں لکھی ہیں مثلاً اس شعر میں

غیر از برائے یار مئے ناب می برد	ایں ماجرا ہمیں چہ قدر آب می برد
---------------------------------	---------------------------------

معنی اس کے ظاہر ہیں کہ ہمیں اس معاملہ چہ قدر دشوار واقع شدہ -
خان صاحب نے ماجرا آب بردن کو خاص ایک محاورہ سمجھا ہے - اسی طرح

پیش رخت باختہ گل رنگ خویش	بلبل دلسوختہ آہنگ خویش
---------------------------	------------------------

یعنی تیرے رخ کے سامنے گل اپنا رنگ اڑا بیٹھا اور بلبل دلسوختہ
اپنی آواز کھو بیٹھی - خانصاحب نے نفس سوختن پر قیاس کر کے کہا
ہے کہ بلبل دل اپنی آواز جلا بیٹھی یعنی کھو بیٹھی - حقیقت میں ہن لطیف
اس بات کو کب مانیگا پہلے مصرع میں گل سے عام گل مراد ہو - اور
دوسرے میں بلبل سے بلبل دل سے استعارہ کر کے معنی نکالیں -

اور اگر غور سے دیکھو تو تنبیہ الغافلین جو شیخ علی حزین کے دیوان پر
لکھی ہے اس میں اکثر ایسے ایسے اعتراض ہیں کہ یا اسے تعصب
کہیں یا جہالت کہیں کہ ایک قباحت دوسری قباحت سے سخت تر
ہے - حقیقت یہ ہے کہ مقلد آدمی سے غیر زبان میں صحت کا تعجب
ہے جتنی غلطی کرے تھوڑی ہے - مگر بلند پروازی ہر شخص پر چوٹ
کرنے سے منہ کی کھانی پڑتی ہے - باوجود اس کے اس اظہار حق
سے بھی درگزر نہیں ہو سکتی کہ طریقہ اس کی تحریر کا ایسا چست ہے

کہ مناظرہ کی جان ہے اور اعتراضات بلکہ ہر بات کو اس خوبصورتی اور
نمکینی سے بیان کرتا ہے کہ دل نشین ہو جائے اور ہر بار پڑھنے
میں ایک لطف آئے ۞

اشعار منتخب

اگر چہ نیست ز رخسار درخیز ما	خیم شراب شفق گوں بود و فینہ ما
سوال از من مخمور صبح حشر چه شود	دماغ اینکه کسے را دہم جواب کجا
حسن پیدا ز عشق گردیدہ است	ظاہر است ایں زیوسف یعقوب
بیکشی دیوانگان را قید دیگر بودہ است	دور ساغر حلقہ بر زنجیر ما افزودہ است
درید جامہ یوسف کشیدن ماں	گنہ ز جانب سر سنجہ زنجار نیست
در گرہ بستیم چوں خیم حنا	شوق پاوسی کہ ما را در دل است
نشہ کہ یک دو قفس مرغ دل کند آزاد	اگر چہ چشم بتاں را دمام بیماری است
ایں بشارت برسانید بمبرغان اسیر	کاشیاں بردل محزون نفس تنگتر است
قحط بلبل شدہ در باغ ز بید او شما	ایں سخن را برسانید بہ صیادے چند
لے زخم دل ز بہ شدنت در نجالت	بیدرد ماے چشم تھے داشتی چه شد
مہ کامل بنورانی رخ دلبر نمی ماند	اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند
روم ز خویش اگر آن نگار فرماید	جنوں چه کار بود چوں بہار فرماید
شوم غبار و نخیزم ز راہ اوتا حشر	ہمیں قدر زین خاکسار می آید
تا خواندہ نامہ بر سر عاشق زدی زناز	پیغام اشتیاق مرا ایں جواب بود
عقل است سراپمہ تر از عاصی محشر	کز عشق تو ام شور قیامت بسر افتاد
آرزو بر سطر ما سطر زدن بجای صلت	ہست بجای اینکه خواباں ہیں برابر و نیزند
کرد ما را خوش گرفتارے دل او شاد باد	خانہ زنجیر سازان جنوں آباد باد
صنا قصد جان من داری	موشمن بندہ خدا شدہ

نُورُ الْعِیْنِ وَاقِفَتْ

واقف تخلص نورالعین نام رہنے والا بٹالہ کا قاضیوں کے خاندان سے تھا اور باپ اُس کا بٹالہ کا قاضی تھا۔ تحصیل علوم اپنے گھر پر بقدر ضرورت کی اور طبع موزوں کے سبب سے شاعری پر متوجہ ہو کر شاگرد خان آرزو کا ہوا۔ کثرت شوق یہاں تک تھی کہ باوجود نہ ہونے ڈاک اور صفائی راہ کے دہلی اور اکبر آباد غزل بھجوا کر اصلاح لیتا تھا۔ بہ نسبت استاد کے کلام کے اس کا کچھ مختلف ہے۔ کیونکہ استاد کے کلام میں ایک قسم کی رنگینی اور نزاکت ہے اور اس کے کلام میں محض صفائی اور پابندی محاورہ کی ہے۔ کلام اُس کا اگرچہ پر زور نہیں اور بلند پروازی بھی کم کرتا ہے۔ لیکن لطیف اور خوش آئند صاف صاف باتیں ہیں کہ سننے سے لطف حاصل ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت اُس کی آزاد اور دل کم طبع تھا۔ مثل اور شاعروں کے نہ بقدری کی شکایت کرتا ہے نہ کسی بادشاہ یا رئیس کی تعریف میں قصیدہ لکھا ہے۔ مگر دیوان ضخیم غزلیات و رباعیات کا موجود ہے جو اُس کے کمال پر دلالت کرتا ہے اور یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ ایک ہندی آدمی ہو اور زبان غیر میں ایسی مشق کلام کرے کہ اہل زبان اُسے پسند کریں۔ اہل ایران اس کے کلام کو سن کر کہتے ہیں کہ۔ راغ ہند زبان طوطی از گنج یاد گرفت۔ اضلاع مشرقیہ ہندوستان میں بنارس تک سفر کرنا اس کا پایا جاتا ہے۔ اور شمال میں کابل تک۔ اور جنوب میں بہاولپور

نیک - لکھنؤ میں جا کر مرزا فاخر مکیں سے ملاقات کی - مرزا سے مذکور اگرچہ بے کمال نہ تھا لیکن نہایت مدتیغ اور مغرور تھا - واقف کے کلام کو خاطر میں نہ لایا - اور اعتراض اور اصلاحیں جاوہر کر کے بنیاد لڑائی کی ڈالی چنانچہ واقف نے اُس کی شان میں یہ شعر کہا ہے

مرزا مکیں مانشو چوں مکیں ما	مکیں است جزو عظم مرزا مکیں ما
-----------------------------	-------------------------------

بنارس میں جا کر شیخ علی حزین قزوینی سے ملاقات کی - چونکہ شہرہ آسکے کلام کا ہند و نشان میں عام تھا - ابھی نام ظاہر نہ کیا تھا مگر شیخ نے وضع سے معلوم کیا کہ وطن اس شخص کا پنجاب ہے - پوچھا کہ - بواقف واقفی - اس نے متبسم ہو کر کہا - کہ واقفم - شیخ سمجھ گیا اور اٹھ کر بنگلہ گریہ ہوا - بعد گفتگو سے معمولی کے شعر طبع زاد کے پڑھنے کے لئے فرمایش کی - نور العین نے یہ شعر پڑھا ہے

بہرہ پدرتا چند لے زیبا سپر گردی	الہی بے پدردی الہی بے پدردی
---------------------------------	-----------------------------

شیخ نے اُسی وقت اصلاح دے کر پڑھا کہ ہے

ہمراہ پدرتا چند اے کافر سپر گردی	خدا ساز و یتیمت ناگراں قیمت گمر گردی
----------------------------------	--------------------------------------

بعد ازاں واقف نے یہ شعر پڑھا ہے

سیہ چوری بدست آن نگارنا زمین دیم	شاخِ صندلیں پیچیدہ مارے عنبرن دیم
----------------------------------	-----------------------------------

شیخ نے کہا کہ ہمیں بس است کہ ہے

سیہ چوری بدست آن نگارے	شاخِ صندلیں پیچیدہ مارے
------------------------	-------------------------

واقف نے بھی ان اصلاحوں کو تسلیم کیا - احمد شاہ دُرّانی بادشاہ کابل کے دربار میں اول اس کا شہرہ کلام پہنچا اور پھر حب الطلب خود پہنچا - اگرچہ کوئی قصیدہ اُس کی تعریف میں نہیں دیکھا گیا - لیکن کہتے ہیں کہ اول دربار میں شاہ نے سردار فرمایش کی کہ اپنی تصنیف سے کچھ سناؤ -

واقف نے کہا ہے

نندیدہ ہیچکس نفل پیمبر	بحمد اللہ کہ نفل اللہ دیدیم
------------------------	-----------------------------

لیکن درحقیقت اس میں توارد یا سرقت امیر خسرو کی اس رباعی سے ہے۔

رباعی امیر خسرو

صد شکر کہ روئے بادشاہ دیدیم	ابن بارگہ عز و علا را دیدیم
پیغمبر را سایہ نندید است کسے	ماٹیم کہ سایہ خدا را دیدیم

یہ رباعی بھی واقف نے اُسی ملک میں کہی تھی ہے

آں طفل کہ ست ساغر نادانی است	حالم ز غمش خراب و سرگردانیست
می نالم و رحم نایدش برین ازانکہ	او ترک زبان و نالہ ام افغانیست

بعد ازاں بہاولپور میں گیا اور نواب بہاولپور کے دربار میں ملازم ہو گیا۔ ہندوستان میں مرہٹوں کے حملوں سے اُس وقت تباہی اور پنجاب میں افغانوں اور سکھوں کے تہلکوں سے بربادی ہو رہی تھی۔ یہاں سے اُمید منقطع کر کے وہیں سکونت اختیار کی۔ چنانچہ اب بھی اولاد اُس کی وہاں باقی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ سب خاندان میں کوئی اس قابل نہیں ہوا کہ باپ کا نام روشن کر سکے۔ غرض واقف نے ۹۱۱ھ ہجری میں اس عالم فانی سے کوچ کیا۔ اس کے دیوان کے ۵۴۴ صفحے ہیں فی صفحہ ۱۶ بیت۔ مخمس وغیرہ ۵۰ ہیں۔ اس کے حالات سے کسی مذہب کی پابندی کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

غزلیات واقف

لے بزم شوق تو نالاں زہر سوساز ما	رفتہ در ہر گوشہ زان ساز ما آواز ما
----------------------------------	------------------------------------

مہ جبیناں جہہ سا بر آستان از نیاز در ہواے اوج توحید تو از کف می رود راز بایت را بے گفتند سرستان عشق راہ بے انجام حدت سرچو گردن اہل فکر کے تواند پرزدن در صید گاہ حمد تو	مازینیاں بردرت از سر نہادہ ناز ما طاثرانِ قدس را سرکشۂ پرواز ما ہچنان ہستند لیکن سر بہر آں راز ما کردہ در اول قدم گم خویش را آغاز ما میکند ہر چند شاہین خرد انداز ما
از رگ و پے بندہ واقف ہیں رگہ ما اے بزم شوق تو نالاں ز ہر سوز ما	
پروردہ گر چہ عشق بخون جگر مرا رفتی بسوے یار و نکردی خبر مرا اے اشکِ فتن تو بایں رنگِ غنایت از دست دل کجا روم اے کیس بلا خواہم سعادتی ز طوافِ قفس برم	افگند یار ہچو سرشک از نظر مرا خون شد بہ بیوفا بیت اے دل جگر مرا ترسم کہ رفتہ رفتہ کنی بے جگر مرا نہ در سفر گزارد و نہ در حضر مرا ورنہ چہ حال است ازین مشیت پر مرا
بودم ہنوز طفل کہ سوز دل چو اشک واقف نگندہ بود ز چشم بدر مرا	
دلانی شہنوم از دوشب فغان ترا خراب تیر نگاہ تو خانہ دل ما بہم ز خون تو آلودہ و تو نازک طبع ازاں بکوے تو شہا خموش می باشم نمی کشانی شمشیر از کمر یک دم بیک اشارہ ابرو نمیرسد زورم	کہ مہر کردہ ندانم دگر دمان ترا خدا خراب کند خانہ کمان ترا چگونہ بوسہ زخم خاک آستان ترا کہ درد سرتنواں داد پاسبان ترا کہ ہستہ است بقلم چنیں میان ترا بگو چگونہ کشم اے جواں کمان ترا
ازاں قصور کہ واقف تو در وفا کردی نمیخورد سگِ دلدار استخوان ترا	

خوش آنکہ برویت نظر سے داشتہ باشد | یا از سرکویت گزرے داشتہ باشد

سرور سرکار ت کم انشاء اللہ | تن زار و نزار ت کم انشاء اللہ
دل رفت بفرمان تو لبّہ الحمد | جاں نیز نشارت کم انشاء اللہ

بکسار کسے نمی آئی | تو بکار کسے نمی آئی
از براے تو چوں تو اں مژدن | بمزار کسے نمی آئی

غزل

نگاہت آفتِ دوراں شد و ہنوز کجاست | بلائے دین دل جاں شد و ہنوز کجاست
بد و غم نہ بیباک و بیگنہ کش تو | ز کشتہ پشہ فراواں شد و ہنوز کجاست
کشید حسن تو ز ناد را ز پردہ بروں | ہزار صومعہ ویراں شد و ہنوز کجاست
بیک تظاول زلفت کہ عمرش افزوں باد | ہزار جمع پریشاں شد و ہنوز کجاست

زدانغ سوختگان تو دیدہ بدوور
تمام شہر چراغاں شد و ہنوز کجاست

توئی کہ رحم بہ جاں ماے مبتلا نہ کنی | توئی کہ شونجی حسنت نمی دہد آرام
توئی کہ خوں عزیزاں نمودہ پامال | توئی کہ در طرب تست معجز عیسے
توئی کہ شیوہ بے باکیت گذشت از حد | توئی کہ عادت بیگانہ پروری داری
توئی کہ حق فقیران خود ادا نہ کنی | توئی کہ شہر از نگیری بدیدہ جانہ کنی
بزریر پا نظر از مسرط کبریا نہ کنی | توئی کہ حاجت یک آشنا روا نہ کنی
ولے چہ سود کہ یک خستہ رادوانہ کنی | توئی کہ حق فقیران خود ادا نہ کنی

توئی کہ دادہ خدا ساز مرگ عیش ترا توئی کہ راہ وفا کردہ غلط صدرہ توئی کہ عہد تو پادار نیست چوں گل توئی کہ کردہ خدا بادشاہ حسن ترا	ترتھے بگدایان بے نوا نہ کنی براہ جور و جفا یک قدم خطا نہ کنی بدست ہر کہ بیفتی با و و نہ کنی توئی کہ لطف بحال من گدائے کنی
توئی کہ ساختہ دردمند واقف را توئی کہ چارہ آں درد مند را نہ کنی	
دیوانہ ایم شہر بانا مبارک است بوتے ز زلف یار بجاں بیج میکنند و قتل مامضائے خواں برائے صیت یار عزیز باعث عمر دوبارہ است زخم زدی کہ تا دم پیری کم نشد در چشم من نشستی و کردی شکار خلق عریاں سان عشق ز خاک حریم دوست	بیروں کشیم رخت کہ صحرا مبارک است لے دل بدر ساز کہ سودا مبارک است مارا مبارک است و شمارا مبارک است یوسف خریدن تو زینجا مبارک است دست تولے جواں چقدر مبارک است بیرون مرد و زبیدہ من جا مبارک است در بر اگر کنند سراپا مبارک است
شوم است دیدن تو در بنائے روزگار واقف گدائے در دلہا مبارک است	
بجام از تو کدام آفت و بلاست کہ نیست بکیما طلبی کردہ خلق بدنام ترا بشیوہ ولداری انچہ بایستے ز فتنہ نیست بہد تو گوشہ خالی نبرہ از تو کہے کاسہ امید ہی	در آہ غمکہ دل ہمیں چہ مات کہ نیست و گرنہ آرزوئے وصل تو کراست کہ نیست تمام ہست لیکن ہم فاست کہ نیست ز قامت تو قیامت بلوکجاست کہ نیست نگاہ لطف تو بر حال میں گداست کہ نیست
بہر کہ می نگری واقف از ہوس داغ است دربں زمانہ مگر عشق کمیاست کہ نیست	

صبا کجاست کہ اور انقاب بردارد کہ بخت خفته مار از خواب بردارد بنیر پیرمناں دیدہ جواں مردی بر اں سرم کہ زدست تو واکشم دل را خوش آمدی عرق سرد کن کہ تا نفسے علاج گریہ من کن و گرنہ نزدیکست نیکند عزیزاں بخواریم راحے ز بار محنت ایام گردد آسودہ میائے من و او طرفہ مابل افتادی ز حسن تو حظ اولی بصر چہ فیض برد	شود کہ طالع ما سر ز خواب بردارد مگر صبا رخ اور انقاب بردارد کہ بار غم ز دل شیخ و شاب بردارد کہ ادا مغ کہ ناز و عتاب بردارد دماغ سوخته بوٹے گلاب بردارد کہ سیل خائے من چوں حباب بردارد مگر ز خاک شہرہ بو تراب بردارد بدوش ہر کہ سبوتے شراب بردارد خدا ترا میاں لے حجاب بردارد چہ بہرہ کور سواد از کتاب بردارد
جگر بیس کہ ز تو کشتہ میرود واقف بود ایسے کہ خضر نیز آب بردارد	
کے درد با فسانہ و افسوں رود اذ دل غم نیست کہ اذ درد تو ام خون رود اذ دل آنرا کہ عشق من حسنت نظر افتاد ہر گاہ کند گریہ ام از یاد تو طوفان از باطن خم تا نرسد فیض یقینت	ہرگز نرود گر بشل خون رود اذ دل ترسم کہ باں درد تو بیرون رود اذ دل لیلے رود از خاطر و مجنوں رود اذ دل سیحوں ز جگر آید و جیحوں رود اذ دل مشکل کہ ترا شک چو فلاطون رود اذ دل
واقف بحضور تو چنان مضطرب افتد کز بزم بیرون ناشدہ بیرون رود اذ دل	
یار ناپائدار را چہ کنم من و آن ہستی صلی خویش من گرفتہ کہ ساختم با بخت	عمر بے اعتبار را چہ کنم ہستی مستعار را چہ کنم بخت ناسازگار را چہ کنم

ساخت در مردماں مرا رسوا نہ بوصل است ساز شتم نہ بجر اگر تو ام نا امید می سازی	دیدہ اشکبار را چه کنم طبع ناسازگار را چه کنم دل امیدوار را چه کنم
گر نہ دیوانگی کنم واقف خود بفرما بہا را چه کنم	
گر اینچنین تو شوخ پسرقتہ گر شوی زب سان میکشی تو مراے شب فراق	می ترسمت کہ آفت جان پدر شوی یارب کہ زود کشتہ تیغ سحر شوی

خاتمہ

کہتے ہیں کہ اُردو کے سب سے بڑے تاجدار نے برسوں کے بعد پھر محفل ادب کا اعلان کیا ہے۔ خدائی امدادیں شامل حال کر کے پُرانے پُرانے شعر اکو دعویٰ رقعے بھیجے ہیں۔ زمین اُردو کو وسیع میدان قرار دیا ہے لفظی بندشوں اور رعایتوں سے پنڈال کا سماں باندھا ہے۔ اس میں انشا پر دازی کے فرش بچھینگے۔ صدق عقیدت کی سوار یوں پر مہمان آئینگے۔ خاص انخاص چھتیس کرسیاں چھینگے۔ دھوم دھام ہوگی۔ ہجوم عام ہوگا۔ فارسی جام کے سرشار اور فدائی نیم نگاہی پر قربان بھی ہونگے۔ قصیدوں کے مارے کان پڑی آواز نہ سنائی دیگی۔ ہٹو بچو کے شور میں ایران و توران کے مہمان اُترینگے۔ اُردو کی سرزمین پر فارسی کی بولیاں بولینگے۔ انکے ساتھ ساتھ انکے قدردان بادشاہوں کی رچیں بھی سایا رنگن ہونگی۔ جلسہ جم جائیگا۔ تو حضرت آزاد جیسا ساقی آب حیات کے جام لُٹھا جائیگا۔ دور پہ دور چلیں گے۔ اور مدتوں کے پیاسے آج پیاس بجھا ئینگے پھر بے مل کر دعا مانگیں گے۔ کہ الہی ہندوستان میں نگارستان کو عمر دراز عطا کر کہ وہ پھر فارسی کے زندہ کرے تاکہ اُردو بولنے والے ہیں اور ہمارے حالوں کو آزاد کی زبانی سنا کریں۔ ظاہر

غرض کیفیت

منظور ہے گزارش احوالِ اقی
اپنا بیان حسنِ طبیعت نہیں مجھے

اگرچہ میں دنوں بچہ ہی تھا۔ مگر مجھے خوب یاد ہے۔ کہ قبلہ و کعبہ نے اپنی
آخری محذوبیت پسند زندگی میں کبھی کسی تنفس کو اپنے کتب خانہ کے پاس بھی نہیں بھٹکے دیا۔
یہاں تک کہ ۱۹۱۰ء میں

آخر شب عاشور کو تھی جس کی تمنا | آپہنچا نصیبوں کے بلاوا انہیں بکا

افسوس آفتاب ادب چھپ گیا۔ عروسِ سخن کا سہاگ لٹ گیا۔ اردو زبان کے سب
بڑے انشا پرداز نے اس دار فانی سے عالم بقا کی طرف مراجعت فرمائی۔ بیانِ باوا
کے انتقال کے بعد ایک عرصہ تک تو ان کا مکان بند ہی پڑا رہا۔ والد مرحوم سرکاری
مصرفیت کی وجہ سے آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھ سکے۔ آخر بصدِ منت ایک عزیز کو
اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ وہ تمام کتب خانہ کی فہرست مرتب کر دیں۔

خدا ان صاحب کو ذرہ ذرہ اور بال بال اس کا اجر دے کہ بیس بائیس سال کی گرد و دھ
کتابوں کو خدا جانے کتنی خاک دھول پھانک کر ایک فہرست کی صورت میں مرتب کر دیا۔
اب فہرست بن چکی تو والد ماجد نے خود تمام کتابوں کی پرتال کی۔ اور بہت سی
گزشتہ اور آئندہ بھلائیوں کو سوچ کر لغٹ گورنر پنجاب سر لوئی ڈین بہادر کے
ایما سے کتب خانہ آزاد قلمی و چھاپہ تمام و کمال بغیر کسی معاوضہ کے یونیورسٹی
لائبریری لاہور کے حوالے کر دیا۔ والد ماجد کی یہ فیاضی ہمیشہ یادگار رہیگی کیونکہ
جناب آزاد کی تمام عمر کی کمائی یہی ایک کتب خانہ تھا۔ جس کو وہ ایران و توران
اور خدا جانے کہاں کہاں سے جان کے ساتھ لگا کر لائے تھے۔

کتب خانہ تو اس طرح ٹھکانے لگا۔ اب رہے انکے سؤدات اور بستے

انہیں بھی والد مرحوم نے کھولا تو مگر سرسری نظر سے دیکھا اور باندھ دیا۔ کہ پھر کبھی فرصت کے وقت دیکھنے۔ مگر تقدیر کا جگر و وزیر کمان سے نکل چکا تھا۔ فلک بکج رفتار کو بھلا کب بھاتا تھا۔ نصیبوں کا پھیر دیکھئے کہ اسی سال میرے کرڈیل جوان بھائی آغا محمد اسماعیل اسیر ایم۔ اے کا امتحان دیتے دیتے سرزم کا شکار ہو گئے۔ ان کی صفت ماتم اٹھنے نہ پائی تھی کہ یکے بعد دیگرے دو جوان بہنیں نتے نتے بچے سیر چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوئیں۔ یہ زخم بھی بھرنے نہ پایا تھا۔ کریکا یک مصیبت کا آسان پھر ٹوٹ پڑا اور میرے دوسرے بڑے بھائی جوان مرگ آغا محمد یوسف خلیل بیابے تیا ہے سیروں خون ڈال کر ہاتھوں میں لوٹ گئے۔ غرض کہ ان پنے درپے صد مات نے والد ماجد کو ایسا مضحل کر دیا کہ پھر کبھی اُن چیزوں کا نام ہی نہ لیا۔ آخر یہ تمام مرحلے طے کر چکے کے بعد وہ بھی ۸ دسمبر ۱۹۲۲ء کو عارضۂ قلب کے بہانے اس بے وفادنیا سے خفا ہو گئے اور دلی میں ۵

اپنے یوسف کے پاس دفن ہوئے
چشم یعقوب میں کہاں تنمیںم

حضرت والد صاحب کے انتقال کے بعد جب میں لاہور آیا تو سب سے پہلے عبرت کی نگاہیں انہیں پلندوں پر پڑیں۔ دل خون ہو گیا کہ افسوس حضرت آزاد کے جسمانی فرزند تو یوں خاک کے پیوند ہو گئے اور یہ معنوی فرزند جنہیں مولانا اپنے بچوں سے زیادہ عزیز جانتے تھے اور جان چھڑکتے تھے۔ ان پھٹے پرانے بستوں میں سوتے کے سوتے رہ جاتینگے۔ حضرت آزاد تو اب بار بار آنے سے رہے۔ جو انہیں بنائینگے سوارینگے اور ایک سے ہزار کر کے نکالینگے۔ اب تو یہی غنیمت ہے کہ اس بہتے دریا میں سے جو کچھ بھی ماٹھ آئے آجائے۔ ان تمام باتوں کو سوچ کر اُن مسودوں۔ بستوں اور گتھوں کو کھولنا شروع کیا۔ کیا تباؤں کہ ایک ایک کاغذ کا ورق لاکھوں جانداروں کے کلیجے سے لپٹا نظر آتا تھا۔ کیڑوں کی فوج کو کمال ہمدردی کے ساتھ رخصت کیا گیا۔ غرض کہ اسی طرح روزانہ دو تین گھنٹے اسی چھٹکا چھٹکی

میں صرت سونے لگے۔ انہیں نوں میں ایک فوج جناب میر ممتاز علی صاحب سے ملنا ہوا۔ تو باتوں باتوں میں لانا کی غیر مطبوع کتابوں کا بھی ذکر نکل آیا۔ اسی سلسلے میں انہوں نے فرمایا۔ کہ دیکھنا بھی۔ استاد نے آب حیات کی طرح ایک تذکرہ فارسی شعرا کا بھی لکھا تھا۔ ایک دفعہ ہم نے دیکھا بھی مگر اسکے بعد تمہارے والد نے اور میں نے ہر چند کوشش کی مگر ہاتھ نہیں آیا۔ تم ذرا خیال رکھنا۔ مجھے معلوم تو پہلے بھی تھا مگر اب یقین ہو گیا۔ اور اس کی ٹوہ میں رہا۔

حسن اتفاق دیکھنے کے ایک ن ایک بستہ کھول کر بیٹھا تھا کہ سامنے ابو عبد اللہ محمد رود کی نام لکھا نظر آیا۔ دیکھا تو اکثر مسودہ نگارستان کا تھا۔ اسی وقت میر صاحب کے پاس گیا۔ انہوں نے پہچانا تو مجھے کامل یقین ہو گیا کہ ع قرعہ خال بنام من دیوانہ زدند۔

مقام شکر اور فخر ہے کہ مجھے جیسے نا اہل کے ہاتھوں اللہ میاں کو یہ کام لینے منظور تھے ورنہ میری ایسی تقدیر کہاں کی تھی کہ ایسے صاحب علم و فضل کی صحبت حاصل ہوتی۔ اور انکے مسودوں کی کاٹ چھانٹ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا۔ کہ ایسی اصلاح شاگردوں کو بھی میسر نہ آئی ہوگی۔ رنگارستان کا قلمی مسودہ مختلف بستوں میں سے ملا۔ ایک جگہ جمع کیا تو تقریباً مکمل ہو گیا۔ صفحوں کے نمبر بھی مل گئے۔ اگرچہ ایک ایک کاغذ الگ الگ ہے مگر ہر آئندہ صفحہ کا پہلا حرف پچھلے صفحہ کے آخر میں لکھا ہوتا ہے۔ مسودہ تمام خوشخط لکھا ہوا تھا۔ سوائے چند شعر کے حال کے کہ جن کا پڑھنا صبح کرنا شام کا لانا ہے جوے شیر کا۔

انکے علاوہ ایک دو پرچے بالکل ناقابل رکھنے اور پڑھنے کے بلے جنہیں پنپل کی نوشت نے حرف غلط کی طرح سے مٹا دیا تھا۔ مگر نظر گڑو دینے سے معلوم ہوا۔ کہ غالباً گمراہ فارسی حضرت غالب کا ذکر ہے جن کو مولانا نے آب حیات میں بھی فارسی کا شاعر مانا ہے۔ ایک جگہ حضرت یکدل لاہوری کا نام بھی پڑھا گیا۔ خدا جانے کس سلسلے میں ہو گا مگر تھا ضرور۔

پہلے ہی میں نے جب کتاب کو پڑھا تو ترتیب میں کچھ فرق سا نظر آیا۔ اول سے آخر تک نام شعرا

لے یکدل لاہوری سے مراد جناب فخر الشعرا مولانا احمد بخش صاحب چشتی ہیں۔ جن کا یہ مشہور شعر حضرت آزاد نے اکثر جگہ اخبارِ حال میں استعمال کیا ہے۔
یکدل و خیل آرزو دل بہ کجا کجا دہم
سینہ تمام داغ داغ پنہ کجا کجا غم

اپنی اپنی جگہ خوب بٹھائے ہیں۔ مگر کمال اسماعیل اصفہانی۔ خواجہ سلمان سادجی۔ رشید الدین محمد طواط اور عبید زکائی کو خدا جانے کسے قصور پر مولانا نے ابو الفضل کے بعد رکھا ہے حالانکہ ان سب کو نظامی گنجوی کے بعد لکھنا چاہیے تھا۔ میں نے اسکے تعلق حضور ڈاکٹر اقبال سے مشورہ لینا چاہا۔ لیکن ان حضرات نے ایک ہی جملہ سے میرا منہ کیل دیا کہ جس طرح مولانا نے لکھا ہے بغیر کسی تبدیلی کے حرف بحرف چھپوا دو + خیر کوئی بات نہیں۔ یہ تذکرہ شعرا ہے۔ ستین شعرا نہیں۔ ہر شاعر کا حال اپنی اپنی جگہ خود ایک علیحدہ مرتع ہے +

بعض شعرا کے انتخاب کلام بھی ذیل سکے۔ کیا جانے حالت جذب میں کہاں سے کہاں باندھ دئے۔ دو زمین جلیل القدر شاعر بھی رہ گئے۔ مثلاً عمر خیام ابن یمن وغیرہ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بھی اس قدر شعرا کسی اردو کے تذکرہ میں نہ ملیں گے۔ اور حضرت آزاد کی انشا پر دازی۔ لطیفہ سنجی اور ادائیگی مضمون کا لطف علیحدہ رہا +

تمام کتاب پڑھ جانے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کتاب آب حیات کے ساتھ ساتھ ہی لکھی گئی تھی۔ جیسا کہ شیخ سعدی کے حال میں فریضی صاحب کی زبانی انکے زرار کی کیفیت بیان کرتے ہیں اسکے بعد سیر ایران میں اپنی آنکھوں دیکھی باتیں لکھی ہیں۔ مولانا نے بعض وجوہات سے مخدیان کا شائع ہونا مقدم جانا۔ بہت ممکن تھا۔ کہ سفر ایران کے بعد روحانی تحلیلات اگر انہیں صحت میں تو اسے بھی آب حیات جیسی آن بان کے ساتھ شائع کرتے۔ اور ہر دور پر خدا جانے کس طلسم کاری کے عنوان باندھتے۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا +

ایسی حالت میں نگارستان کو بھی دیکھ کر ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ کہ ایک نامعلوم نعمت اس طرح بن مانگی مراد بن کر مل گئی۔ کہ جس کا سان و گمان بھی نہ تھا +

اس ندرت حرف بحرف مولانا کے مسودہ کے مطابق نگارستان فارس چھپا ہے تیلش میں جو کہ بعض اور شعرا کا حال اور انتخابات بل جائیں تو پھر ترتیب میں بھی وزن قائم کر کے دوسرا ڈیشن نکالوں + کلہبس کو نئی دنیا دینے والے نے اس کے بعد مجھے بھی پے در پے مولانا کے غیر مطبوعہ جواہر پرزے دلوائے۔ جو انشاء اللہ بہت جلد ہدیہ نظر ہوں گے +

طاہر

آموزگار پارسی

اگر آپ نے آب زر سے لکھی ہوئی فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھی ہیں۔ اور قند پارسی سے بھی چاشنی زبان کو تازہ کر چکے ہیں۔ تو یہ آخری درس پارسی آموز سے بھی زبان مذکور کو اُجائیے مولینا مہدوح نے سفر ایران کے بعد یہ دوسرا حصہ گفتگو پر لکھا تھا۔ مگر مسودہ کی حالت میں وقت کا منتظر تھا۔ اب تیار ہے۔ اس میں مختلف درس قائم کئے ہیں۔ آسمان زمین۔ گھر۔ بازار۔ دفتر۔ دوکان غرض کہ رائی سے پرست تک کے نکتے نکتے اور ذرے ذرے کو اس خوبی سے لکھا ہے کہ زبان اور کانوں سے اُتر کر دل میں اُتر جاتا ہے۔ نئی فارسی یا بول چال جو کچھ بھی کہئے۔ اس میں دریا اور کوزے کا مزہ آتا ہے۔ ایک دفعہ پڑھنے کے بعد مبتدی نہایت آسانی کے ساتھ فارسی بول سکتا ہے۔ لکھ سکتا ہے۔ پڑھ سکتا ہے۔ آسانی زبان کے لئے فارسی کے سامنے اردو کا ترجمہ بھی شامل کر دیا ہے۔ جو اس کی قدر و منزلت کو دو بالا اور سہ بالا کرتا ہے۔ + ابھی زیر طبع ہے +

رسلنے کا پتہ

محمد طاہر منیجر آزاد بک ڈپو

اکبری منڈی۔ لاہور

